بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانۂ طالب علمی

کیسے گذاریں؟

خصوصی تربیتی مجالس منیر

از انتخاب

محبوب العلماء والصلحاء

پیر طریقت حضرت اقدس مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مد ظلہ

مہتمم دار العلوم جھنگ پاکستان

افادات

حضرت مولانا و مفتی منیر الدین احمد صاحب عثمانی نقشبندی زید مجدہم

استاذ دار العلوم دیوبند و خلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی

مرتب

محمد شاکر بجنوری

متعلم شعبہ تکمیل افتاء دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ عثمانیہ دیوبند

فہرست

کلماتِ بابرکات

ازشیخِ محترم حضرت الاستاذ مولانا منیر الدین احمد صاحب عثمانی نقشبندی -زید مجدہم-

استاذ دار العلوم دیوبند وخلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی -مدظلہم-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج سے پانچ سال قبل حضرت اقدس عارف باللہ، شیخِ طریقت، پیر فقیر، مولانا وحافظ ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی - دامت برکاتہم العالیہ - نے اس عاجز کو سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت کے لیے امر فرمایا۔ چنانچہ حضرت جی کے حکم کے مطابق، بعد نمازِ عصر، اپنی قیام گاہ پر، اصلاحی مجلس کا آغاز کر دیا گیا۔ اور کوشش یہ کی گئی، کہ حضرت جی کی مطبوعہ مجالس پڑھ کر طلبہ کو سنائی جائیں اور دعا کرادی جائے۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہا۔ طلبہ نے اس سلسلے کو بے حد پسند فرمایا۔ اور طلبہ کا رجوع بکثرت ہونے لگا؛ یہاں تک کہ جگہ تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی۔

پھر عزیزی مولوی محمد شاکر -سلمہ- جو اس عاجز سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے ہیں، ایک روز آکر یہ کہنے لگے کہ: اگر اصلاحی مجالس میں طلبۂ عزیز کے حوالے سے وہ اہم امور بیان کیے جائیں، جو طلبۂ دین کے لیے اہم اور لازم ہیں؛ تو بہت بہتر ہوگا۔ چنانچہ اس کے لیے یہ طے کیا گیا، کہ حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب - دامت برکاتہم العالیہ - کی کتابوں سے وہ چیزیں یکجا کی جائیں، جو طلبۂ دین کے لیے ضروری ہیں اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ عزیزی مولوی محمد شاکر متعلم شعبۂ افتاء نے اس کے لیے کمرِ ہمت باندھی اور حضرت جی -دامت برکاتہم العالیہ- کی مختلف کتابوں سے صرف اُس ضروری مواد کو اکٹھا کرنا شروع کیا، جو کہ علمِ دین کے حصول سے متعلق ہے۔ وہ ایک ہفتہ محنت وجانفشانی سے مضمون یکجا کرتے اور پیر کے روز وہ مضامین پڑھے جاتے۔ جو راہِ علم کے مسافر کے لیے راہنما، چشم کشا ثابت ہوئے۔ اور طلبہ ذوق وشوق سے اس مبارک محفل میں شریک ہوتے، اور دل کے کانوں سے سُنتے اور سُن کر بے تاب ہوتے۔ بسا اوقات گریہ وزاری کا سماں بن جاتا؛ حتی کہ روتے روتے بُرا حال ہو جاتا۔ اس محفل کے ان پُراثر مضامین کی وجہ سے، طلبۂ عزیز کا

مطالبہ ہونے لگا، کہ ان کو شائع کیا جائے؛ مگر یہ عاجز یہ سوچ کر ٹال دیتا، کہ کیا یہ عاجز؟ اور کیا یہ محفل؟ اور کیا یہ محفل میں پڑھے جانے والے مضامین؟ لیکن جوں جوں یہ عاجز منع کرتا رہا، طلبہ کا اصرار بڑھتا رہا۔ میں پیچھے ہٹتا، وہ آگے بڑھتے، خصوصًا سال کے آخر میں تو شدید تقاضا کرنے لگے، ہر ہفتے مجلس میں مطالبہ کرتے اور آرزو ظاہر کرتے، کہ اب یہ مجلس تو ہم سے چھوٹ جائے گی، کم از کم یہاں پڑھی گئی باتوں کا استحضار کرنے کے لیے ہم ان مضامین سے استفادہ کرلیا کریں گے؛ اس لیے مضامین اشاعت پذیر کردیے جائیں۔ یہ مضامین ہم طلبہ کی تاریک زندگی میں روشنی فراہم کریں گے۔ یہاں تک کہ بادلِ ناخواستہ یہ عاجز مرتَّب شدہ مضامین کی اشاعت کے لیے تیار ہوگیا۔ پھر اگرچہ یہ مرحلہ سخت گزار تھا، کہ حوالہ جات کی تلاش اور مضامین کو بحوالہ رونقِ کتاب بنانا؛ سخت محنت طلب تھا، اس کے باوجود یہ طے کیا گیا کہ معتبر کتب کے حوالوں سے ہی مضامین اشاعت پذیر ہوں گے۔

اللہ رب العزت عزیزی محمد شاکر -سلمہ- کو جزائے خیر دے، کہ موصوف نے اس اہم کام کو بھی اپنے ذمّے لیا۔ اور جاں گُسل محنت سے حوالہ جات تلاش کیے اور درجِ کتاب کیے۔ پھر کتاب کو طبع کرنے کے قابل بنایا۔ اب یہ کتاب ''زمانۂ طالبِ علمی کیسے گزاریں؟'' عاجز کی مجلسِ پیر میں پڑھے جانے والے مضامین کا مجموعہ ہے اور ہمارے حضرت کی کتابوں سے مستفاد ہے۔ پوری سعی کی گئی ہے، کہ غلطی نہ رہے، اس کے باوجود اگر غلطی رہ گئی ہو، تو وہ اس عاجز کی طرف منسوب ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس مجموعے کو مفید سے مفید تر بنائے۔

(آمین یارب العالمین)

منیر الدین احمد عثمانی نقشبندیؔ

خادمِ تدریس دار العلوم دیوبند

۷/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

مطابق ۲۴/اپریل ۲۰۱۸ء

تقریظ

حضرت الاستاذ مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری نقشبندی - زید مجدہم -

استاذ دار العلوم دیوبند وخلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی - مد ظلہم -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب العزت کی توفیق سے موجودہ دور میں جو حضرات تزکیہ واحسان یا سلوک و تصوف کی راہ سے امت کی اصلاح کے لیے سرگرمِ عمل ہیں، اُن میں شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی - دامت برکاتہم - کا نام اور ان کا کام حد درجہ ممتاز اور نمایاں ہے۔ ان کا دائرۂ فیض دنیا کے اُن اکثر ملکوں میں پھیلا ہوا ہے، جہاں مسلمان قابلِ ذکر تعداد میں آباد ہیں۔ ان کی مجالس اور بیانات سے لاکھوں لوگوں کو فیض پہنچ رہا ہے، اسی طرح اُن کی تصانیف سے علماء کرام اور عام مسلمان ہر جگہ فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت والا دامت برکاتہم کے فیوض پھیلنے کا ایک ذریعہ اُن کے خلفاء کرام بھی ہیں، جو ساری دنیا میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ -الحمد للہ- دار العلوم دیوبند میں بھی حضرت کے متعدد خلفاء کرام ہیں، جن میں رفیقِ محترم جناب مولانا منیر الدین احمد صاحب - زید مجدہم - کا نام بھی شامل ہے۔ موصوف دار الاقامہ کے ناظمِ اعلیٰ بھی ہیں اور اس حیثیت سے بھی طلبہ کی تربیت اور نگرانی اُن کے فرضِ منصبی کا حصہ ہے، مزید وہ حضرت والا کے فیض کی اشاعت کے لیے بھی محنت کر رہے ہیں، اسی کے تحت اُن کے یہاں ہر ہفتہ پیر کے دن بعد عصر مجلس ہوتی ہے، جس میں بڑی تعداد میں طلبہ شریک ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب، مولانا موصوف کی اسی ہفتہ واری مجلس میں پڑھے جانے والے افادات کا مجموعہ ہے۔ جس میں طلبۂ عزیز کی اصلاح وتربیت سے تعلق رکھنے والے

اقتباسات جمع کئے گئے ہیں۔ یہ اقتباسات، حضرت اقدس شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی - دامت برکاتہم - کی مختلف کتابوں سے، مولوی محمد شاکر بجنوری متعلم تکمیلِ افتاء دارالعلوم دیوبند نے، حضرت مولانا منیر الدین احمد صاحب - زید مجدہم - کے حکم پر اوران کی نگرانی میں جمع کیے ہیں اور مولانا موصوف کی مجلس میں ان کو پڑھا ہے۔ احقر نے اس مجموعہ پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ عزیز موصوف نے طالبِ علم سے متعلق حضرتِ والا کی ہدایات وافادات کو اس جامعیت کے ساتھ جمع کیا ہے، کہ گویا اس موضوع پر حضرت کی کتابوں کا عطر کشید کرلیا ہے۔ یقیناً یہ مجموعہ ہر طالبِ علم کے لیے حرزِ جاں بنانے کے لائق ہے۔ اور اگر کوئی طالب علم ان ہدایات پر عمل کرلے، تو - ان شاء اللہ - تقوے کی متاعِ گراں مایہ سے ضرور بہرہ ور ہوجائے گا۔

احقر اس کتاب پر رفیقِ محترم جناب مولانا منیر الدین احمد صاحب - مدظلہ العالی - کو بھی مبارک باد پیش کرتا ہے کہ اُن کی زیرِ نگرانی یہ کام ہوا۔ اور عزیزم مولوی محمد شاکر - سلمہ - کے لیے تو یہ کتاب متاعِ آخرت بھی ہے اور علمی کاموں کی نوید بھی۔

اللہ رب العزت عزیز موصوف کو مزید علمی کاموں کی توفیق سے نوازے۔ آمین

والسلام

محمد سلمان عفا اللہ عنہ

۲/رجب ۱۴۳۹ھ

۲۱/مارچ ۲۰۱۸ء

عرضِ مرتّب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ ومرشد اور استاذِ محترم حضرت مولانا منیر الدین احمد صاحب نقشبندی -زید مجدہم- نے ، ۱۴۳۴ھ میں اپنے شیخ محبوب العلماء والصلحاء، ولئ کامل، عارف باللہ، حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی -مدّ ظلہم- سے، اجازت وخلافت حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند میں طلبہ کی اصلاح وتربیت اور حضرتِ والا کا فیض عام کرنے کے لیے بعد نماز عصر، خصوصی تربیتی، ہفتہ واری، مجالس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔جس میں آپ، حضرت پیر صاحب کی کوئی کتاب پڑھواتے اور پھر مختصر سا مراقبہ کروانے کے بعد دعا فرماتے۔اس عاجز نے بھی اس مجلس میں شرکت کا اہتمام شروع کیا۔پھر زہے قسمت، کہ دو تین مرتبہ کے علاوہ ہر ہفتہ کتاب خوانی کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ایک دن دل میں خیال آیا، کہ حاضرینِ مجلس چونکہ سب طلبہ ہی ہوتے ہیں؛اس لیے اگر طلبہ سے متعلق، حضرت پیر صاحب کے افادات قلمبند کیے جائیں اور قسط وار مجلس میں پڑھے جائیں؛ تو زیادہ نفع ہوگا؛ چنانچہ اس ارادے کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے ازراہِ شفقت یہ کام شروع کرنے کی اجازت دے دی۔ اللہ- رب العزت- نے اس سلسے کو قبولیت سے نوازا، حاضرینِ مجلس نے بہت پسند کیا، مضامین کا عکس لینے کے لیے فرمائشیں کرنے لگے۔ان مضامین کو بشکلِ کتاب شائع کرنے کا ارادہ تو پہلے سے ہی تھا،طلبہ کی طرف سے اس طرح اظہارِ پسندیدگی نے حوصلے کو مزید تقویت بخش دی۔ چنانچہ ذوق وشوق کے ساتھ اس سلسلے کو جاری رکھا۔ اور ان افادات کے انتخاب اور جمع وترتیب کے دوران حضرت پیر صاحب کی اکثر تالیفات اور کتبِ مواعظ کو سامنے رکھا۔خصوصًا درج ذیل کتب پیشِ نظر رہیں:

(۱)(خطباتِ ذوالفقار تینتالیس (۴۳) جلدیں (۲) مجالسِ فقیر پانچ (۵) جلدیں (۳) باادب بانصیب (۴) علمِ نافع (۵) خطباتِ ہند

عاجز نے یہ مضامین حرف بہ حرف نقل نہیں کیے ہیں؛ بلکہ بہت سی جگہوں پر حذف و تغییر سے بھی کام لیا ہے۔ الغرض انتخاب وترتیب کا یہ تدریجی عمل دو سال کے عرصے میں تکمیل کو پہنچا۔ پھر صاحبِ مجلس حضرت مولانا منیر الدین احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری -زیدمجدہم- کے حکم پر آیات واحادیث کی تخریج بھی حاشیہ میں کردی۔ چونکہ یہ دو سال تک اصلاحی مجالس میں پڑھے جانے والے مضامین ہیں؛ اس لیے ہر سال کے مضامین کوعلیحدہ علیحدہ کرنے کے لیے ''بابِ اول'' اور ''بابِ دوم'' میں تقسیم کردیا۔

اب اپنے عزیز طالبِ علم بھائیوں کے خدمت میں یہ مجموعہ پیش کرتے ہوئے اس عاجز کی التماس ہے، کہ اس کتاب کو اپنے زمانۂ طالبِ علمی میں زندگی کا ساتھی اور رہبر بنالیں۔ یقیناً اس کا فائدہ آپ محسوس کریں گے۔ ہر چند کہ باتیں سب سادی سی ہیں اور کچھ نئی نہیں ہیں؛ لیکن ان میں سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ باتیں دورِ حاضر کی ایک برگزیدہ ہستی، مجسمۂ علم وعمل، ولئ کامل، عارف باللہ حضرت پیر صاحب -مدّظلہم- کی زبان ترجمانِ فیض سے دردوسوز اور صدق وخلوص کے ساتھ نکلی ہوئی ہیں۔ حضرتِ والا کی ذات سراپا صفات میں جو تاثیر خدا تعالی نے ودیعت فرمائی ہے، اس دور میں اس کی نظیر بمشکل ہی نظر آسکتی ہے۔ طلبۂ عزیز زیرِ نظر کتاب میں قدم قدم پر وہ اثر وتاثیر، نمایاں محسوس کریں گے۔ دراصل حضرت پیر صاحب کے دل میں طلبۂ عزیز کے تعلق سے عجیب تڑپ اور دردو محبت ہے۔ اور علم کے اس قافلے کو، علم کے ساتھ عمل اور اخلاص کے راستے پر لانے کی فکر ہے، کہ طالب کی شخصیت توعظیم شخصیت ہوتی ہے، اگر علم کا نور اس کے سینے میں اُتر جائے اور علم کے اثرات پیدا ہوجائیں۔ مگر وہ ایک ہی قدم پر آکر اٹک جاتا ہے، جس کی وجہ سے

روحِ علم اور نورِ علم سے محروم ہوجاتا ہے۔ کاش! ایک قدم اور اٹھالے، تو علم کا مزہ اور لطف آجائے اور منزلِ مقصود حاصل ہوجائے۔ حضرتِ والا اس درد وکرب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

حسرت ہے اس مسافرِ مضطر کے حال پر
جو تھک کے رہ گیا ہو، منزل کے سامنے

اللہ - رب العزت - ہمیں حضرت کی اس تڑپ اور فکر کو سمجھنے اور اس کی قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اور ہم طالبانِ علم کے قافلے کو راہِ عمل کا راہی بنادے۔

یہ عاجز گناہ گار بندہ اپنے بڑوں کی ان باتوں کو اپنے عزیز طالبِ علموں کی خدمت میں پیش کرنے میں بڑی خوشی محسوس کررہا ہے۔ اگرچہ اس کام کا اہل نہ تھا، کہ خود علم وعمل سے خالی ہے؛ مگر میرے مالک کا فضل وکرم اور اس کا احسان ہے اور حضرتِ شیخ کی شفقت ومحبت اور حوصلہ افزائیوں کا صِلہ ہے، کہ ربِّ کریم نے اپنے مقبول بندوں کی خدمت کی توفیق دے دی۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهُ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

آخر میں مرتّبِ کتاب سبھی معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہے خصوصًا رفیقِ محترم مولانا محمد طلحہ صاحب بجنوری (متعلم شعبۂ تکمیلِ ادب دارالعلوم دیوبند) کا، جنہوں نے آخر میں کئی مضامین کی تبییض میں معاونت کی۔

اگر قارئین کسی جگہ ربط وترتیب یا عنوانات وغیرہ میں کوئی سقم محسوس کریں، تو وہ یقینًا مرتّب کی خامی ہے۔ صاحبِ افادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے، جو کچھ خامیاں سامنے آئیں گی، - ان شاء اللہ - اگلے ایڈیشن میں اُن کو درست کردیا جائے گا۔

اللہ -رب العزت- اس حقیر سی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور تمام ساتھیوں کے لیے اس مجموعے کو نافع بنادے۔ صاحبِ افادات پیر صاحب -مدّظلہم- اور حضرتِ شیخ -زید مجدہم- کو خوب جزائے خیر دے اور شانِ کریمی سے نواز دے۔ ان حضرات کی دین کی خاطر تمام تر کاوشوں کو قبول فرمالے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم فرمائے۔ (آمین)

محمد شاکر بجنوری
متعلم شعبۂ تکمیلِ افتاء دارالعلوم دیوبند

کَانَ اللّٰہُ لَہٗ عِوَضًا عَنْ کُلِّ شَیٍٔ

۴؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

مطابق ۱۹؍اپریل ۲۰۱۸ء

مطالعۂ کتاب سے پہلے

استفادے کے طریقے

اربابِ مدارس طلبۂ عزیز میں عملی ذوق پیدا کرنے کے لیے اپنے مزاج و مذاق اور ادارے کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے درج ذیل طریقوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرتے ہوئے اس کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں:

(۱) ہفتہ میں ایک دن کوئی خاص وقت متعین کر لیا جائے (مثلاً پیر کے دن بعد عصر) اور اس متعین وقت میں استاذ صاحب یا کوئی طالب علم کتاب کا ایک مضمون پڑھ کر تمام طلبہ کو سنا دے اور پھر دعا پر مجلس کا اختتام کر دیا جائے۔ دعاء میں اللہ-عزوجل- سے اس پر عمل کی توفیق، اخلاص اور عشقِ الٰہی جیسی بنیادی چیزوں کو زیادہ مانگا جائے۔

(۲) جن مدارس میں مستقل مساجد ہیں اُن میں کسی ایک نماز کے بعد کتاب سے ایک مضمون یا چند صفحوں کو تمام طلبہ کے سامنے پڑھ کر سنایا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی حرج نہ ہو، تو نماز سے چند منٹ پہلے کا وقت بھی منتخب ہو سکتا ہے۔

(۳) طلبہ کو کسی نظام کے تابع بنائے بغیر، محض ترغیب کے ذریعے کتاب کے مطالعے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) کتاب کو اختیاری مطالعے کے طور پر بھی نصاب میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

(۵) ان کے علاوہ اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں، جو اسلامی اداروں کے منتظمین اور کتاب کے قارئین کی صوابدید پر منحصر ہیں۔

معلّمِ انسانیت -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم- کے دائمی معجزے

ایک نکتہ کی بات، جو آج یہ عاجز کہنا چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ چار معجزات ایسے ہیں، جو ہمیشہ کے لیے محفوظ رہیں گے، جاری رہیں گے، اور پوری امت ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گی:

(۱) قرآن مجید

پہلا معجزہ اللہ رب العزت کا کلام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں۔

تاتاریوں نے جب مسلمانوں پر فتح پائی، توانہوں نے ''دجلہ اور فرات'' میں اتنی کتابوں کو ڈالا کہ وہاں پر پُل بن گیا۔ ایک مہینہ تک دریا کا پانی سیاہ ہو کر چلتا رہا، کتابوں کی سیاہی اترتی رہی، اور پانی کالا ہو کر بہتا رہا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کو ختم کر دیا جائے؛ لیکن وہ خود تو ختم ہو گئے؛ لیکن اللہ کا قرآن ختم نہ ہوا، دنیا میں موجود رہا۔

(۲) احادیثِ مبارکہ

دوسرا معجزہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمان ہے، جسے ہم ''احادیثِ مبارکہ'' کہتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اس دین کی! کیا خوبصورتی ہے اس علم کی، کہ علماء نے اس طرح چھان کے ان احادیث پاک کو محفوظ کیا، جس طرح کوئی چھان کے پانی پیتا ہے؛ چنانچہ آج لاکھوں احادیث مبارکہ کتابی شکل میں موجود ہیں، اور یہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

تو قرآن مجید بھی محفوظ اور احادیث مبارکہ بھی محفوظ۔

(۳)مدارسِ عربیہ

تیسرا معجزہ قرآن وحدیث کو جہاں پڑھایا جاتا ہے،اس جگہ کا نام ’’مدرسہ‘‘ ہوتا ہے۔یہ کیسے ہوسکتا ہے،قرآن وحدیث تو محفوظ ہوں،اور اس کی حفاظت کی جگہ غیر محفوظ ہوجائے؟یہ تو ممکن ہی نہیں۔یہ مدارس ایک جسم کی مانند ہیں،قرآن وحدیث کا علم اس کی روح کی مانند ہے،تو اس روح کو یہاں رکھنے کے لیے ان مدارس کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلا مدرسہ

یہ مدارس نبیؐ کے زمانہ سے شروع ہوئے۔سب سے پہلا مدرسہ جو نبیؐ نے بنایا اس کا نام تھا’’اصحاب صفہ کا مدرسہ‘‘۔

نبیؐ معلم،اور صحابہؓ متعلم اور دین کی تعلیم دی جاتی تھی،یہ اس امت میں دین اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے،پھر یہاں سے صحابہ سیکھ کر دنیا میں نکلے اور انہوں نے پھر تابعین کو سکھایا۔جو صحابی جہاں گیا وہ خود بخود دین کا ایک مدرسہ بنتا چلا گیا؛چنانچہ مدرسہ اس عمارت کا نام نہیں ہوتا؛استاذ اور شاگرد کا بیٹھ کر پڑھنا پڑھانا،مدرسہ ہوتا ہے۔اگر استاذ اور شاگرد کھلے میدان میں جا کر بیٹھ جائیں،تو وہ مدرسہ اور اگر انار کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جائیں،تو وہ مدرسہ۔یہ مدارس نبیؐ کے زمانہ سے شروع ہوئے اور پوری دنیا میں رہے،آج بھی دنیا میں محفوظ ہیں۔

مدارس بند کرنے کی مذموم کوششیں

ان کو بند کرنے کی بڑی کوشش کی گئیں۔

ہمارے اس پاک وہند میں جب فرنگی نے اپنی حکومت سنبھالی،قبضہ کیا،تو اس نے کوشش کی،کہ مدارس کو ختم کردیا جائے،اللہ کی شان اس کافر نے وقف کی تمام جائیدادوں کو سرکاری تحویل میں لے کر مدارس کا گلا گھونٹ دیا،ہزاروں مدرسے بند ہوگئے۔

حاکم وقت نے یہ سمجھا،کہ میں نے تمام مدرسوں کو ختم کردیا؛لیکن علماء گھروں میں بیٹھ

کر اپنے بچوں کو، ہمسایوں کے بچوں کو، محلہ کے بچوں کو؛ اللہ کا قرآن پڑھاتے رہے، تعلیم کا سلسلہ تو چلتا رہا؛ مگر مدارس کی عمارتیں نہ رہیں۔

دار العلوم دیو بند کا قیام

ایسے وقت میں ایک شخصیت تھی، جن کے دل میں دین کا درد تھا، ان کا نام تھا ''حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ''؛ انہوں نے سوچا، کہ مسلمانوں سے ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں، ان کو دنیا سے محروم کر دیا گیا، یہ تو اتنی بڑی محرومی نہیں ہے؛ لیکن آنے والی نسلوں کو دین سے محروم کر دیا جائے گا، یہ تو بہت بڑی محرومی ہے؛ لہذا دین سے تو امت کو محروم نہیں ہونے دینا؛ چنانچہ اس غم کو دل میں لے کر انہوں نے اپنی سسرال میں، جو کہ ایک بستی میں رہتے تھے، جس کا نام تھا ''دیو بند'' وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ شروع کیا، ایک انار کا درخت ہے، ایک استاذ اور ایک شاگرد، استاذ کا نام ''ملا محمود'' شاگرد کا نام ''محمود الحسن'' تھا، انار کے درخت کے نیچے طالب علمی شروع کر دی گئی۔ وہ انار کا درخت آج تک اسی جگہ قائم ہے،(۱) اس عاجز کو وہاں جا کر مراقبہ کی سعادت نصیب ہوئی ہے، میں اس درخت کو دیکھ رہا تھا کہ یا اللہ! اس جگہ سے آپ نے کیسے فیض کو جاری فرما دیا!!

بالآخر انہوں نے یہ سلسلہ اتنی سادگی کے ساتھ چلایا کہ کسی نے نوٹس ہی نہ لیا کہ یہ بھی کوئی مدرسہ ہے۔

شروع شروع میں مدرسہ میں مطبخ کا انتظام بھی نہیں تھا۔ بستی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں ایک طالب علم کا کھانا پکاتے یا دو کا، طالب علم وہاں جا کر کھانا کھالیتا۔

لیکن اللہ کی شان جب مسلمانوں کو آزادی ملی، تو دار العلوم دیو بند ایک ''جامعہ'' بن کر

---

(۱) اپریل ۲۰۱۱ء میں حضرت والا - دامت برکاتہم - کا ہندوستان کا دورہ ہوا تھا، یہ اسی وقت دار العلوم دیو بند میں قیام کے دوران کی بات حضرت فرما رہے ہیں؛ لیکن آئندہ سال ہی یہ درخت کاٹ دیا گیا، چنانچہ آج یہ درخت موجود نہیں ہے۔

تمام علوم کے ایک کامل مدرسہ کے طور پر ابھرا، سارے علوم سمٹ کر اس کے پاس آ گئے؛ چنانچہ وہاں سے جن حضرات نے فیض پایا، پھر انہوں نے ہندوستان میں بھی اپنے مدرسے بنائے، اور پاکستان میں بھی مدرسے بنائے، جتنے بڑے بڑے مدارس اس وقت ملک میں ہیں، یہ سب وہی حضرات ہیں جنہوں نے وہاں سے علم حاصل کیا۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے حضرت نانوتویؒ کے ذریعہ ایک ایسا بوٹا لگوا دیا، جس کا فیض آج بھی پوری دنیا کے اندر موجود ہے، قبولیت کا عالم یہ تھا، کہ پشاور سے لے کر کلکتہ تک کے طلباء دارالعلوم دیوبند علم پڑھنے کے لیے جاتے تھے!!

(۴) مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے

اب چوتھی بات کہ اگر مدارس محفوظ ہوں، تو مدارس میں جنہیں پڑھانا ہے، علم آگے پہنچانا ہے، تو وہ علماء بھی تو ہونے ضروری ہیں۔ یہ نبیؐ کا معجزہ ہے کہ ان کے علم کی وراثت ہر وقت دنیا میں محفوظ ہے اور یہ علم کی وراثت سینوں میں ہوتی ہے۔

عزیز طلبہ! نہ دین کو کوئی مٹا سکتا ہے، نہ مسلمان کو کوئی مٹا سکتا ہے۔ یاد رکھنا! ''جب ہماری کشتی ڈوبے گی تو پوری دنیا کا جہاز ڈوبے گا'' قیامت سے پہلے ہمیں کوئی ختم نہیں کر سکتا۔

ہم اپنے دشمنوں کو نہیں پہچانتے، رب کریم فرماتے ہیں: **وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ بِأَعۡدَائِكُمۡ** ''ہمارا پروردگار ہمارے دشمنوں کو جانتا ہے''۔(۱)

تو یاد رکھنا! **وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا**(۲)

سبحان اللہ! رب کریم نے کتنی بڑی گارنٹی دی، اے مومنو! جو تم تک آئے گا، وہ پہلے مجھ سے نمٹے گا، پھر تم تک آئے گا، اور جو مجھ سے ٹکراتا ہے، میں اُسے پاش پاش کر دیتا ہوں، میں اُسے تگنی کا ناچ نچا دوں گا، میں اُسے نیست و نابود کر دوں گا۔

---

(۱) پ:۵، سورہ نساء، آیت:۴۵ (۲) پ:۵، سورہ نساء، آیت:۱۴۱

علماء کھائیں گے کہاں سے؟

لہذا قرآن بھی محفوظ، حدیث بھی محفوظ، مدارس بھی محفوظ، اور چوتھی چیز علماء بھی محفوظ۔ اور آپ لوگ اب حافظ، قاری، عالم، بن رہے ہیں؛ لہذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کا محافظ خود خدا ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو، کہ کمائیں گے کہاں سے؟ بھوکے مر جائیں گے، مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا یہ طلبہ کھائیں گے کہاں سے؟ میں نے کہا جہاں سے انبیاء کھاتے تھے، بھئی! وہ کہاں سے کھاتے تھے؟ کیا تمہاری فیکٹریوں سے کھاتے تھے؟ ان کو خدا کھلاتا تھا۔ ان طلباء کو بھی اللہ کھلائے گا۔ یہ کیا بات ہوئی؟

اللہ تعالی مہربان ہیں؛ چنانچہ علماء کو اللہ تعالی محفوظ رکھیں گے۔

علماء کو ختم کرنے کی سعئ لاحاصل

اس ملک میں پہلے ایسے حالات آئے، کہ فرنگی نے یہ کوشش کی، کہ علماء کو ختم کردیا جائے؛ لہذا اپنی تاریخ پڑھ کر دیکھیے، کہ اس نے علماء کو چن چن کر پھانسی پر چڑھایا، انگاروں پر لٹایا۔

....جی ٹی روڈ کے دونوں طرف جو درخت تھے، ان کے ساتھ ان کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔

....بادشاہی مسجد کے دروازہ پر پھندا لگا کر چوبیس گھنٹے ان کو پھانسی دی گئی۔

طریقہ یہ تھا کہ ایک بندے کو پھانسی دی جاتی، جب تک اس کی لاش ہلتی رہتی، تڑپتی رہتی، اس وقت تک لوگ تماشا دیکھتے، ذرا ٹھنڈا ہوئے تو دوسرے کو پھانسی دی جاتی۔ چوبیس چوبیس گھنٹے یہ عمل رہا، اور کئی مہینہ یہ ہوتا رہا!!!

مقصد کیا تھا؟ کہ لوگ اتنے ڈر جائیں، کہ آج کے بعد کوئی اپنے بچہ کو حافظ، عالم بنانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لائے؛ مگر اس کی یہ تدبیر ناکام رہی، اور ایمان والوں نے خود

بھی دین کے اوپر استقامت دکھائی اور اپنی اولادوں کو بھی پڑھا کے دکھایا، علماء پھر بھی محفوظ رہے۔ میں نے کشمیر میں ایک درخت دیکھا، جہاں پہ وہاں کے علماء کو پھانسی دی گئی، آج تک وہ درخت محفوظ ہے۔

آپ کبھی اکابر علماء دیو بند کی تاریخ پڑھیں، تو صحیح پتہ چلے گا، کہ ان علماء نے دین کے لیے کیا قربانیاں دیں؟۔

....ایسا بھی ہوا کہ دہلی میں انگریزوں نے انگارے جلائے، اور بڑے بڑے علماء کو بلایا اور انگاروں پر لٹایا کہ ''ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو ورنہ انگاروں پر لٹائیں گے۔'' وہ انگاروں پر لیٹے رہے، جان دیدی؛ مگر انہوں نے اپنے ایمان کا سودا نہیں کیا۔

....ایسا بھی ہوا کہ سو علماء کو بلا کر سامنے کھڑا کیا اور ان کے سامنے سو فوجیوں کو بندوقیں دے کر کھڑا کر دیا، ان کو کہا: کہ، ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو'' انہوں نے انکار کیا،'' تو کہا: ''اچھا پھر بھاگ جاؤ'' جب علماء پیٹھ پھیر کر جانے لگے، تو پیچھے فوجیوں نے گولیاں مار کر سب کو زمین پر لٹا دیا۔

....ایسا بھی ہوا کہ مختلف شہروں اور بستیوں میں جو جیّد علماء تھے، جن کی بات مانی جاتی تھی، ان کی فہرست بنائی، فرنگی نے ان کو گرفتار کیا اور پھانسی پر چڑھا دیا۔

جو بھی آزمائشیں آئیں میں سلام کرتا ہوں ان علماء کی عظمت کو، ان کی استقامت کو، ان کے تقوی کو، ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت تھی اس کو، انہوں نے تمام تکالیف تو برداشت کر لیں؛ مگر دین کو اپنے سینے سے لگائے رکھا، ثابت کر دیا، لوگو! تم جسم سے جان تو نکال سکتے ہو، دلوں سے ایمان کو نہیں نکال سکتے!!

یہ استقامت تھی، ہمارے اکابر کی، جس کی وجہ سے آج بھی دین ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اللہ رب العزت کی ان پر عجیب رحمتیں تھیں۔

ہمتیں بلند کیجیے!

عزیز طلبہ! سنیے اوردل کے کانوں سے سنئے! آپ حضرات چٹائی پہ سونے والے، اور روکھی سوکھی کھانے والے، پوری قوم کے محسن ہو، آپ کا پوری قوم کے اوپر احسان ہے۔ آج شہر میں حفاظ اور علماء نہ ہوتے، تو معلوم نہیں عریانی، فحاشی، زنا، موسیقی؛ شہروں کی آبادی کو کہیں عذاب میں مبتلا کرچکی ہوتیں۔ آج بچے ہوئے ہیں، تو کس کی وجہ سے؟ آپ طلباء او رعلماء کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں؛ لہذا آپ قوم کے محسن ہیں، یہ علماء قوم کے محسن ہیں، آپ کی وجہ سے اللہ تعالی نے ہمارے کرتوتوں کو بھی ڈھیل دی ہوئی ہے، اللہ تعالی نے عذاب کو ٹالا ہوا ہے، ان علماء طلباء کی وجہ سے۔

آج ان علماء طلباء کی ہمتوں کو توڑنے کے لیے کئی مرتبہ کئی باتیں سننے میں آتی ہیں، آپ اپنی ہمتوں کو بلند رکھیں، آپ کا منصب قرآن کی حفاظت، دین کی حفاظت ہے، یہ بڑا منصب ہے۔

ہمتیں بلند کیجیے، اور ساری زندگی قرآن وحدیث سیکھنے، سکھانے میں لگا دیجے۔

بڑے پسند ہیں قافلے، نبھا سکو تو ساتھ دو!
یہ زندگی کے فاصلے، مٹا سکو تو ساتھ دو!
ہزار دکھ یہاں، ہزار آزمائشیں
ہزار دکھ ہزار بار، اٹھا سکو تو ساتھ دو!

نیتیں کر لیجیے، کہ ہمیں قرآن مجید کو سینے سے لگانا ہے اور پوری زندگی ہمیں قرآن پڑھنا اور پڑھانا ہے، ہمیں اس کام سے پیچھے نہیں ہٹنا۔

کفر کی سازشیں ناکام بنادیجیے!

آج کفر تو چاہتا ہے، علامہ اقبال نے بہت پہلے بتادیا تھا، انہوں نے کہہ دیا تھا کہ کفر کیا چاہتا ہے:

؎ وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے جسم سے نکال دو

مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا، ہمارے دلوں سے ایمان کبھی بھی نہیں نکل سکتا؛ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم:

....تقوی وطہارت کی زندگی اپنائیں

....امن وسلامتی کی زندگی اپنائیں

....اخلاق ومحبت کی زندگی اپنائیں

....ماحول کے اندر نبیؐ کے حسن خلق کا نمونہ بن کر رہیں

....اللہ کے بندوں کے لیے رحمت بن کر رہیں

خلق نبوی -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کا نمونہ بن جایئے!

طالب علم جہاں پہ چلا جائے، لوگوں کو نبی کا طریقہ یاد آجائے، ہمارے بیٹھنے اٹھنے سے، لوگوں کو نبی کی سنت یاد آجائے۔

عزیز طلبہ! ایسے بن جایئے کہ جب موت کا وقت آئے، اور فرشتے اگر ہمارے دماغ کوٹٹولیں، تو علم نبی سے بھرا پائیں۔ اگر دل کوٹٹولیں تو اس میں اللہ کے عشق کو پائیں۔ اور اگر اعضاء کوٹٹولیں، تو سنت نبوی سے مزین پائیں؛ ایسا بن جایئے! پھر دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی آپ کے اوپر کیسی رحمتیں برستی ہیں۔

مولویت مانگ کے روٹی کھانے کا نام نہیں ہے، بلکہ مولویت نام ہے

....امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت کا

....امام مالکؒ کی جرأت کا

....امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت کا

....ابن تیمیہؒ کی اتباع سنت کا

....مجدد الف ثانیؒ کی صفائی قلب کا

....شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی علمیت کا

....شاہ عبدالعزیزؒ کی بصیرت کا

....شاہ اسماعیلؒ کی شہادت کا

....حضرت نانوتویؒ کی حکمت کا

....حضرت تھانویؒ کی وصالت کا

...حضرت مدنیؒ کی عظمت کا

یہ قافلۂ اہل وفا ہے، پہلے بھی انہوں نے دین کے لیے سب کچھ قربان کیا، اور دین محفوظ رہا، اور آج کے دور میں بھی یہ دین کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں، اور دین کو محفوظ رکھیں گے اور قیامت کے دن اللہ سے اجر کے طالب بنیں گے۔

ذرا توجہ فرمایئے! اس امت کی مثال ریل گاڑی کی سی ہے، نبیؐ اس کے انجن کی مانند ہیں، اور یہ انجن اللہ کی رضا والے اسٹیشن کی طرف بھاگ رہا ہے۔

اللہ ربّ العزت ہمیں اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمائے؛ لہذا

....اے قافلۂ اہل وفا کے نقش قدم پر چلنے والو!

....داستانِ وفا کی یادیں تازہ کرنے والو!

....عشق الٰہی کی جستجو میں زندگی گزارنے والو!

....اسلاف کی نسبتوں کو سینہ میں محفوظ کرنے والو!

چراغِ علم جلاؤ بڑا اندھیرا ہے۔

آج اس بات کی ضرورت ہے، کہ ہم اپنے مدارس کے اندر تقوی وطہارت کے ساتھ ایسا علم سیکھیں، کہ نبی علیہ السلام کے اخلاق پیدا ہوجائیں، اور لوگوں کے دلوں کو جیت لیں۔

اور اگر ہم مدارس میں رہے، مگر گناہوں کو نہ چھوڑا، تو اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت نہیں ہوگی۔ یہ تو دوہری محرومی ہوئی، چٹائیوں پہ بیٹھ بیٹھ کے جانوروں کی طرح گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان بھی پڑ جائیں، اور پھر اللہ کے ہاں قبول نہ ہوں تو ہمارے پلے کیا رہا؟

مولا! دنیا نے ہمیں اپنے سے کاٹ دیا، تو ہمیں اپنے سے نہ کاٹنا، ہمارا تیرے سوا کوئی نہیں۔ اللہ! ہم نے تیرے ہی در کو پکڑا ہے، تیرے ہی قرآن کو سینہ سے لگایا ہے۔

میرے مولا! ہم جیسے بھی ہیں اپنی رحمت سے، ہمیں قبول کر لینا۔

میرے مولا! ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیں ٹھکرا نہ دینا۔

اللہ! اپنی رحمت کی نظر ڈال کر سینوں کو دھو دینا، اور ہمیں اخلاق حمیدہ والی زندگی عطا فرما دینا۔

تا کہ جب کل قیامت کے دن آپ کے نبی کی موجودگی میں آپ کے حضور حاضر ہوں، تو ہم کہہ سکیں:

ترے کعبوں کو جبینوں سے بسایا ہم نے
ترے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

اللہ ربّ العزت ہمیں حافظ قرآن، عالم قرآن، عامل قرآن اور عاشق قرآن بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے استقامت کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو واقعی ڈر لگتا ہے۔ اے اللہ! ہمارے پلے کچھ نہیں ہے، بس تیری رحمت کا ہی سہارا ہے، ہم نے تو فقط کلمہ پڑھا ہے اے اللہ! تو اسی کلمہ کی لاج رکھ لینا۔ یہ تیرے چند بندے جنہوں نے تیری دھرتی پر دین کا نظام قائم کیا، آج پوری دنیا ان بے سروسامان بندوں کو ڈرا دھمکا رہی ہے کہ تمہارا نام ونشان مٹا کے رکھ دیں گے۔ اے اللہ! ان کے پاس تو تیرے سوا کوئی سہارا نہیں، میرے مولیٰ! آپ ان کی پشت پناہی

فرما دیجیے اور اپنی مدد کے ساتھ ان کو استقامت نصیب فرما دیجیے۔ پروردگار عالم! ہماری زندگیوں کو بھی دین کے لیے قبول فرما لے، جب تک ہم زندہ رہیں دین پر ہی جمے رہیں، اور جب موت کا وقت آئے تو ہمیں شہادت کی موت آئے۔ آمین ثم آمین

نورِنسبت حاصل کرنے کے لیے اس طرح پڑھیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَالرَّبَّانِيُّوْنَ،وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللهِ**(۱)
''ربانیون'' سے مراد''رب والے''،''اللہ والے''۔اَحبار''**حِبر**'' کی جمع ہے؛ یعنی''علم والے'' یعنی علماء کرام اور مشائخ عظام،ان کا فرضِ منصبی کیا ہے؟**بما استحفظوا من كتاب الله** انہیں اللہ رب العزت کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے اور معانی کی بھی حفاظت کرنی ہے۔جو بچے آج شاگرد بن کر استاذ کے سامنے پڑھ رہے ہیں،یہ کل مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر،دوسروں کو پڑھا رہے ہوں گے۔

ہرعمل کی ابتداء نیت سے ہوتی ہے؛اس لیے آج کی اس محفل میں طلبہ اپنے کام کی ابتداء تصحیح نیت کے ساتھ کریں۔نیت کو صحیح کرنا،یہ عمل کی بنیاد ہے۔

یادرکھیں!جس طرح سرکہ،شہد کو فاسد کر دیتا ہے،اسی طرح نیت کی خرابی بھی انسان کے عمل کو فاسد کر دیتی ہے۔

ہمارے مشائخ نے کہا:کہ''اگر انسان چھٹانکوں کے حساب سے اپنے عمل پر محنت کرتا ہے،تو مَنوں کے حساب سے اسے اپنی نیت پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔''نیت یہ ہونی چاہیے کہ ہم جو کچھ بھی کریں،اللہ ربّ العزت کی رضا کے لیے کریں۔

نبی–علیہ السلام–نے ارشاد فرمایا:**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى**(۲)اعمال کا مدار نیت پر ہے،پھر بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو نیت کرے گا۔

---

(۱)پ:۶،سورۃ المائدۃ،آیت:۴۴ (۲)صحیح بخاری،باب کیف کان بدأالوحي ۱/ارقم:۱

فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل میں کئی نیتیں کرلو گے، تو عمل کا ثواب اتنے گنا زیادہ بندے کو ملے گا تعدد نیت کی وجہ سے ثواب بڑھ جائے گا وہ کیسے؟ عزیز طلبہ! ذرا توجہ فرمائیں! ایک بندہ مسجد میں آتا ہے، عوام الناس میں سے ہے اور کہتا ہے کہ جی بس میں جا رہا ہوں نماز پڑھنے۔ اب اس کو نماز پڑھنے کا ایک ثواب ملا۔ ایک طالب علم ہے، اس کو پتہ ہے کہ مجھے مسجد جانے کے لیے کئی نیتوں کو جمع کرنا ہے، چنانچہ وہ کیا سوچتا ہے؟ کہ میں مسجد میں جاؤں گا، وہاں جا کر میں اللہ کا ذکر کروں گا، وہاں جا کر میں قرآن پاک کی تلاوت کروں گا، وہاں جا کر نفلی اعتکاف کروں گا، وہاں جا کر میں جماعت کے ساتھ بھی نماز پڑھوں گا، اور اکیلے بھی سنن و نوافل پڑھوں گا، مسجد میں جا کر دعا بھی کروں گا، مسجد میں آ کر لایعنی سے بھی بچوں گا اور مسجد میں جا کر مسلمان بھائیوں کی زیارت بھی کروں گا؛ اب دیکھیں ایک ہی عمل تھا، اب اس عمل میں کتنی نیتیں جمع ہو گئیں؟!! جتنی نیتیں زیادہ ہوں گی، اس بندے کو اتنا ثواب زیادہ ہوگا۔

چنانچہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ کپڑے پہننے میں چالیس نیتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ ہم ایک نیت کرتے ہیں۔ یہاں سے پتہ چلا کہ طالب علم کو اسی عمل کا بہت زیادہ اجر ملتا ہے علم کی وجہ سے، اور عوام الناس علم نہ ہونے کی وجہ سے ایسے اجر سے محروم ہو جاتے ہیں۔

طلبہ کی نیت کیا ہو؟

طلبہ کی نیت کیا ہو؟ کیا یہی نیت ہو، کہ ہم عالم بن کر خطیب بنیں گے، فقیہ بنیں گے، واعظ بنیں گے، امام بنیں گے؟ نہیں؛ یہ نیت ہونی چاہیے کہ، میں اپنے اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہوں، میں یہ کام کیسے کروں؟ یہ علم مجھے کتابوں سے ملے گا؛ لہٰذا میں وہ علم پڑھنے کے لیے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ جب آپ اس نیت سے پڑھیں گے، تو پھر اللہ تعالیٰ عمل کی بھی توفیق عطا فرما دیں گے۔

طالب علم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ کتابوں کو پڑھ کر یہ معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ

کوکون سی باتیں پسند ہیں، اور کونسی باتیں ناپسند ہیں؟ ایک موٹی سی بات ذہن میں رکھنے والی ہے: کہ کتابوں کو اس نیت سے پڑھیں کہ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کن باتوں سے راضی ہوتے ہیں؟ اور کن باتوں سے ناراض ہوتے ہیں؟ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہیں؟ اس کو علم کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرے۔

جب یہ پتہ چل گیا کہ اللہ تعالی گناہ سے ناراض ہوتے ہیں، تو جس جس گناہ کا پتہ چلتا جائے، اُسے چھوڑتا جائے۔ جب یہ پتہ چل گیا کہ نیکی سے اللہ راضی ہوتے ہیں، تو جس جس نیکی کے بارے میں پڑھتا جائے، اس کو عمل میں لاتا جائے۔ ایسے طالب علم کی زندگی اللہ رب العزت کی رضا والی زندگی بن جاتی ہے۔

جو طالب علم اس طرح زندگی گزارے گا، اس کے سینہ میں ''نسبت کا نور'' بہت جلدی آئے گا، اور اس کے دل کو منور کر دے گا۔

ایک بات ذہن میں رکھیں، کہ ہمارے پاس کسی قدر علم تو ہوتا ہے، لیکن علم کی نسبت نہیں ہوتی۔

نورِ نسبت کیا چیز ہے؟

اکثر دوست یہ بھی پوچھتے ہیں: جی یہ نسبت ہوتی کیا ہے؟ تو اس کو آسان لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ:

نسبت اس نور کو کہتے ہیں، جو نبی علیہ السلام کے اقوال، اخبار و افعال کو اپنانے کی وجہ سے بندے کے سینے میں منتقل ہوتا ہے۔

... ''ایسا نور کہ جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسان کو اپنے علم پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا، اس کو ''نسبت کا نور'' کہتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں اعمالِ صالحہ کی توفیق بڑھ جانا، مثلاً: مسنون دعائیں بھی پڑھنا..... باوضو بھی رہنا..... توجہ الی اللہ بھی رہنا..... گناہوں سے بھی بچنا..... نماز بھی بہتر ہو جانا؛ تو اعمال صالحہ کی توفیق بڑھ جانا یہ بھی ''نسبت کا نور'' کہلاتا ہے۔

.... گناہ کے مواقع سے بچ جانا یہ بھی ''نسبت کے نور'' کی علامت ہے۔

....ایک علامت یہ ہے کہ انسان کو یہ فکر لگ جائے کہ اللہ مجھ سے راضی ہوجائے، طبیعت پر ایک غم طاری ہوجائے....ایک ولولہ دل میں سما جائے....ایک شوق دل میں پیدا ہوجائے.... ہر وقت دل میں یہ جذبہ رہے، کہ میں اللہ کو راضی کرلوں۔ جب قلب کی یہ کیفیت ہوجائے تو یہ اس بات کی علامت ہے، کہ دل میں نسبت کا نور پیوست ہوچکا ہے۔

اگر یہ نسبت کا نو آجائے، تو واضح فرق نظر آئے گا۔ جس کو اس نسبت کا نو مل گیا، اسے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبولیت نصیب ہوگئی۔ پھر ایسا بندہ راتوں کو گھوڑے بیچ کر نہیں سوسکتا۔

ے ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہوجانا

حدیث پاک میں فرمایا گیا:

وَالصَّلَاةُ بِاللَّيلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ(۱)

جب لوگ سوئے پڑے ہوتے ہیں، یہ اللہ کا بندہ اٹھ کر اللہ کی یاد میں لگا ہوتا ہے، اللہ سے راز و نیاز میں لگا ہوتا ہے۔

ہاں! کبھی کبھی اللہ رب العزت آزمائش اور امتحان کے طور پر بندے سے اِن کیفیات کو سلب کرلیتے ہیں، اسے ''قبض کی کیفیت'' کہا جاتا ہے۔ یہ قبض کی کیفیت عام طور پر معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے، یا پھر امتحان کی وجہ سے ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ(۲)

کبھی اللہ تعالی بہت کیفیات دے دیتے ہیں، بندے کو اللہ کی طرف یکسوئی اور جمعیت حاصل ہوتی ہے، اور کبھی اللہ تعالی ایسی کیفیت طاری کردیتے ہیں، کہ بالکل بے حلاوتی ہوتی ہے، کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ گویا ''قبض اور بسط'' دونوں حالات میں اللہ تعالی آزماتے ہیں۔

---

(۱) سنن ترمذی، أبواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲/ ۱۵۹، رقم: ۳۲۳۳ (۲) پ: ۲، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۴۵

اگر قبض کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس سے نجات کے دو راستے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ انسان کثرت کے ساتھ استغفار کرے۔

(۲) اور دوسری بات یہ کہ اپنے شیخ سے توجہات لے۔

آج کل یہ شکوہ عام ہے کہ جی!:

....اعمال میں رغبت نہیں رہی،

....نماز میں دلچسپی نہیں،

....تلاوت کو دل نہیں کرتا،

....مراقبہ کو دل نہیں کرتا۔

چوں کہ یہ عام شکایت ہے؛ اس لیے آج کی اس مجلس میں اس بات کو کھول دینا ضروری ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا: حضرت! میرے دل میں اعمال کی وہ رغبت نہیں رہی، جو پہلے تھی، ایسا لگتا ہے کہ وہ توفیق ہی چھن گئی، میں کیا کروں؟ تو حضرت نے کیفیات کے چھن جانے کی تین وجوہات بیان کیں۔

محترم جماعت! اس بات کو دل کے کانوں سے سنیں اور اس کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔

(۱) ناجنس کی صحبت

ناجنس کی صحبت پہلا سبب ہے کیفیات کے ختم ہو جانے کا۔ ناجنس سے ایسا بندہ مراد ہوتا ہے کہ جس نہج پر آپ زندگی گزار رہے ہیں، وہ اس سے ہٹ کر زندگی گزارنے والا ہو، مثال کے طور پر ایک آدمی کسی دنیا دار کی مجلس میں بیٹھ گیا، تو ہم نے دیکھا کہ اس ایک مجلس میں ہی اس کے دل کی کیفیات چھن جاتی ہیں؛ اس لیے کہ دنیا کی محبت جو اس کے دل میں ہے وہ اس کے دل پر اثر انداز تو ہو گی؟ تو ناجنس سے مراد یہ نہیں کہ غیر محرم کی صحبت، یا بے ریش لڑکوں کی صحبت.... یہ تو ہیں ہی سہی، اس ناجنس میں وہ تمام دوست بھی

شامل ہیں، جو اس محنت میں نہیں لگے، جس میں آپ لگے ہوئے ہیں؛ لہٰذا دنیادار دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرنا، دل پہ ظلمت آنے کا سبب بن جاتا ہے۔

طالب علم کو تو دوستی سے بہت ہی دور رہنا چاہیے، یہ بیماری علم کے حصول میں بھی رکاوٹ بنتی ہے؛ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے تھے: کہ میرے والد مولانا یحییٰؒ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کتنا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو، اگر اُسے دوستی لگانے کا مرض نہیں، تو وہ کبھی نہ کبھی منزل پر پہنچ جائے گا۔ اور کوئی طالب علم کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، اگر اُسے دوستی لگانے کا مرض ہے، تو وہ کبھی بھی منزل پر نہیں پہنچ سکے گا۔

سہارنپور کے ایک طالب علم کا واقعہ

عاملین کی صحبت کئی مرتبہ قلب کی کیفیات کے سلب ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ سہارنپور مدرسہ میں ایک نومسلم طالب علم تھا.... عصر کے بعد طلبہ کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں.... یہ بھی ذرا شہر سے باہر ٹہلنے کے لیے نکلتا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں سے پنڈت گزر رہے تھے، تو یہ شوق سے دیکھنے لگ گیا کہ یہ لوگ کیا ہیں؟ اب ان کے جسم کا زیادہ حصہ ننگا اور تھوڑا حصہ ڈھکا ہوا تھا، وہ تو اپنے ہندو مذہب کے مطابق کر رہے تھے اور یہ شوق سے دیکھتا رہا، جب وہاں سے اٹھ کر مدرسے واپس آیا، تو دل کی جو کیفیت تھی وہ سب کی سب سلب ہو چکی تھی۔ اس نے آ کر حضرت مولانا شیخ الحدیث زکریاؒ سے کہا: حضرت! مجھے تو لگتا ہے میں اپنا سب کچھ لٹا بیٹھا ہوں اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اسے فرمایا: اچھا! ایسا کرو کہ تم رائے پور چلے جاؤ.... اس زمانے میں رائے پور کو ذکر کا مرکز سمجھا جاتا تھا، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ وہاں موجود تھے.... چنانچہ وہ نومسلم طالب علم وہاں گیا اور حضرت کو جا کر اس نے یہ ساری بات سنائی، حضرتؒ نے اس کو تین دن اپنے پاس رکھا، اللہ تعالیٰ نے تین دنوں میں دل کی ساری ظلمت کو دھو دیا۔

(۲) مشتبہ غذا

کیفیات سلب ہونے کی دوسری وجہ مشتبہ غذا ہے۔ہم جو کھاتے ہیں،اسی سے ہمارا گوشت بنتا ہے اوراسی کے اثرات ہمارے دل پر بھی پڑتے ہیں،اگر کھانا کسی نمازی نے بنایا ہو،باوضو ہو کے بنایا ہو،قرآن پاک کا ذکر کرتے ہوئے بنایا ہو،تو اس کے کھانے کے اندر نور ہوتا ہے۔

ہم نے اپنی زندگی میں حلال ،طیب اور پاکیزہ چیز کھانے کا واقعی کئی مرتبہ تجربہ کیا،ایک واقعہ طلبہ کی خدمت میں عرض کردیں؛بہت سال پہلے کی بات ہے ایک مدرسہ میں ایک طالب علم پڑھنے کے لیے آیا کرتا تھا،اور تھا بھی ہمارے قریبی تعلق والے صاحب کا بیٹا،کلاس میں بڑا اچھا؛لیکن اِدھر قاعدے میں بھی نہیں چل رہا تھا،ایک سال اس کو پہلے ہی سپارے میں گزرگیا۔اب ہم بھی بڑے پریشان،کہ ایک سال اس بچے نے پڑھا،روز شام کو آکر پہلا پارہ سناتا،جہاں استاذ آگے پڑھاتا،پیچھے سے بھول جاتا،وہ محنت بھی کرتا،پڑھتا بھی رہتا،استاذ بھی دیکھتا کہ بیٹھا پڑھ رہا ہے؛مگر آگے پڑھتا تو ''آگے دوڑ پیچھے چھوڑ۔'' اب بڑا مسئلہ حتی کہ استاذ نے آکر کہہ دیا کہ اس کو کسی اور کے حوالے کردیں،میرے بس کی بات نہیں۔اس بچے کو بلا کر اس سے پوچھا ذرا پیار ومحبت سے بات کی بتاؤ:بھئی!بچے کیا کیا کھاتے ہو؟ کہاں کہاں کھاتے ہو؟اس نے -ماشاء اللہ- چار پانچ ہوٹلوں کے نام بتادئے،کہنے لگا کہ ابو اور امی مجھے فلاں جگہ سے یہ لے کر دیتے ہیں،اور ہفتہ وار چھٹی پر فلاں جگہ جاتے ہیں۔ہم نے پھر اس کے والد کو بلایا اور بلا کر کہا کہ بھئی! آپ ہمارے ساتھ ایک وعدہ کریں کہ آپ اس بچے کو اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا کھلائیں گے۔جب بات سمجھائی اس نے کہا بہت اچھا۔

اس نے اپنے بچے کو گھر کا کھانا کھلانا شروع کردیا،اگلے ایک سال میں اس بچے نے پورا قرآن پاک پڑھ لیا!! کہاں ایک سال میں ایک پارہ نہیں پڑھا،کیوں؟اس لیے کہ اس

کے اندر حرام تھا، جب حرام کا خون گردش کر رہا ہوتا ہے، تو پھر قرآن پاک کے انوارات کو دل قبول نہیں کرسکتا۔ یوں حلال، طیب، اور پاکیزہ مال دل کو منور کردیتا ہے اور حرام اور مشتبہ مال دل کی ظلمت کو بڑھا دیتا ہے۔

طالب علم کو چاہیے کہ کھانے پینے میں احتیاط برتے، ارشاد باری تعالی ہے: **یَا أَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ، وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** (۱) مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ، اکلِ طیب کو اسی لیے مقدم کیا، کہ عملِ صالح کرنے میں اسے بڑا دخل ہے۔

نبی کریم –صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم– نے دعاء فرمائی: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا، وَرِزْقًا طَیِّباً، وعَمَلًا مُتَقَبَّلاً،** (۲) معلوم یہ ہوا کہ اکلِ حلال کے بغیر علمِ نافع اور عملِ صالح کا حصول نہیں ہوتا۔ یہ باہر کے کھانوں کی اتنی ظلمت ہوتی ہے۔ اور آج دیکھتے ہیں، کہ طلبہ کو بازار کی پکی ہوئی چیزیں کھانے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ حلال مال کے ساتھ ایسی چیزیں کھالیتے ہیں، جو دل کو سیاہ کردیتی ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے، کہ مال بھی حلال ہو اور پکی ہوئی چیز بھی حلال طریقے کی ہو۔ جب دونو باتوں کا خیال رکھیں گے، تو دل منور ہوگا۔

آج کل بعض طلباء دوسروں کی چیزیں بلا اجازت مالِ غنیمت سمجھ کر کھاتے ہیں، مدرسے کی چیزوں کو تو اپنی میراث سمجھتے ہیں۔ اگر تقوی اور پرہیزگاری کی زندگی گزاریں، تو دنیا کی نعمتیں خود بخود ان کے قدموں میں آئیں۔

ہم اس بارے میں آج اتنے محتاط نہیں ہیں، جب کہ ہمارے بزرگ تو اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے بارے میں آتا ہے کہ کچھ طلبہ، علماء ان کو دعوت کے لیے مجبور کر کے لے جاتے اور کھانا کھلا دیتے۔ اگر حضرت کو کبھی شک ہوجاتا کہ اس بندے کی آمدنی ٹھیک نہیں، تو واپس آکر قے کیا کرتے تھے؛ تاکہ کھانا جزو بدن نہ بنے۔ آج ہمیں بھی مشتبہ غذا سے بچنا چاہیے

---

(۱) پ: ۱۸، سورۃ المؤمنات، آیت: ۵۱ (۲) سنن ابن ماجہ، باب مایقال بعد التسلیم ص: ٦٦، رقم: ۹۲۵

(۳) ارتکابِ معصیت

تیسری چیز جس سے کیفیات سلب ہوتی ہیں۔ وہ ہے ''ارتکاب معصیت'' گناہ کرنا۔ ہمیں چاہیے کہ گناہوں سے بھی بچیں۔ ہر وقت سوچتے رہیں، کہ اللہ دیکھتا ہے.... اللہ دیکھتا ہے.... بالآخر گناہوں سے جان چھوٹ جائے گی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہماری اس جگہ پر حاضری کو قبول فرمالے، ہمیں ان جگہوں سے خالی نہ لوٹائے، ایک طرف ہم علم حاصل کرتے جائیں اور دوسری طرف نسبت کا نور اللہ ہمارے دلوں میں اتار دے، اور اس راستے میں پیش آنے والی تمام رکاوٹوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

علم کے متلاشی

علم ایک نور ہے، انبیاءکرام یہ نور لے کر دنیا میں تشریف لائے۔انبیاءِ کرام کی یہ علمی میراث چلتے چلتے آج بھی ان مدارس کے ذریعے سے امت کو پہنچ رہی ہے۔

طلباء سب کے سب ایک خاص مقصد کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، اللہ۔رب العزت۔ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، یہ وہ دولت حاصل کررہے ہیں ، جو اللہ رب العزت نے اپنے انبیاءِ کرام کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچائی ۔یہ سچوں کی نسبت ہے، اوراس کے حاصل کرنے والے بھی سچے بن جاتے ہیں، اس نعمت کو حاصل کرنے کے لیے انسان دن رات ایک کردیتا ہے؛اس لیے طالب علم کی نظر میں دن رات کا فرق ختم ہوچکا ہوتا ہے۔

علم کے متلاشی ایسے بھی تھے....!!!

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں: کہ جب میں دارالعلوم میں حاضر ہوا،تو اس وقت کلاس کے داخلے بند ہوچکے تھے، ناظمِ تعلیمات نے انکار کردیا، کہ ہم آپ کو داخلہ نہیں دے سکتے، میں نے اُن سے گزارش کی کہ حضرت! آخر کیا وجہ ہے؟انہوں نے فرمایا: کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارے دارلعلوم میں مطبخ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی طباخ ہے؛ بلکہ بستی والوں نے ایک ایک دودو طالب علموں کا کھانا اپنے ذمے لیا ہوا ہے؛اس لیے جتنے طلباء کا کھانا گھروں سے پک کرآتا ہے، اتنے طالب علموں کو داخلہ دیتے ہیں، اور بقیہ سے معذرت کرلیتے ہیں، اب کوئی ایک گھر بھی ایسا نہیں ہے، جو مزید ایک طالب علم کا کھانا

پکانے کی استطاعت رکھتا ہو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اگر کھانے کی ذمہ داری میری اپنی ہو، تو کیا پڑھنے کے لیے آپ مجھے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ''ٹھیک ہے''۔ اس طرح اُن کو مشروط داخلہ مِل گیا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں سارا دن طلباء کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتا رہتا، رات کو تکرار کرتا، اور جب طلبہ سو جاتے، تو میں اساتذہ کی اجازت کے ساتھ دارالعلوم سے باہر نکلتا، بستی میں سبزی یا فروٹ کی دکانیں تھیں، اس وقت تو وہ دکانیں بند ہو چکی ہوتی تھیں، میں اُن کے سامنے جاتا، تو مجھے کہیں سے آم کے چھلکے، کہیں سے خربوزے کے چھلکے، اور کہیں سے کیلے کے چھلکے مِل جاتے، میں انہیں وہاں سے اُٹھا کر لاتا، اور دھو کر صاف کرتا، پھر کھالیتا، میرے چوبیس گھنٹے کا یہ کھانا ہوتا تھا، میں نے پورا سال اسی طرح چھلکے کھا کر گزارا؛ مگر اپنا سبق قضاء نہ ہونے دیا۔

یہ بھی طلباء تھے، ان کی زندگیوں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے، جیسے کسی چیز کے لیے کوئی ترس رہا ہوتا ہے، یہ حضرات علم کے لیے ترس رہے ہوتے تھے، اس لیے ان کی نظر میں استادوں کا درس سننا ہر چیز سے قیمتی ہوتا تھا، ان کے ہاں ناغہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا؛ الا ماشاء اللہ۔

طلبِ علم کا ایک معصوم شیدائی

ابن تیمیہؒ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے: کہ وقت کے بادشاہ نے ان سے کوئی فتوی مانگا؛ مگر انہوں نے فتوی نہ دیا، اسے غصہ آیا اور ان کو قید کروادیا۔ جب تین دن گزرے، تو بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا، اس وقت ایک ایسا نوجوان، جس کی اُٹھتی جوانی تھی، اس کے چہرے پر نورانیت اور معصومیت کا حسین متزاج تھا، وہ نوجوان زاروقطار رو رہا تھا۔ جس نے بھی اسے دیکھا اس کا دل پسیج گیا اور ہر بندے نے توقع کی، کہ بادشاہ سلامت اس طالبِ علم کی مراد ضرور پوری کریں گے۔ جب بادشاہ نے دیکھا، تو اس نے بھی وعدہ کیا، کہ اے نوجوان! تو کیوں اتنا رو رہا ہے؟ تو ڈر نہیں، تو جو بھی کہے گا ہم تیری بات ضرور پوری

کریں گے۔ جب اس نے یہ وعدہ کیا، تو طالبِ علم نے فریاد پیش کی: کہ ”بادشاہ سلامت! آپ مجھے قید خانے میں بھیج دیجیے!“ بادشاہ بڑا حیران ہوا، کہ قید خانے میں جانے کے لیے تو کوئی اس طرح نہیں روتا؛ چنانچہ اس نے پوچھا، کہ ”آپ قید خانے میں جانے کے لیے اتنا کیوں رو رہے ہیں؟“ طالب علم نے کہا: ”بادشاہ سلامت! آپ نے میرے استاذ کو تین دنوں سے قید خانے میں بند کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے میرا سبق قضا ہو رہا ہے، اگر آپ مجھے قید خانے میں ڈال دیں گے، تو میں قید و بند کی مشقتیں تو برداشت کرلوں گا؛ مگر اپنے استاذ سے سبق تو پڑھ لیا کروں گا۔“

یوں پہلے وقتوں میں شاگرد اپنے اساتذہ سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔

مفتیٔ اعظم بننے والے طالب علم کی طلب

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: کہ میں اپنی بستی سے جب دارالعلوم میں پڑھنے کے لیے آتا، تو سردی کی راتوں میں امتحان کے قریب ذرا دیر تک پڑھنا ہوتا تھا، تیاری کرنی ہوتی تھی۔ جب میں واپس لوٹ کر گھر آتا، تو گھر کے سارے لوگ سوئے ہوتے تھے۔امی اٹھتی اور اس وقت مجھے کھانا گرم کر کے دیتی۔تو میں امی کی منت سماجت کرتا، کہ آپ کیوں سردیوں میں اٹھتی ہیں؟ بس آپ کھانا رکھ دیا کریں، میں خود ہی آ کے کھا لیا کروں گا۔ بڑی مشکل سے امی کو میں نے منایا۔فرماتے ہیں: کہ جب میں آتا، تو سالن جما ہوا ہوتا، میں اس کے اوپر سے جمی ہوئی تہہ ہٹا دیا کرتا تھا اور ٹھنڈا کھانا کھا کر گزارا کرلیتا؛ لیکن میں اپنی تعلیم میں حرج نہیں آنے دیتا۔

اب دیکھو! جن بچوں کے اندر بچپن، لڑکپن سے یوں علم کا شغف ہو، شوق ہو، طلب ہو، احساسِ ذمہ داری ہو اور وہ علم کی خاطر اس طرح اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کریں؛ یہ وہ بچے ہوتے ہیں، جو اپنی جوانی میں آسمانِ علم پر ستارے بن کر چمکا کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت آیا، اللہ رب العزت نے اس بچے کو ”مفتیٔ اعظم پاکستان“ بنا دیا۔

یہ طلب ہے جو انسان کے سینے کو نور سے روشن کر دیتی ہے؛ چنانچہ ہمارے علماء نے طلبِ علم میں وہ مجاہدے کیے اور دُکھ اٹھائے کہ پوری دنیا کی تاریخ اس کی مثالیں پیش نہیں کرسکتی۔

طلبِ علم میں ایک شہزادے کا مجاہدہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا -رحمۃ اللہ علیہ- نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، یہ عاجز اس کو اپنے الفاظ میں بیان کرے گا۔

ہارون الرشید کا ایک بیٹا تھا، وہ ابتداء جوانی سے ہی بڑا نیکوکار اور پرہیز گار تھا، اس کے دل میں آخرت کی تیاری کا غم لگ گیا تھا، وہ محل میں رہتے ہوئے بھی سادہ کپڑے پہنتا اور دستر خوان پر خشک روٹی بھگو کر کھالیتا تھا، اس کو نیا کی رنگینیوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا، گویا وہ ایک دَرویش آدمی تھا۔ اب لوگ باتیں بناتے کہ یہ پاگل ہوگیا ہے۔ ایک دن بادشاہ کو کچھ لوگوں نے بہت ہی زیادہ غصہ دلا دیا کہ آپ اس کا خیال نہیں کرتے اور اس کو سمجھاتے نہیں، لہذا آپ اس پر ذرا سختی کریں، یہ سیدھا ہوجائے گا۔ اس نے بچے کو بُلا کر کہا: کہ ''تمہاری وجہ سے مجھے اپنے دوستوں میں ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔'' اس نے کہا: ''ابا جان! اگر میری وجہ سے آپ کو ذلت اٹھانی پڑتی ہے، تو مجھے آپ اجازت دے دیجیے، میں علم حاصل کرنے کے لیے پہلے بھی کہیں جانا ہی چاہ رہا تھا، اگر آپ اجازت دیں، تو میں چلا جاتا ہوں۔'' بادشاہ نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ چلے جاؤ؛ چنانچہ اس نے تیاری کر لی۔

اب بادشاہ نے اپنی بیوی کو بتایا؛ لیکن اس وقت پانی سر سے گزر چکا تھا، چنانچہ بچے نے کہا: کہ اب تو میں نیت کر چکا ہوں؛ لہذا اب نہیں رکوں گا۔ جب اس کی والدہ نے اس کا پختہ ارادہ دیکھا، تو اس نے اُسے ایک قرآن مجید دے دیا، اور ایک انگوٹھی دے دی اور کہا: ''بیٹا! یہ دو چیزیں اپنے پاس رکھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، اور اگر تمہیں ضرورت پڑے،

تو انگوٹھی کو استعمال میں لے آنا"۔ بچے نے وہ دونوں چیزیں اپنی والدہ سے لیں، اور رخصت ہو گیا۔

وہ نوجوان اتنا خوبصورت تھا، کہ لوگ اس کے چہرے کو دیکھا کرتے تھے، اُس کے سامنے دنیا کی سب نعمتیں موجود تھیں، اگر وہ چاہتا تو، عیاشی میں اپنا وقت گزارتا، اگر وہ چاہتا، تو محلات کی سہولیات بھری زندگی گزارتا؛ مگر نہیں، اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت تھی، اس کے دل میں آخرت کا خوف تھا، اس کے دل میں علم طلب کرنے کا شوق تھا، اس نے کہا: مجھے اس دنیاوی زندگی کی لذتیں نہیں لینی، مجھے تو دائمی لذتیں حاصل کرنی ہیں؛ لہذا وہ اپنے محل کو چھوڑ کر چل پڑا۔ یوں وقت کے شہزادوں نے علم طلب کرنے کے لیے محلات کی زندگی کو بھی لات ماردی۔ اب اگر ان طلباء میں سے کوئی امیر کا بیٹا ہو، تو وہ اس بات پر غرور، تکبر نہ کرے کہ میں اتنے بڑے گھر کو چھوڑ کر آیا ہوں، ارے! اس راستے پر تو وقت کے شہزادے بھی چٹائیوں پر نظر آتے ہیں۔

وہ محلات کو چھوڑ کر دور ایک بستی میں پہنچا، جہاں علماء رہتے تھے، اس نے نیت یہ کی کہ میں مسجد میں اعتکاف کی نیت سے وقت گزاروں گا، صرف پڑھنے کے لیے استاذ کی خدمت میں جاؤں گا، اور اُن پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ اس نے گزرِ اوقات کے لیے یہ ترتیب بنائی کہ میں ہفتے میں ایک دن مزدوری کروں گا، اور اس کے بدلے میں اتنے پیسے لوں گا، جن سے چھ روٹیاں مل سکیں، میں روزانہ ایک روٹی پانی سے چبالیا کروں گا، اور یوں میرے چوبیس گھنٹے گزر جائیں گے، چھ دن کے بعد میں ساتویں دن پھر مزدوری کرلوں گا؛ چنانچہ وہ چھ دن استادوں کے پاس جا کر سبق پڑھتا تھا، ساتویں دن چھٹی ہوتی تھی، وہ اس دن مزدوری کر کے اپنے چھ دن کے کھانے کا انتظام کر لیتا تھا۔

ایک آدمی کہتا ہے، مجھے گھر بنانا تھا، میں مزدور کو لینے کے لیے مزدوروں کی جگہ پر پہنچا، میں نے وہاں ایک خوبصورت نوجوان کو بیٹھے دیکھا، وہ قرآن مجید کی تلاوت

کررہا تھا، جب میں نے اس کے چہرے کو دیکھا، تو دل میں کہا:

مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ(۱)

''یہ کوئی آدمی نہیں یہ تو کوئی فرشتہ ہے''

وہ مزدور نہیں نظر آتا تھا؛ بلکہ وہ دیکھنے میں اَشراف کا بیٹا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، اے نوجوان! کیا آپ بھی یہاں مزدوری کے لیے آئے ہیں؟ اس نے جواب میں کہا: چچا جان! ہم تو دنیا میں پیدا ہی مزدوری کے لیے ہوئے ہیں **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ** (تحقیق ہم نے انسان کو مشقت کے لیے پیدا کیا ہے۔)(۲) میں نے کہا: مزدوری کروگے؟ وہ کہنے لگا: جی کروں گا؛ مگر میری دو شرائط ہوں گی۔ میں نے پوچھا: کون سی؟ وہ کہنے لگا: چچا جان! میں آپ سے پورے دن کی اتنی مزدوری لوں گا، نہ اس سے زیادہ لوں گا، نہ اس سے کم لوں گا۔ یہ وہ مقدار تھی، جس سے چھ روٹیاں آجاتی تھیں۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، اب دوسری شرط بتائیے، وہ کہنے لگا: چچا جان! جب بھی نماز کا وقت ہوگا، تو آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے، میں اس وقت مداخلت برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر یہ شرطیں آپ کو منظور ہیں، تو میں مزدوری کے لیے حاضر ہوں۔

وہ کہنے لگا کہ میں اسے لے آیا، شام کو دیکھا، تو اس اکیلے نے کئی آدمیوں کے برابر کام کیا تھا، میں بڑا حیران ہوا۔ میں نے اس کا کام دیکھ کر اس کو زیادہ مزدوری دینا چاہی؛ مگر اس نے کہا: چچا جان! میں نے کہا نہیں تھا، کہ میں زیادہ بھی نہیں لوں گا اور کم بھی نہیں لوں گا؟ چنانچہ اس نے طے شدہ مزدوری لی اور چلا گیا۔ میں نے نیت کر لی کہ اگلے دن اسی کو لاؤں گا۔ جب میں اگلے دن پہنچا، تو وہ مزدوروں کی جگہ پر نہ ملا، میں نے وہاں پر موجود مزدوروں سے پوچھا کہ، وہ تلاوت کرنے والا مزدور کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: جناب! وہ تو طالب علم ہے، وہ قرآن وحدیث پڑھتا ہے، ہفتے میں ایک دن اساتذہ

---

(۱) پ:۱۲ سورہ یوسف، آیت:۳۱ (۲) پ:۳۰ سورۃ البلد، آیت:۴

چھٹی کرتے ہیں، اس دن وہ مزدوری کر کے اپنے چھ دنوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے؛ کیوں کہ وہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہتا ہے، وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ میں نے کہا: اچھا میں ایک ہفتہ انتظار کر لیتا ہوں۔

جب میں اگلے ہفتے اسی دن پہنچا، تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان پھر بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگے: میں اسے اپنے گھر لے آیا؛ مگر میں نے نیت کی کہ میں دیکھوں گا کہ اس نوجوان کے پاس کیا ہنر ہے کہ جس کی وجہ سے یہ تھوڑے وقت میں زیادہ آدمیوں کے برابر کام کر لیتا ہے؟ چنانچہ میں نے چھپ کر دیکھا، تو ایک عجیب منظر تھا، لوگوں کو تو ایک ایک اینٹ رکھنے میں وقت لگتا ہے، اینٹ رکھو، پھر سیدھا کرو، پھر جماؤ، اس کو میں نے دیکھا کہ وہ گارا ڈال کر اینٹ رکھتا جاتا اور وہ بالکل سیدھی چڑھ جاتی تھی۔ میں نے کہا کہ اس بندے کے ساتھ واقعی اللہ کی مدد ہے؛ لہٰذا اب میں اپنا مکان اسی سے بنواؤں گا۔

فرماتے ہیں کہ جب اگلے ہفتے میں اسے لینے گیا، تو اس کو پھر موجود نہ پایا۔ میں نے مزدوروں سے پوچھا بھئی! وہ مزدور کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جناب! وہ بیمار ہے، اور وہ مسجد میں ہی لیٹا ہوا ہے۔ میں مسجد میں چلا گیا، میں نے دیکھا کہ وہ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر چٹائی کے اوپر لیٹا ہوا ہے، اور اسے اتنا شدید بخار ہے کہ اس کی شدت کی وجہ سے اس کا جسم سرخ اور گرم ہے۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا، اور میں نے محبت سے اس کے سر کے نیچے سے اینٹ ہٹادی، اور اس کے سر کو اپنی گود میں ڈال دیا، اس کے بعد میں نے اس سے کہنا شروع کر دیا۔

اے نوجوان! تو مجھے پیغام بھیج دیتا، میں تیرے لیے دوائی کا بندوبست کر دیتا۔ جب میں نے یہ کہا، تو اس نے جواب دیا، چچا جان! جس طبیب کو شفاء دینی تھی، اسی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔ میں اس کا یہ جواب سن کر حیران ہوا، پھر میں نے کہا: ہم آپ کے لیے اچھے ٹھکانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں میں وہ مسافر ہوں کہ جس کی منزل

قریب ہے؛ مگر میرے پاس توشہ تھوڑا ہے۔میں نے اس سے پوچھا: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا: چچا جان! میرا وِجدان بتاتا ہے کہ میرا وقت تھوڑا رہ گیا ہے، اب میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ میرے پاس ایک امانت ہے، وہ آپ میرے بعد پہنچا دیجئے گا، میں نے پوچھا کون سی؟ کہنے لگا: یہ قرآن مجید ہے، اور یہ انگوٹھی ہے، یہ وقت کے بادشاہ کو دے دینا، اس کے بعد اس نے اللہ سے مناجات کرنی شروع کردی، وہ مناجات میں کہنے لگا:

''اے مالک! تو جانتا ہے، کہ میں نے محلات کے عیش و آرام کی زندگی پر لات ماری، اور میں تیری طلب میں اس جگہ پر حاضر ہوا، میں نے تیری خاطر یہ مشقتیں برداشت کیں، اب تیرے دربار میں حاضری کا وقت ہے، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تو بھی مجھے رد نہ کردے، تیرے در کے سوا تو میرے لیے کوئی دوسرا در نہیں۔ اے مالک! میرے اوپر رحم فرمانا، میں وہ مسافر ہوں، جس کا سفر لمبا اور اس کے پاس توشہ تھوڑا ہے''۔

اس نے ایسی ایسی باتیں کیں، کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، اسی دوران اس نے کلمہ پڑھا اور اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔وہ کہنے لگے کہ تب مجھے پتہ چلا کہ جس شہزادے کی باتیں ہوتی تھیں، یہ وہی شہزادہ تھا، اور علم حاصل کرنے کے لیے اتنی مشقتیں برداشت کر رہا تھا۔اللہ اکبر!!!

وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان شہزادے کو نہلا کفنا کر دفن کردیا، اور میں پھر ہارون الرشید کے پاس گیا، اس وقت اس کی سواری گزر رہی تھی، میں نے اُس سے کہا ''اے امیر المؤمنین! آپ کو نبی -علیہ الصلاۃ والسلام- سے قرابت داری کا واسطہ، آپ میری ایک بات سُن لیجیے'' اس نے سواری روکی، تو میں نے اُسے قرآن مجید اور انگوٹھی دکھادی۔دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، پھر اس نے کہا: اچھا! لگتا ہے کہ تو میرے لیے کوئی غم کی خبر لایا ہے، بتا میرے بیٹے کے ساتھ

کیا ہوا؟ میں نے اُسے تفصیلی واقعہ سنایا کہ وہ چھ دن علم حاصل کرتا تھا، اور ساتویں دن مزدوری کرتا تھا، وہ مشقت تو اٹھاتا تھا؛ مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا تھا، اور اس حال میں کہ مسجد میں چٹائی اُس کے نیچے تھی، اور اینٹ کا سرہانہ بنایا ہوا تھا، اس نے کلمہ پڑھا، اور اللہ کے حضور پہنچ گیا۔ جب ہارون الرشید نے یہ باتیں سنیں، تو اس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، اور وہ کہنے لگا: میرے بیٹے! تو عمر میں چھوٹا تھا؛ لیکن تو نے وہ بات سمجھ لی، جو تیرے بوڑھے باپ کی سمجھ میں نہ آسکی۔

یہی وہ لوگ تھے کہ جن کو قیامت کے دن ''اِس کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا'' کہہ کر اٹھایا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی زندگی گواہی دیتی تھی کہ واقعی ان کے دل میں سچی طلب تھی۔ درحقیقت طالب علم وہی ہوتے ہیں جو دلوں میں یہ عہد کر چکے ہوتے ہیں، کہ اب ہم نے اپنی زندگی ''قال اللہ'' اور ''قال الرسول'' کے لیے وقف کر دی ہے۔ ان کو اس سے کیا غرض کہ ہمیں کھانے کو کیا ملتا ہے، رہنے کی جگہ کہاں ملتی ہے؛ بلکہ اُن کے نزدیک یہ چیزیں عارضی بن جاتی ہیں اور مقصد اصلی بن جاتا ہے، ان کے نزدیک اصل چیز علم حاصل کرنا ہے، یہ حضرات دن رات چوبیس گھنٹے مستعد اور تیار ہوتے ہیں۔

عزیز طلباء! آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان اکابر کی مثالوں کو سامنے رکھیں، اور اسی شوق اور جذبے کے ساتھ علم حاصل کریں اور اس پر عمل کرتے رہیں، پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کی رحمتیں اور برکتیں کیسے اُترتی ہیں؟۔ ربِ کریم ہمیں بھی ان طلباء کی برکتوں کے صدقے، اپنی رحمتوں سے نوازے، اور ہمارے سینوں کو علم کے نور سے منور فرمائے۔

علم کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا اہتمام کریں

امام شافعی -رحمۃ اللہ علیہ- کی زرّیں نصیحت

امام شافعیؒ فرماتے تھے: کہ پڑھنے پڑھانے والوں کو چاہیے کہ اُن کے اور اللہ کے درمیان کچھ نہ کچھ نیک مخفی اعمال کا ذخیرہ موجود ہو، لوگوں سے چھپ کے اللہ کے لیے عمل کریں، پتہ بھی نہ چلنے دیں کسی کو۔ ہمارے اکابر ایسا ہی کیا کرتے تھے، زندگی میں کتنے اعمال ایسے کرتے تھے کہ پروردگار کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا، اللہ کی رضا کے لیے کرتے تھے۔

اللہ والے اپنی نیکیاں چھپاتے ہیں، جس طرح ہم لوگ دوسروں سے اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں، اللہ والے اس طرح دوسروں سے اپنی نیکیاں چھپایا کرتے تھے؛ اس لیے کہ انہیں نیکیوں کا اجر اللہ سے چاہیے، دنیا کی واہ واہ سے اُن کا کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

آج کے طلبہ ذرا اس پیمانے پر تو اپنے آپ کو تول کر دیکھیں، کیا ہمارا کوئی ایسا عمل ہے، جو ہم نے اتنا اللہ کے لیے خالص ہو کر کیا ہو کہ کسی کو پتہ ہی نہ ہو؟ اول تو ایسے اعمال کرتے ہی نہیں، اور کرتے ہیں تو دوسروں کو بتاتے پھرتے ہیں۔

آج تو ہم لوگوں کا عجیب حال ہو چکا ہے، ذہنوں میں بس یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ہم جو پڑھنے میں لگے ہوئے ہیں، بس اس کے علاوہ نہ ہمیں کسی اور عمل کی ضرورت ہے اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ کیا صحابہ کرامؓ، محدثین، فقہا، اہل اللہ یہ سارا دن کاروبار کرتے تھے جو انہیں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آتی تھی؟ وہ لوگ بھی دن رات علمی مشاغل میں گزارتے تھے حتی کہ کئی اکابر تو عشاء کے وضو

سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔بعض پوری پوری رات نوافل میں مشغول رہتے، تو کیا اُنہیں تہجد اور اجر وثواب کی ضرورت تھی اور ہم اس سے مستغنی ہیں؟اب یہ نئے پڑھنے پڑھانے والے تشریف لائے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں تو سارا اجر پڑھنے پڑھانے میں ہی مل جاتا ہے۔کتنا حسین دھوکہ ہے جو شیطان دے رہا ہے۔اصل میں اٹھنے کی تڑپ ہی باقی نہیں رہی؛ چنانچہ تہجد تو کیا فجر کی تکبیرِ اولی بھی بعض اوقات چلی جاتی ہے۔اگر طالب علمی میں اللہ کی محبت کی تڑپ پیدا نہ ہوئی تو کیا گھر جا کر یہ تڑپ پیدا ہوگی؟ تڑپ اور عبادت کا ذوق پیدا کیجیے؛ کیوں کہ تہجد کے بغیر قربِ الٰہی کو پانا مشکل ہے۔''

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

تہجد سے محرومی کی وجہ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصروفیت اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہم سے تہجد میں اٹھا نہیں جاتا۔ٹھیک ہے یہ ان کی سوچ ہے مگر کسی کی سوچ یہ بھی تو ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالی اس وقت تیرا چہرہ دیکھنا ہی پسند نہیں کرتے!

تیری سزا ہے نوائے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور ونظر سے محرومی

عزیز طلباء! بیشک آپ لوگ ایک عظیم کام میں مصروف ہیں؛لیکن اگر ہمارے اندر عبادات کا شوق اور رغبت پیدا ہوجائے ،تو اس مشغولیت میں بھی ہم اعمال کا ذخیرہ اکٹھا کرسکتے ہیں۔اصل میں ہم لوگ اہمیت نہیں دیتے، اپنے اکابر کی زندگیوں کو دیکھا کریں، کہ وہ زندگی کے ایک ایک لمحے کی قدر کرکے کس طرح عبادات کے شوقین ہوا کرتے تھے، کیا ہم ان سے زیادہ پڑھ لیتے ہیں؟ وہ تو رات دن منہمک ہوا کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کی علمی مشغولیت کے ساتھ عبادت

امام ابو یوسفؒ وقت کے چیف جَسٹِس تھے، عالمِ اسلام کے اپنے زمانے میں سب سے بڑے قاضی تھے، وہ سارا دن دین کا کام کرتے؛ جب رات ہوتی، تو ہر رات میں دو سو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ اتنے مصروف بندے اور رات کو اتنی اللہ کی عبادت کرتے، انہوں نے دین کے لیے اپنی زندگیاں کیا خوب گزاریں!!

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: اگر تم نفس کو حق میں مشغول نہیں کروگے، تو نفس تمہیں باطل میں مشغول کردے گا۔ واقعی بات بالکل سچی ہے، ہم نفس کو پالنے میں مشغول ہیں اور نفس ہمیں جہنم میں دھکا دینے میں مشغول ہے۔ ہم علم تو حاصل کر لیتے ہیں؛ مگر عمل میں اتنی کوشش نہیں کرتے، یہ آج کے زمانے کی عام خامی ہے۔

ابن جوزی - رحمہ اللہ تعالیٰ - کی عجیب باتیں

ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، اور اپنی انگلیاں دکھاتے تھے، اور فرماتے تھے: کہ ''ان انگلیوں سے میں نے دو ہزار کتابیں لکھی ہیں۔'' ان کی دو باتیں بڑی عجیب ہیں: ایک تو یہ کہ لکھتے رہتے تھے، اور جیسے ہی قلم خراب ہوتا تھا، اور اس کو بنانے کا وقت آتا تھا، تو اس وقت میں ذکر شروع کر دیتے تھے۔ اب سوچیے! کہ یا تو لکھنے میں مصروف ہیں اور جیسے ہی قلم بنانے لگتے، تو ذکر میں مشغول ہو جاتے کہ میرے اس وقت میں بھی میرے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے۔ دوسری بات کہ جو قلموں کا چورا تھا اس کو جمع کرتے رہتے تھے، کئی من چورا بن گیا تھا، تو وصیت فرمائی کہ جب مجھے موت آئے تو میرے غسل کا پانی اس سے گرم کیا جائے۔

قلم ٹوٹ جانے پر ذکرِ الٰہی کا ورد

حافظ ابن حجر - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں: کہ میں احادیث لکھتا تھا، جب میرا قلم ٹوٹ جاتا، تو میں اسے نئے سرے سے بنانے لگتا تھا، تو میں فوراً تیسرا کلمہ پڑھنا شروع کر دیتا تھا

یوں میرا قلم بنانے کا وقت بھی اللہ کی یاد سے خالی نہیں گزرتا تھا۔

عروجِ بندگی

ہمارے یہ اسلاف ''قال اللہ اور قال الرسول'' میں زندگی گزارتے تھے؛ لیکن اعمالِ صالحہ کا بھی اس قدر اہتمام فرماتے تھے، کہ آپ سُن کر حیران ہوں گے؛ چنانچہ حماد بن اسلمیؒ حافظ حدیث تھے، اور اکثر وقت ان کا روایت حدیث ہی میں گزرتا تھا، جب فارغ ہوتے تھے، تو نماز میں نوافل میں لگ جایا کرتے تھے، اللہ کی شان دیکھیں **كَمَاتَعِيْشُوْنَ، تَمُوْتُوْنَ** ''تم جس حال میں زندگی گزاروگے، تمہیں اسی حال میں موت آئے گی'' (۱) اللہ کی شان ایک دن عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، عین حالت نماز میں اللہ رب العزت کو پیارے ہوگئے۔

ہمارے اکابر علماء دیوبند بھی علم کے آفتاب و ماہتاب تھے؛ لیکن انہوں نے جو کچھ علم حاصل کیا، اس کی ایک ایک چیز کو اپنے اوپر لاگو کر کے دکھا دیا، وہ سنت نبوی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، ان کا سنت پر عمل اور شریعت پر استقامت کے عجیب وغریب واقعات کتابوں میں لکھے ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے سنت پر عمل کے واقعات بے شمار ہیں، خاص طور پر ان کی آخری رات تہجد کی نماز کی کیفیت عجیب ہوتی تھی، تہجد میں عموماً دو پارے تلاوت کرتے تھے، اور قرات کے دوران اس قدر خشوع اور اتنا گریہ طاری ہوتا تھا، کہ سینے سے کھولتے سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ نبی اکرم –صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم– کے بارے میں بھی احادیث میں یہی لکھا ہے، کہ آپ نماز اسی طرح پڑھتے تھے کہ آپ کے اندر سے رونے کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی سی آوازیں سنائی دیتی تھیں (۲)؛ لہذا آپ کی نماز میں اسی سنت کی اتباع ملتی ہے۔ نماز کے بعد آپ استغفار پڑھتے اور دعاء مانگتے، تو روتے، اور اس طرح سسکیاں اور ہچکیاں لیتے جیسے کوئی بچہ پِٹ رہا ہو۔

---

(۱) السیرۃ الحلبیۃ ۱/ ۲۷۲ ولفظہ: **واللہ لتموتن کما تنامون ولتبعثن کما تستیقظون** (۲) سنن نسائی باب البکاء فی الصلاۃ ۱/ ۱۳۴ رقم: ۱۲۱۴

عزیز طلباء! ہمیں بھی چاہیے کہ اعمالِ صالحہ کا خوب اہتمام کریں۔ آپ علم کے وقت میں علم کی طرف خوب متوجہ رہیں، اور عبادت کے وقت میں خوب ڈٹ کر عبادت کیا کریں۔ نمازوں کا وقت ہو، تو نمازوں کو خوب سنوار کر پڑھیں۔ اس بات کو ذرا غور سے سنیں! کتابوں میں لکھا ہے، کہ ''جس انسان میں تعدیل ارکان جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں سکون عطا فرمائے گا۔'' آج چوں کہ نماز میں تعدیل ارکان نہیں، اسی لیے زندگیوں میں پریشانی نظر آتی ہے۔ ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ نماز کو اہتمام سے پڑھے گویا یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔

عزیز طلبہ! آج وقت ہے نیکیوں کا ذخیرہ جمع کر لیجیے؛ ورنہ یاد رکھنا! کہ قیامت کے دن کا ایک نام ''یوم الحسرۃ'' بھی ہے، کیوں؟ قیامت کے دن انسانوں کو بہت حسرت ہوگی، قیامت کے دن مجرم لوگ بھی تمنا کریں گے، کہ اے کاش ہم نے بھی نیک عمل کئے ہوتے بہت حسرتیں ہوں گی، کہ کاش ہم نے یہ نہ کیا ہوتا، **''یٰلَیْتَنِیْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلاً، یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَاناً خَلِیْلاً''** کاش میں نے فلاں سے دوستی نہ لگائی ہوتی۔ (۱)

تو فرمایا اس دن تمام انسانوں میں سب سے زیادہ حسرت اس عالم کو ہوگی جس کی باتوں کو سن کر لوگ عمل کریں گے، اور جنت میں جارہے ہوں گے، اور وہ خود اپنے عمل کی کمزوری کی وجہ سے جہنم میں جارہا ہوگا (۲)۔ **''فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا''** (۳) اسی لیے کافر لوگ قیامت کے دن اعمال نہ ہونے کی وجہ سے پریشان پھریں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْ رُؤُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' (۴)

اگر آپ دیکھیں ان مجرموں کو جو اپنے رب کے سامنے شرمساری کی وجہ سے سر

---

(۱) پ:۱۹ سورۃ الفرقان، آیت: ۲۷/ ۲۸ (۲) کنز العمال کتاب العلم، قسم الاقوال ۱۰ / ۶۰ (۳) پ:۱۹، سورہ مریم، آیت: ۱۱۰ (۴) پ:۲۱، سورۃ السجدۃ، آیت: ۱۲

جھکائے کھڑے ہوں گے۔

اور کیا کہیں گے؟

رَبَّنَا أَبْصَرْنَا ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا'' **وَسَمِعْنَا** ''اور ہم نے سن لیا'' **فَارْجِعْنَا** ''پس ہمیں واپس دنیا میں لوٹا دیجیے!'' **نَعْمَلْ صَالِحاً إِنَّا مُوْقِنُوْنَ** ''اب ہم نیک عمل کریں گے، ہمیں پکا یقین آ گیا ہے''۔(۱)

ایک صحابی فرماتے ہیں: کہ ''عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا، کہ تم دیکھو گے، کہ جاہل عبادت گزار ہوں گے، اور وقت کے علماء بدکار ہوں گے''۔(۲) اس لیے علم پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی

جو اعمال ہم کر رہے ہیں، وہ ہمارے لیے جنت، یا جہنم کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ ہمارا اٹھنے والا ہر قدم یا تو ہمیں جنت کے قریب کر رہا ہے، یا جہنم کے قریب کر رہا ہے، اگر شریعت کے مطابق ہے، تو جنت کے قریب، اور اگر نفسانیت اور شیطانیت کی وجہ سے ہے، تو جہنم کے قریب۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ علم پر عمل کرنے والا انسان اللہ کا دوست ہوتا ہے(۳)؛ لہٰذا انسان اس بات سے پناہ مانگے، کہ زبان عالم ہو اور دل جاہل ہو۔

ہمارے اکابر فرماتے تھے کہ دنیا میں ہر کسی کا محبوب ہوتا ہے، اور ہمارا محبوب نیک عمل ہے، وہ جہاں ملے گا، ہم اسے پائیں گے یعنی کرنے کی کوشش کریں گے۔

نیک اعمال کی تلاش میں رہیں۔ جتنا کر سکتے ہیں، کر لیجیے؛ جیسے تاجر کو جہاں بھی کچھ نفع ہو، وہ اسے چھوڑتا نہیں، اسی طرح یہ نیک اعمال ہمارے لیے نفع ہیں؛ اس لیے ہر دن میں اسے اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے رہیں، نیک عمل کر کے تھکیں، اور تھک کر پھر نیک عمل

---

(۱) پ:۲۱، سورۃ السجدۃ، آیت: ۱۲ (۲) مستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، ۴/ ۳۵۱ (۳) کتاب المجموع ۱/ ۶۱

کریں، ایک شوق اور لگن ہو، اس لگن کے ساتھ انسان نیک اعمال کرنے میں مگن ہو۔ جب کسی کے پاس وقت کم ہو، تو وہ تیزی سے کام کرتا ہے، مثال کے طور پر ایک طالب علم امتحان دے رہا ہے، اور وقت بہت کم ہے، تو وہ تیز تیز لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا وقت کم ہے؛ اس لیے ہم بھی زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کریں۔

طلبہ اور بے عملی

جن کو بڑے بڑے کام کرنے ہوتے ہیں، ان کا دورِ طالبِ علمی سے ہی پتہ چل جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ پڑھتے بھی جاتے ہیں اور ساتھ ہی عمل بھی کرتے جاتے ہیں۔ دوسرے طالب علم یہ سوچتے ہیں، کہ پڑھنے کے بعد اکٹھا ہی عمل کریں گے۔ یہ تو ناممکن سی بات لگتی ہے، جس طرح سو دنوں کی خوراک ایک دن میں کھانا ناممکن ہے، اسی طرح اکٹھا عمل کرنا بھی ناممکنات میں سے ہے۔ جب پڑھائی کے دوران عمل نہ ہوا، تو بعد میں کیا ہوگا؟ ہمارے بزرگ تقوی والی اور باعمل زندگی گزارتے تھے، ہر وقت عمل کو مدنظر رکھتے تھے، ہمیں بھی چاہیے کہ اگر ہم اپنے اکابر جیسے انسان نہیں بن سکتے، تو کم از کم اپنی بے عملی کے ذریعے انہیں بدنام تو نہ کریں۔ علم بغیر عمل کے وبال ہے۔

ہَوا بھی ہو، بادل بھی ہو، بارش نہ ہو، تو کیا فائدہ؟
قرآن بھی ہو، حدیث بھی ہو، عمل نہ ہو، تو کیا فائدہ؟

جامعہ کی روح

عبادت کے وقت عبادت کرنا، اور علم کے وقت علم حاصل کرنا؛ تمام اعمال کی ایک بنیاد ہے اور روحِ رواں ہے۔ روح ہوگی تو جامعہ زندہ ہوگا، روح نہ ہوگی، تو سمجھیں، جامعہ کی روح ختم ہوگئی۔ جامعہ کی روح کو زندہ رکھنے کا نام معصیت سے پاک ماحول پیدا کرنا ہے۔ جامعہ میں جتنا وقت گزرے، تو کسی کے جسم سے کسی بھی عضو سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، یہ ایسی بات ہے کہ جس کی وجہ سے ادارے دین کے سرچشمے بنا کرتے ہیں، اور جس کے

نہ ہونے کی وجہ سے ادارے مٹ جایا کرتے ہیں؛ چنانچہ جن اداروں میں معصیت سے پاک ماحول نہیں ہے، اُن کا فیض بھی نہیں پھیلا۔فیض اُن ہی اداروں کا پھیلا کرتا ہے، جہاں گناہوں سے بچا جاتا ہے۔آج دارالعلوم دیوبند کا نام کیوں پوری دنیا میں مشہور ہے؟اس لیے کہ ایک وقت وہاں ایسا تھا، کہ اساتذہ اور طلبہ سے لے کر، چوکیدار اور دربان تک، گویا سارے کے سارے ولی اللہ ہوتے تھے، جب ایسا پاک ماحول ہوگا،تو اس کا فیض بھی پوری دنیا میں پھیلے گا۔ایسے اداروں کے محافظ خود اللہ رب العزت بن جاتے ہیں۔

ایک مدرسے کی خدائی حفاظت

اس عاجز کے سسر محترم حضرت امام العلماء والصلحاء خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ کا ایک مدرسہ تھا۔وہ دہلی سے اٹھارہ میل دور ''غازی آباد'' میں واقع تھا۔وہ کئی ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا مدرسہ،آج بھی چل رہا ہے،اس مدرسے کے ناظم صاحب سے اس عاجز کی کسی نہ کسی ملک میں ملاقات بھی ہوجاتی ہے،وہ حالات سناتے رہتے ہیں ،الحمدللہ!وہ بھی حضرت کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔اس مدرسہ کا واقعہ ''تجلیات'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جب تقسیم ہند کا وقت آیا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا،اس مدرسہ کے ایک استاذ سکھوں کی ایک بستی کے قریب سے گزر رہے تھے،ایک سکھ نے ان سے مخاطب ہوکر کہا: میاں جی!....یہ سکھ کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو اسے ''میاں جی'' کہتے ہیں،اور ہم انہیں دیکھ کر ''سردار جی'' کہتے ہیں....اس نے کہا: میاں جی !کیا آپ نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی فوج بلوائی ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیوں؟اس نے کہا: ہماری بستی کے سکھ تین مرتبہ تلواریں اور دوسرا اسلحہ لے کر اس مدرسہ کے مسلمانوں کو لوٹنے اور مارنے کے لیے نکلے ہیں؛لیکن جب بھی ہم اس کے قریب پہنچتے ہیں ،تو ہمیں فوجی چاروں طرف سے پہرہ دیتے نظر آتے تھے،''پولیس نظر آتی تھی،فوج نظر آتی تھی،تو تم نے فوج منگوائی ہے؟تو انہوں نے اس کو جو جواب دینا تھا،دے دیا۔جب واپس آئے ،تو انہوں نے یہ بات خواجہ

صاحب کو بتائی کہ حضرت وہ سکھ یہ بات کر رہا تھا۔

حضرت کتاب ''تجلیات'' میں لکھتے ہیں: کہ ''یہ اللہ کے حفاظت کرنے والے فرشتے تھے، جو ان کو اس شکل میں نظر آئے، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ میرے مدرسے کے اندر گناہ نہیں تھا۔ حضرت فرماتے ہیں: کہ مدرسے میں بڑے چھوٹے بچوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتے تھے، تربیت کرتے تھے، طلبہ نیکی والے تھے، قرآن پڑھنے والے تھے، یہ گناہوں سے بچنے کی وجہ تھی کہ اللہ نے ان کی حفاظت فرمادی۔

کیسے تھے وہ اور کیسے ہیں ہم؟

عزیز طلبہ! ہم اپنے اسلاف کی روحانی اولاد ہیں، آج عجیب بے عملی کا وقت آ گیا ہے، دل خون کے آنسوں روتا ہے کہ وہ اسلاف جن کے کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے تیل کا خرچہ، جو راتوں کو چراغ جلاتے تھے، ان کے ماہانہ کھانے کے خرچ سے زیادہ ہوا کرتا تھا، اتنا مطالعہ کرتے تھے، آج ان کی اولادیں شکم سیری کی عادی ہوگئ ہیں!!۔

جن کے اسلاف چٹائیوں پر بیٹھ کر عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے، آج ان کی اولادیں نرم بستروں پر شب باشی کی عادی ہوگئی ہیں!!!۔

وہ حضرات جو صبح کے وقت نور کے تڑکے قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اپنے دن کی ابتداء کرتے تھے، آج ان کی اولادیں صبح کے اخبار کے ساتھ دن کی ابتداء کرتی ہیں!!!۔

جو جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے، آج جمعہ پڑھانے کے لیے اخباروں میں خطبہ تلاش کرتے ہیں!!! سوچیے تو سہی! ہم کہاں پہنچے ہیں؟ ہمارے حلق کے اندر باتیں ان کی، ہمارے جسم پے لباس ان کا، ایسے بن گئے ہیں، اگر اللہ کے حبیب دوبارہ اس دنیا میں آئیں، اور دیکھ لیں تو فرمائیں گے: **لَسْتُمْ مِنِّيْ** ''تم میرے نہیں ہو''۔

تو آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر طلب پیدا کر کے جو علم ہے اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی عادت بنائیں۔

طلبہ کے لیے قیمتی ملفوظات

طالب علم کی فضیلت

بعض روایات میں آتا ہے کہ طالب علم جب گھر سے نکلتا ہے، تو اللہ تعالی اپنے فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ ''تم اپنے پَر ان کے قدموں تلے بچھادو! کہ یہ میرے راستے میں علم حاصل کرنے کے لیے چلا ہے''۔(۱) حدیث پاک میں ہے:

مَنْ كَانَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ، كَانَتِ الْجَنَّةُ فِيْ طَلَبِهٖ

''جو انسان علم کی طلب میں ہوتا ہے، جنت اس بندے کی طلب میں ہوتی ہے''۔(۲)

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ بِهٖ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ

''جو اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لیے نکلا، اللہ تعالی اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان کر دیا کرتے ہیں''۔(۳)

آسان کرنے کا کیا مطلب؟ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اسکولوں کے طلبہ ہوتے ہیں، ان کے کارڈ بنے ہوتے ہیں، اور جب یہ بسوں پر سفر کرتے ہیں، تو ان کو رعایت ملتی ہے، اس طرح ان کو صرف آدھا کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں سفر میں سہولت کا ہونا۔ اسی طرح جو علم حاصل کرنے والے طلبہ ہیں، قیامت کے دن ان کو بھی جنت میں جانے کے لیے رعایت ملے گی۔ اس لیے انسان پوری زندگی ہی علم حاصل کرے۔

---

(۱) سنن أبی داوٗ، کتاب العلم ۲/ ۳۱۳ رقم: ۳۶۴۱ (۲) کنز العمال، کتاب العلم، قسم الاقوال، ۱۰/ ۷۰ رقم: ۲۸۸۲۶
(۳) صحیح بخاری باب: ۱۰ العلم قبل القول والعمل ۱/ ۲۲

یاد رکھنا! اگر نیک نیت ہو، تو طالب علم سے افضل کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالی کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں، اُس پر جو علم کا طلب کرنے والا ہوتا ہے، طلب سچی ہونی چاہیے۔

سچی طلب کے عجیب واقعات

چنانچہ ایک بزرگ تھے، بادشاہ نے اُنہیں سزا دی کہ اُنہیں کنویں کے اندر بند کردیا۔ کنواں کھدوا کر اُنہیں نیچے ڈال دیا اور حکم دیا کہ تم باہر نہیں نکل سکتے۔ وہ وہیں کنویں کے اندر سے بیٹھ کر سبق پڑھاتے تھے۔ اور شاگرد کنویں کی مُنڈیر کے پاس جمع ہو کر سبق کو پڑھتے تھے؛ حتی کہ اُن کے شاگرد اتنا علم پانے والے بن گئے کہ جب شاگردوں نے اُن بزرگ کی ساری باتوں کو کتابوں میں جمع کیا، تو وہ ساری لکھی ہوئی کتابیں اتنی تھیں، کہ ایک اونٹ سے اُن کتابوں کا وزن اٹھایا نہیں جاتا تھا۔

اب بتایئے! کہ کنویں کے اندر اُن کی کتابیں بھی نہیں تھیں؛ مگر اُن کی یادداشت کے اندر جو کچھ تھا، اُس کو انہوں نے شاگردوں کو پڑھایا، شاگردوں نے اس کو کتابوں کے اندر جمع کیا، اور علم اتنا زیادہ بن گیا، کہ ان کی کتابیں ایک اونٹ بھی نہ اٹھا سکا۔ علم کے طلب کرنے والوں نے اس طرح حاصل کیا۔ سبحان اللہ!

❊ ....امام محمد -رحمۃ اللہ علیہ- جب ایک جگہ سے دوسری جگہ گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے، تو ان کے کئی شاگرد ان کے ساتھ ساتھ چلتے تھے، اور اس سفر کے وقت بھی اُن سے کتابیں پڑھا کرتے تھے، پڑھنے کا اتنا ذوق وشوق تھا جو کہ ہمارے لیے نصیحت ہے۔

❊ ابن تیمیہؒ کا ایک حاسد حکومت میں آ گیا، اس نے حضرت کو قید کروا دیا، پھر انہیں ایک کنویں میں بند کر دیا گیا، وہاں سے وہ نکل نہیں سکتے تھے، حضرت اپنے شاگردوں کے ذریعہ وہاں کاغذ منگوا لیتے اور کتاب لکھتے رہتے۔ جب آپ کی نئی کتاب تیار ہو گئی، تو اس حاسد کو پتہ چل گیا، اس نے کہا کہ اچھا! کنویں کے اندر بند ہیں اور پھر بھی کتاب لکھ چکے ہیں؛ چنانچہ اس نے کاغذ، قلم اور دوات کا پہنچانا بھی بند کروا دیا، اسی حالت میں ابن تیمیہؒ کی

وفات ہوگئی۔ وفات کے بعد ان کی ایک اور نئی کتاب بن گئی۔ وہ حاسد بڑا حیران ہوا کہ اب کتاب کیسے بنی؟ پتہ چلا کہ جب اس نے کاغذ، قلم اور دوات کا پہنچانا بند کر دیا تھا، اس وقت انہوں نے منت سماجت کر کے پولیس والے نگراں سے کچھ کوئلے منگوا لیے تھے اور کوئلے کے ذریعہ انہوں نے کنویں کی دیوار پر کتاب لکھ دی.....اللہ اکبر!! تاریخِ انسانیت علم کی طلب کے ایسے واقعات پیش نہیں کرسکتی جو ہمارے اکابر کو پیش آئے۔

شیطان سے محفوظ رہیں

لیکن یاد رکھیں شیطان نا امید نہیں ہوتا، یہ نہ سمجھنا کہ آپ گھروں سے پڑھنے کے لیے یہاں آ گئے ہیں، تو شیطان نا امید ہو گیا ہوگا کہ فلاں تو جامعہ میں چلا گیا اب تو میں اس کا پیچھا چھوڑ کر کسی اور کام میں لگتا ہوں۔ شیطان ہر ایک کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اور اس کا کام اُسے بہکانا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو نہیں چھوڑتا۔ آپ یہاں آئے، تو وہ شیطان بھی آپ کے پیچھے یہاں آ پہنچا۔ اب اس سے پیچھا کیسے چھڑانا ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی سے مدد مانگیں، توبہ کریں اور اپنے آپ کو ہر وقت علم میں مشغول رکھیں۔ اللہ تعالی کی یاد سے غفلت اگر آپ کے دلوں میں یہاں آئی، تو یہاں پہنچ کر بھی شیطان آپ کو نقصان پہنچائے گا۔

شیطان کا سب سے بڑا داؤ کیا ہے؟

شیطان کا سب سے بڑا داؤ گمراہ کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ وہ طالب علم کو حصولِ علم سے ہٹا دے۔ کہتے ہیں کہ شیطان کو ایک دفعہ خیال آیا کہ ہم بھی اپنی کانفرنس کریں۔ ویسے بھی آج کل کانفرنسوں کا زور ہے۔ اس نے بھی سوچا ہوگا، کہ چلو ہم بھی عوامی کانفرنس کرتے ہیں؛ چنانچہ اس نے اپنی تمام شیطانی فوج کو دعوت دی، اور اس طرح دعوت دی ہوگی۔

سب قدم سب راستے
کانفرنس کے واسطے

چنانچہ سب کے سب شیطان اور شطونگڑے کانفرنس میں پہنچ گئے۔ شیطان نے پوچھا کہ تم لوگ بتاؤ! تم لوگوں نے انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے ہیں؟ اب وہ اپنی اپنی کارگزاری سنانے لگے؛ ایک نے کہا: کہ فلاں دو بھائی تھے، ان کا کاروبار اکٹھا تھا، ان میں غلط فہمیاں ڈال کر انہیں آپس میں لڑوادیا۔ ایک شیطان نے اپنا کارنامہ بتایا کہ ''میں نے دو پڑوسیوں کو لڑوادیا۔ اور ایک نے دوسرے کو قتل کردیا'' کسی نے کہا: کہ ''میں نے فلاں کو چوری پر اُکسایا''۔ کسی نے کہا: ''میں نے فلاں کو غلط کام پر اُکسایا''۔ اپنی اپنی باتیں کرتے رہے؛ کسی نے کہا: کہ میں نے فلاں عورت کو کہا: کہ ''تو اپنے خاوند کی ذرا بات نہ سننا'' خاوند کے دل میں بات ڈالی کہ ''بیوی تو تیری بات سنتی نہیں ہے''؛ حتی کہ دونوں میں خوب جھگڑا ہوا اور بالآخر طلاق ہوگئی۔ شیطان سب کی کارگزاری سنتا رہا؛ مگر ایک چھوٹا سا شیطان پیچھے ایک طرف کو بیٹھا ہوا تھا۔ شیطان نے کہا: کہ تو ایک طرف کو کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ اس نے کہا: کہ میں تو چھوٹا ہوں، اور میں نے چھوٹا سا کام کیا ہے، اُس نے کہا: کہ وہ کیا؟ اس چھوٹے شیطان نے کہا: ''ایک طالب علم جارہا تھا، میں نے اُس کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ، چھوڑ، کیا پڑھنا ہے؟ جو مزہ کھیلنے میں ہے، وہ کسی چیز میں نہیں ہے؛ لہذا میں نے اُسے مدرسے سے ناغہ کروادیا، اور اُسے کھیل میں لگادیا''۔ شیطان نے کہا: کہ جو کام تو نے کیا ہے، وہ کسی نے نہیں کیا۔ واہ واہ!! چنانچہ اس چھوٹے سے شیطان کو بڑے شیطان نے ''مین آف دی میچ'' قرار دیا۔(۱)

وجہ کیا تھی؟ کہ آج اگر یہ طالب علم دین کا علم پڑھنے سے محروم رہا، تو ساری زندگی عمل سے محروم رہے گا۔ دوسروں نے تو ایک گناہ کروایا تھا، اس نے علم سے محروم رکھ کر اسے جہالت میں رکھنے کی کوشش کی۔ اور گناہوں کا دروازہ ہی کھول دیا تھا؛ اس لیے اُسے انعام ملا اور وہ فرسٹ آیا۔ شیطان کی یہ حالت ہوگی کہ طبیعت میں عجیب بے چینی پیدا کردے گا، کبھی گھر یاد دلائے گا، کبھی ماں باپ، بہن بھائی یاد دلائے

---

(۱) مستفاد: صحیح مسلم، ۲/ ۳۷۶

گا اور علم سے توجہ کو ہٹائے گا۔

شیطان کے گمراہ کرنے کی خاص نشانی

شیطان کی انسان کو علم سے محروم رکھنے کی ایک خاص علامت یہ ہے، کہ ''جب پڑھنے کا وقت ہوگا، اُس وقت نیند طاری کرے گا۔ اور جب سونے کا وقت ہوگا، تو ہشاش بشاش باتوں میں لگادے گا''۔ یہ شیطان کے گمراہ کرنے کی خاص نشانی ہے۔ جلدی فارغ ہو گئے، تو جلدی سو جاؤ۔ تاکہ تہجد میں اُٹھ سکو؛ لیکن وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔ سونے کے وقت ہشاش بشاش تازہ دم بیٹھے ہوں گے، جیسے کہ نیند پوری ہو چکی، جیسے کہ نیند کی تو ضرورت ہی نہیں؛ لہذا کیا ہوگا؟ باتیں ہوں گی، کبھی یہ بات ہو رہی ہے، کبھی وہ بات ہو رہی ہے، کبھی اِدھر کروٹ لے رہے ہیں، کبھی اُدھر کروٹ لے رہے ہیں، کبھی یہ خیال، کبھی وہ خیال کرتے سونے میں دیر کر دیں گے۔ شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح سونے میں دیر کر دیں؛ تاکہ تہجد بھی قضا کر دیں اور فجر کا بھی کھٹکا رہے، اور اگر فجر پڑھ بھی لی، تو جب پڑھنے کے لیے بیٹھیں گے، تو اس وقت ان کو نیند کے جھونکوں میں مبتلا کروں گا۔

بڑے لوگ دنیا میں کیسے بڑے بنے؟

شیطان کے ایسے داؤ سے اپنی حفاظت کریں۔ ہمیشہ اپنے بڑوں کی زندگی سامنے رکھیں کہ ہماری نسبت ان ہی سے جا کر ملتی ہے۔ ہم بھی ان جیسا بننے کی کوشش کریں۔ جو سلفِ صالحین دنیا میں مشاہیر بنے اگر ان کی زندگیوں کو دیکھیں، تو جو چیزیں خاص نظر آئیں گی وہ یہ ہیں: (۱) محبتِ الٰہی (۲) خشیتِ الٰہی۔ محبت الٰہی اور خشیت الٰہی؛ یہ اللہ کی دو بڑی نعمتیں ہیں۔ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- اللہ تعالی سے دونوں مانگا کرتے تھے، **اللّٰھم إنّی أسئلک حُبّک** (اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کو مانگتا ہوں)[۱] ایک جگہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے اللہ تعالی سے خشیت مانگی اور عرض کی: ''اے اللہ! اپنے خوف کو مجھ پر تمام چیزوں سے بڑا

(۱) سنن ترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲/ ۱۸۷، رقم: ۳۴۹۰

فرمادے''۔ (۱) پس خشیت کی بھی دعاء مانگے اور محبت کی بھی دعا مانگے؛ یعنی محبت زندگی میں ہو اور خوف بھی ہو، تو وہ انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ محبت ہو، تو وہ انسان کو اعمال میں لگادیتی ہے۔ یاد رکھیں! ان دو چیزوں کو اپنے اندر پیدا کیجیے ہر وقت یہ چیزیں دل کے اندر رہنی چاہئیں۔ ان دو چیزوں کے رہنے سے پھر انسان ریاکاری سے بچ جاتا ہے۔

تقوی اور استغناء

ہمارے سلفِ صالحین تقوی اور استغناء کے ساتھ کا کام کرتے تھے، ان کے اندر ایمان کا اتنا جذبہ اور اتنی حرارت ہوتی تھی کہ لوگوں پر ان کا رعب و دبدبہ رہتا تھا، دنیا دار لوگ ان کے پیچھے بھاگتے تھے۔ حضرت مرشدِ عالم -رحمۃ اللہ علیہ- فرمایا کرتے تھے: ''دنیا دار امیروں کو استغناء کی چھری سے ذبح کرنا چاہیے۔'' استغناء سے کئے ہوئے کام میں بڑی برکت ہوتی ہے، استغناء اہلِ علم کی شان کو بڑھا دیتا ہے۔ آپ حضرات اللہ تعالی کے حضور گڑگڑائیں، اور بار بار دعائیں مانگیں، اللہ تعالی اگر غافل بندوں کو رزق دے سکتا ہے، تو پھر اپنے یاروں کو بھی رزق میں آسانیاں دے سکتا ہے۔ ''تقوی اور استغناء سے کیا ہوا کام صدیوں تک باقی رہتا ہے؛ اس لیے ہمیشہ یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالی پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے دین کے کام کو تقوی اور استغناء کی صفات سے متصف ہو کر کرنا ہے، -انشاء اللہ- کامیابی ہوگی۔

بہترین زادِ راہ

بہت دفعہ یہ حدیثِ مبارکہ پڑھی **اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ** (برکت بڑوں کے ساتھ لگے رہنے میں ہے) (۲) اپنے مشائخ کے ساتھ نتھی رہنے کی کوشش کرتے رہیں، یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ مشائخ کی صحبت میں رہنے سے بندے میں تقوی جیسی خصوصیات پیدا ہوجاتی ہیں۔ یاد رکھیں! تقوی اختیار کرنے سے دنیا جہان کی نعمتیں ملتی ہیں۔ ہر اس

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲/۱۸۸ رقم: ۳۵۰۲ (۲) مستدرک للحاکم، ۱/۱۳۱

چیز سے بچنے کا نام تقوی ہے، جو انسان کو اللہ تعالی سے غافل کردے۔ سوچتے رہیں کہ کس چیز اور کس کام سے غفلت ہورہی ہے، اس کو چھوڑ دیں گے، تو متقی کہلائیں گے، اگر راستے میں کوئی غیر محرم عورت بغیر پردے کے جارہی ہو، آپ اس کے چہرے اور جسم کو نہیں دیکھیں گے، تو یہ آپ نے فتوے پر عمل کیا ہے، اور اگر آپ نے اس کپڑوں پر بھی نظر نہ ڈالی، تو یہ تقوی ہے۔ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے ہمیں بے ریش لڑکوں کے چہرے پر بھی نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔[1] ہمیں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی پُر حکمت باتوں کو ہر وقت مدنظر رکھنا چاہیے۔ یاد رکھیں! تقوی کا سہارا لے کر چلیں؛ ورنہ ٹھوکر کھا کر گر پڑیں گے۔ اس زندگی کے سفر میں بہترین زادِ راہ تقوی ہے **إِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى** ''بے شک بہترین زادِ راہ تقوی ہے''۔

حافظہ کی تیزی

مدارس میں طلبہ حافظے کی کمزوری کی شکایت کرتے رہتے ہیں؛ لیکن اگر وہ گناہ کرنا چھوڑ دیں، تو خود بخود حافظہ تیز ہوجائے گا۔ گناہ اندھیرا ہے اور علم روشنی ہے؛ اس لیے علم کی روشنی کو اندھیرے میں جاتے ہوئے مشکل پیش آتی ہے۔ یہ پکی اور تجربہ شدہ بات ہے کہ گناہ چھوڑ دینے سے حافظہ مضبوط ہوجائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے استاذ وکیعؒ سے اپنے حافظے کی شکایت کی، تو استاذ محترم نے فرمایا: گناہ چھوڑ دو، تو حافظہ مضبوط ہوجائے گا۔

جہاں بے پردگی ہو، وہاں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ طالب علموں کے لیے مدرسے کے ماحول میں گناہوں سے بچنا آسان ہوتا ہے۔ عموماً یہ طالب علم زیادہ بڑے گناہوں میں نہیں پھنسے ہوتے، بس چند گناہوں کا شکار ہوتے ہیں، اگر ان سے جان چُھڑا لیں، تو وہ سچّے اور سُچّے مومن بن سکتے ہیں، مدرسے کے باہر کی زندگی طلبہ کے

(۱) تلبیسِ ابلیس مع ترجمہ اردو تحسینِ تدلیس ص: ۳۹۵ (۲) پ: ۲، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۹۷)

لیے، مچھلی کے پیٹ کے اندر اندھیرے کی طرح ہے، اس اندھیرے سے بچنے کے لیے ذکر کی کثرت ضروری ہے۔ مدرسے کے طلبہ سے جو گناہ سرزد ہو جائیں، ان سے بچنے کی بار بار دعائیں مانگا کریں، پھر ان گناہوں سے جان چھوٹ جائے گی۔ جو علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اُسے مستجاب الدعوات بنا دیا جاتا ہے۔

عمل کی نیت سے علم حاصل کریں

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اس کو اہلِ علم کو سکھاتے (اپنا عمل اس کے مطابق کرتے، تو اللہ اور اللہ کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے۔) تمام مخلوق پر ان کا رعب ہوتا؛ لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا؛ (اس لیے اللہ تعالی بھی ان سے ناراض ہوگیا۔) اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے۔(۱)

یاد رکھیں! علم کے اس سمندر میں اگر قدم ڈالنا ہے، تو عمل کی کشتی کو ساتھ لیجیے۔ اس کے بغیر ڈالو گے، تو اس کے سمندر کے اندر تم ڈوب جاؤ گے۔

ایک وقت تھا جب لوگ علم حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرتے تھے۔ آج مال حاصل کرنے کے لیے علم خرچ کرتے ہیں۔

خون کے آنسوں

آج علم کی کتابیں تو بہت پھیل گئی ہیں، بڑی بڑی لائبریریاں کتابوں سے بھری پڑی ہیں؛ مگر عمل اور اخلاص اٹھتا جارہا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کتابیں وہی ہیں؛ مگر عمل اور اخلاص اٹھتا جارہا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کتابیں وہی ہیں؛ مگر پڑھنے والے وہ نہیں ہیں۔ اب جو پڑھنے والے ہیں وہ -کما حقّہ- اخلاص سے نہیں پڑھتے۔ جس کی وجہ سے عجیب وغریب واقعات رونما ہو رہے ہیں؛ ایک آدمی اپنے بیٹے کو میرے پاس لایا

---

(۱) سنن ابن ماجہ باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ ص: ۲۳ رقم: ۲۵۷

اور کہنے لگا: کہ ’’یہ میرا بیٹا ہے، آخری درجہ میں ہے اور بخاری شریف پڑھ رہا ہے؛ مگر اسے نماز کی پابندی نصیب نہیں ہے۔‘‘ آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے، اس بات پر دل کُڑھتا کہ علم تو حاصل کر لیتے ہیں؛ مگر عمل اور اخلاص کی کوشش نہیں کرتے، دل خون کے آنسوں روتا ہے۔

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی؛ مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو
تربیت عام تو ہے؛ جو ہر قابل ہی نہیں
تعمیر ہو جس سے آدم کی ، یہ وہ گُل ہی نہیں

طلبِ علم اور نورِ علم

حقیقی طالب علم کون؟

علم ایک نور ہے۔طالب علم اس نوجوان اور اُس بوڑھے کو کہتے ہیں، جس کے اندر اس نورِ نسبت کو حاصل کرنے کی پیاس موجود ہو۔آپ نے اسفنج کو دیکھا ہوگا، جب بھی آپ اس کو پانی میں ڈالیں، تو وہ پورے پانی کو چوس لیتا ہے، اور اس کی نَس نَس میں پانی پہنچ جاتا ہے، علم چوس انسان کو طالب علم کہتے ہیں، وہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتا ہے، کہ جو لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہے، وہ اس کی یادداشت کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔جیسے پیاسا انسان گرمی کے موسم میں کتنی رغبت اور طلب کے ساتھ ٹھنڈا پانی پیتا ہے، طالب علم اس سے زیادہ رغبت اور طلب کے ساتھ اپنے استاذ کی باتوں کو سنتا ہے۔

اللہ تعالی نے ہمارے اسلاف کے دل میں علم حاصل کرنے کی ایسی سچی تڑپ پیدا کردی تھی، کہ جب استاذ کوئی بات کہہ دیتے، تو وہ اُسی وقت اس بات کو اپنی یادداشت کا حصہ بنالیا کرتے تھے۔

امام شافعیؒ امام مالکؒ کی خدمت میں

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ میں مسجد نبوی میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ ایک اونچے قد کے شخص نے بیٹھ کر کہنا شروع کردیا: **”قال: قال رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -“**

تو میں سمجھ گیا، یہی وہ شخص ہیں، جن کو امام مالک کہتے ہیں۔ اس وقت امام مالکؒ طلباء کو املاء کروا رہے تھے، سب لوگ حدیث پاک کو سُن کر لکھ رہے تھے، وہ فرماتے ہیں: میں چوں کہ مسافر تھا؛ اس لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، قریب ہی ایک تِنکا پڑا تھا، میں نے وہ اٹھایا، اور میں نے تِنکے کے ساتھ اپنی ہتھیلی پر لکھنا شروع کر دیا؛ تا کہ مجھے ان کے ساتھ مشابہت نصیب ہو جائے **"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"**۔(۱)

جب اگلی نماز کا وقت ہوا، تو امام صاحب نے درسِ حدیث موقوف کیا اور طلباء اٹھ کر نماز کی تیاری کرنے لگے۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ جب حضرت کی نظر مجھ پر پڑی، تو مجھے پاس بلالیا، اور پوچھا، بھئی! آپ یہ کیا کر رہے تھے؟ میں نے کہا میں اپنی ہتھیلی پر حدیث لکھ رہا تھا، انہوں نے فرمایا: بھئی! یہ تو ادب کے خلاف ہے۔ میں نے کہا حضرت! میں ظاہر میں تو ہتھیلی پر تِنکا چلا رہا تھا؛ مگر حقیقت میں اپنے دل میں یہ مضمون لکھ رہا تھا، حضرت نے پوچھا کیا مطلب؟ میں نے کہا حضرت! آپ نے جو کچھ کہا، وہ مجھے سب یاد ہے۔ حضرت نے فرمایا: میں نے ایک سو سے زیادہ حدیثیں املاء کروائی ہیں، اُن میں سے تم اگر آدھی بھی سنا دو، تو بڑی اعلی بات ہے۔ فرمانے لگے کہ انہوں نے تو آدھی کہا؛ مگر میں نے پہلے نمبر سے حدیث پاک سند اور متن کے ساتھ سنانی شروع کی، جتنی سُنائی تھیں، وہ سب کی سب زبانی یاد تھیں؛ لہذا میں نے ساری حدیثیں اُن کو زبانی سُنا دیں۔

علمی غیرت کا حیران کن واقعہ

سفیانِ ثوریؒ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پڑھنے کے لیے ایک محدث کی خدمت میں پہنچے، فرماتے ہیں: کہ ہم تینوں کے پاس گزرِ اوقات کے لیے ستّو وغیرہ تھے، ہم اسی کو تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کرتے رہے۔ ہمارے سبق کے مکمل ہونے میں ابھی تین دن باقی تھے کہ ہمارے پاس کی کھانے کی چیزیں ختم ہو گئیں، ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ

(۱) سنن ابی داوٗد، باب فی لبس الشہرۃ، ۲/ ۵۵۹ رقم: ۴۰۳۱

بھئی! دو آدمی تو استاذ کا درس سننے کے لیے جایا کریں، اور تیسرا مزدوری وغیرہ کر کے کھانے کا بندوبست کرے؛ تاکہ بقیہ دنوں کے لیے کھانے کا کچھ انتظام ہوجائے۔ایک ایک دن سب کو کام کرنا پڑے گا، اور یوں تین دن گزر جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ باقی دو تو درس سننے کے لیے چلے گئے، اور جس آدمی کو پہلے دن مزدوری کرنی تھی، وہ مسجد میں چلا گیا، سوچنے لگا کہ مجھے مخلوق کی مزدوری کرنے سے کیا ملے گا؟ کیوں نہ اپنے مالک کی مزدوری کرلوں؟ بالواسطہ لینے کے بجائے بلاواسطہ کیوں نہ حاصل کروں؟ چنانچہ انہوں نے نفلیں پڑھنی شروع کردیں، وہ نفلیں پڑھتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے، وہ سارا دن مسجد میں گزار کر شام کو واپس آگئے، باقی دوستوں نے پوچھا: بتاؤ بھئی! کچھ انتظام ہوا؟ کہنے لگے، جناب! میں نے سارا دن ایک ایسے مالک کی مزدوری کی ہے، جو پورا حساب چُکاتا ہے؛ اس لیے وہ دے دے گا۔ وہ مطمئن ہوگئے۔

دوسرے دن دوسرے کی باری تھی، اپنی سوچ کے تحت انہوں نے بھی یہی راستہ اپنایا، وہ بھی مسجد میں سارا دن اللہ کی عبادت کرتے رہے، اور اللہ رب العزت سے دعا مانگتے رہے۔شام کو دوستوں نے پوچھا، سنائیں! کوئی انتظام ہوا؟ کہنے لگے، کہ میں نے ایک ایسے مالک کی مزدوری کی ہے، جو کسی کا قرض نہیں رہنے دیتا؛ بلکہ پورا پورا ادا کردیتا ہے، اور اس کا وعدہ ہے کہ تمہیں تمہارا اجر مل کر رہے گا۔

تیسرے دن تیسرے نے بھی یہی عمل کیا۔اللہ کی شان کہ تیسرے دن کے بعد حاکمِ وقت رات کو سویا ہوا تھا، اس نے خواب میں بہت بڑی بلا دیکھی، اور اس بلا نے اپنا پنجہ اُسے مارنے کے لیے اٹھایا، اور کہا: ''سفیان ثوری اور اس کے ساتھیوں کا خیال کرو''۔

یہ منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھ کھُل گئی، اس نے ہر طرف کارِندے دوڑا دیئے،

اور کہا: کہ پتہ کرو کہ سفیان کون ہے؟ اس نے ہر ایک کو درہم و دینار سے بھری تھیلیاں بھی دیدیں، اور کہا کہ یہ تو اِسی وقت اُن کو دے دینا، اور بعد میں جب مجھے اطلاع کرو گے، تو میں خزانوں کے منھ کھول دوں گا۔ اُدھر تعلیم کا دن مکمل ہوا، اور اِدھر پولیس تلاش کرتے کرتے مسجد میں پہنچی۔ پولیس والوں نے پوچھا: جی یہاں سفیان نامی کوئی بندہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ وقت کے حاکم کو یہ خواب آیا ہے، اور اس نے ہمیں بھیجا ہے۔

سفیان ثوریؒ اور ان کے ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا، کہ اب دو دروازے ہیں ایک مالک کا دروازہ اور ایک حاکم وقت کا دروازہ، ہم نے جو علم پڑھا ہے، اس میں تو یہی سیکھا ہے کہ ہمیں مالک سے لینا ہے؛ لہٰذا ہماری علمی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ہم چل کر حاکمِ وقت کے درورازے کے پاس جائیں....اللہ اکبر!!! تین دن کے بھوکے تھے؛ مگر حاکم وقت کے پاس جانا گوارا ہی نہ کیا؛ بلکہ اسی حالت میں انہوں نے واپس اپنے وطن کا سفر مکمل کیا۔

یہ وہ طلباء تھے، جن کی نظر اللہ رب العزت کی ذات پر رہتی تھی، اور وہ اس علم کو حاصل کرنے کے لیے مشقتیں برداشت کیا کرتے تھے، پھر اللہ رب العزت کی طرف سے اُن کے لیے مدد و نصرت بھی آتی تھی۔

عزیز طلباء! یہ اہلِ حق کا ایک قافلہ ہے، اِس قافلے کے سرخیل امام انبیاءِ کرام تھے، وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے، ان کے بعد اُن کے صحبت یافتہ تھے، پھر اُن کے صحبت یافتہ علماء صلحاء۔ یہ ایک قافلہ ہے جو اللہ-رب العزت- کی رضاء حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی گزار کے اس جہان سے اگلے جہان کی طرف جارہا ہے، بہت سے لوگ دنیا میں آئے، اور اپنی اخلاص بھری زندگی گزار کر چلے گئے۔ آج بھی ان مدارس میں ایسے طلباء اور علماء موجود ہیں، جو فقط اللہ کی رضا کے لیے اپنی

زندگیاں اس دین کی خدمت کے لیے وقف کر چکے ہیں، چنانچہ ہمارے اکابرین میں سے کسی نے تیس سال، کسی نے پینتیس سال اور کسی نے چالیس سال تک حدیث پڑھائی، انہوں نے چٹائیوں پر بیٹھنا گوارا کیا، اور جو روکھی سوکھی ملی، اس کو کھا کر صبر شکر کرلیا، انہوں نے کبھی بھی حاکمِ وقت کی طرف نظر نہیں اٹھائی؛ بلکہ انہوں نے اللہ رب العزت کا احسان مانا اور انہی مدارس میں رہ کر حفاظتِ کتاب کو اپنا فرضِ منصبی سمجھا، اور اس کی حفاظت کر کے دکھائی۔ اِن حضرات کو اللہ رب العزت نے فضل اور کمال عطا کیا تھا۔ میں سلام کرتا ہوں ان علماء کی استقامت کو کہ جنہوں نے زندگی میں پیش آنے والی یہ مشقتیں برداشت تو کیں؛ مگر حکومت کے دروازے دیکھنے کے بجائے اپنے رب کے دروازے کو دیکھا، اور اُسی پر اپنی نظریں جمائے رکھیں، یہ کون لوگ تھے؟ **"وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتَابِ"** ''وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کتاب کو''۔(۱)

ان حضرات نے شریعت کے احکام کو عملی طور پر اپنے اوپر لاگو کیا تھا، **وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللهِ** ''اور درویش اور علماء (یعنی علماء اور صلحاء) یہ اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''(۲)

تمسک بالکتاب والسنۃ کے لیے نور کی ضرورت ہے

یہ چیز کب پیدا ہوتی ہے؟ جب وہ اس کتاب کو خود مضبوطی سے پکڑتے ہیں ''تمسک بالکتاب والسنۃ'' فقط الفاظ پڑھنے سے نصیب نہیں ہوتا، اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کو علم ظاہر بھی عطا کیا، علم باطن بھی عطا کیا، شریعت بھی اور طریقت بھی۔

ابوہریرہ -رضی اللہ عنہ- فرماتے تھے ''میں نے نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- سے دو علوم سیکھے، ایک وہ علم کہ جس کو ظاہر کر دوں، تو گلے پہ چھری پھر جائے۔''(۳) قرآن پاک کی آیات کے اندر انوارات پوشیدہ ہیں، اسی لیے قرآن پڑھا جاتا ہے، تو

(۱) پ:۹ سورۃ الاعراف، آیت:۱۷۵ (۲) پ:۶ سورۃ المائدۃ آیت:۴۴ (۳) صحیح بخاری باب حفظ العلم ۱/ ۳۳ رقم:۱۲۰

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱)

رحمت کی بارش برستی ہے

یہ انوارات محسوس بھی ہوجاتے ہیں، چنانچہ شیخ عبدالعزیز دباغ ، اُمی بھی تھے، اُمی بھی تھے؛ یعنی اَن پڑھ بھی تھے اور اندھے بھی تھے، ان کے سامنے قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھتا، تو بتادیتے ، حدیث مبارکہ پڑھتا، تو بتادیتے، کوئی کلام بشر ہوتا ، تو وہ بھی بتادیتے؛ تو لوگوں نے پوچھا حضرت !وہ کیسے؟ تو بتاتے کہ قرآنِ پاک کی آیات کا نور اور طرح کا ہے، احایثِ مبارکہ کا اور طرح کا ہے، اور عام بندے کے کلام میں کوئی نور ہی نہیں ہوتا؛ یعنی نور سے وہ پہچان لیتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ شیخ الحدیث محدث دہلویؒ کا دارالحدیث تھا، ایک مجذوب قریب سے گزرنے لگا، تو کہنے لگا، کہ کس نے یہاں یہ شمع جلائی ہوئی ہے؟ ایک سمجھدار تھا، اس نے کہا: کہ محدث دہلویؒ نے جلائی ہوئی ہے۔ نور نظر آیا اُن کو، تو احادیث مبارکہ جہاں پڑھی جاتی ہے، وہاں ایک نور کا نزول ہوتا ہے۔ یہ نبی کا کلام نور والا کلام ہے۔

اب حدیثِ پاک کو پڑھنے کا مقصد صرف الفاظ اور اس کا ترجمہ نہیں؛ بلکہ مقصود اس نورِ نبوت کو حاصل کرنا ہے، جو اس حدیثِ پاک کے اندر ہے۔ اور جب وہ نور مل جائے گا، تو اس حدیثِ پاک پہ عمل کرنا آسان ہوجائے گا، یہ اس کی پہچان ہے۔

اس نور کے بڑھنے کی نبی -علیہ السلام- دعاء فرماتے تھے، **اللهُمَّ اجْعَلْنِي فِي قَلْبِي نُوراً، وَعَنْ يَّمِيْنِي نُوراً، وَعَنْ شِمَالِي نُوراً، وَفِيْ بَدَنِي نُوراً** اخیر میں فرمایا **وَاجْعَلْنِي نُوراً** مجھے نور بنادے۔ (۲) اور یہی نور قیامت کے دن کام آئے گا۔ تو یہ علم کا نور آپ یہاں سے لے کر جائیں گے، تو تب جا کر اللہ کے بندوں میں دین کی دعوت کا کام چلے گا۔ تو مقصود یہ نور ہے۔

---

(۱) پ:۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۲۰۴ (۲) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، ۲/۹۳۴۸، رقم: ۶۰۷۱

یہ نور کیسے حاصل ہو؟

اگر آپ کسی برتن میں دودھ لینا چاہیں، تو دو شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ برتن صاف ہو، صاف نہیں ہوگا، تو دودھ والا دودھ نہیں ڈالے گا، کہے گا: لے جاؤ ناپاک برتن کو، میں نہیں دودھ ڈالتا۔ اور دوسرا برتن کا رُخ بھی ٹھیک ہو۔ ہم اگر نور حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو دل کے برتن کو صاف بھی کرنا پڑے گا۔ اور دل کے برتن کا رُخ بھی سیدھا کرنا پڑے گا، دل کے برتن کو صاف کرنا تو آسان کہ گناہوں سے سچی توبہ کرلیں، تو پھر دل کا برتن صاف ہوجائے گا۔ اور برتن کا رُخ سیدھا کرنے کا مطلب یہ کہ کلاس میں بیٹھیں، تو ہمہ تن گوش ہوکر بیٹھیں یہ نہ ہو کہ استاذ صاحب حدیث پڑھا رہے ہوں، اور آپ کو مراقبہ یاد آرہا ہو، – ویسے درس میں لمبا مراقبہ کرنے کو بڑا دل چاہتا ہے – تین صفتیں ہوں، تو اس کو فائدہ ہوگا (۱) قلب میں طلب ہو (۲) اور ہمہ تن گوش ہو (۳) اور حاضر باش ہو، ایسے ہوکر بیٹھیں اور گناہوں کے جو بد اثرات ہیں، ان سے توبہ کرکے بیٹھا کریں، تو پھر یہ نور آپ کے قلب میں آجائے گا، اور مقصود مل جائے گا۔

طلبہ کا مقام

طلبہ کا اللہ – رب العزت – کے ہاں بڑا مقام ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ – رحمۃ اللہ علیہ – جو حضرت مجدد الف ثانی – رحمۃ اللہ علیہ – کے پیر و مرشد ہیں، ان کی ایک بات ابھی ذہن میں آئی ہے، اس لیے وہ بھی آپ حضرات کی خدمت میں عرض کردیتا ہوں۔

ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہؒ کے سامنے ہی کسی مرید نے کہا، کہ "جی ہمارے شیخ تو ایسے ہیں، کہ جن کو اللہ نے ایسے ایسے مریدین عطا کئے اور یہ مقامات عطا کئے۔" اور حضرت اس پر خاموش رہے۔ اب اتنی خاموشی پر اللہ تعالی کی طرف سے ان کے اوپر آزمائش آگئی، **"حَسَنَاتُ الأَبْرَارِ سَيِّاٰتُ المُقَرَّبِيْنَ"** (۱) جی ہاں جب بڑوں کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا

(۱) أورده الغزالی فی "احیاء علوم الدین" بلفظ: **قال القائل الصادق** ۴/ ۴۹ وفی "رسالۃ القشیریۃ" بلفظ **قولهم** ص: ۴۱

ہے، تو پھر اللہ رب العزت کے ناز بھی زیادہ ہوتے ہیں، جی ہاں! یہ بھی خود پسندی میں شامل ہے کہ دوسرے نے تعریف کی اور آپ خاموش رہے، اسے روکا کیوں نہیں؟ چنانچہ آزمائش کے طور پر ان پر قبض کی کیفیت آگئی، سب کیفیات ختم ہوگئیں، جس کی وجہ سے آپ کئی دن روتے رہے، آپ نے اللہ رب العزت سے دعا مانگی کہ اے میرے مالک! میری کس غلطی کی وجہ سے یہ کیفیات بند ہوگئیں؟ آپ مجھ پر واضح فرمادیجئے، بالآخر آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ اس وجہ سے یہ کیفیت پیش آئی ہے، اور اب اس کا حل یہ ہے، کہ آپ کے قریب ایک مدرسے میں چھوٹے چھوٹے بچے اللہ کا قرآن پڑھتے ہیں، آپ جائیں اور ان طلبہ سے دعا کروائیں، ان کی دعا کی برکت سے وہ چیزیں پھر آپ کو نصیب ہوجائیں گی۔

چنانچہ آپ صبح اٹھے اور اس مدرسے میں گئے جب خواجہ باقی باللہ وہاں پہنچے، تو ادب کی وجہ سے استاذ بھی کھڑے ہو گئے، اور شاگرد بھی کھڑے ہو گئے، کہ خواجہ صاحب تشریف لائے ہیں، خواجہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمانے لگے: کہ آپ مجھے اللہ کا بڑا ولی سمجھ کر کھڑے ہورہے ہیں، اور میری حالت یہ ہے کہ مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ میں دعا کروانے کے لیے آپ حضرات کے پاس جاؤں، لہٰذا اللہ تعالی کے یہاں آپ حضرات کا بڑا مقام ہے اس کے بعد چھوٹے چھوٹے بچوں نے مل کر دعا کی اور اللہ رب العزت نے خواجہ باقی باللہؒ کو وہ کیفیات پھر واپس کردیں.... اللہ اکبر!

تو عزیز طلبہ! آج کی اس محفل میں ارادے کر لیجیے کہ ہمیں گناہوں سے پاک زندگیاں گزار کر، علم کے اس نور کو بھی حاصل کرنا ہے، قیامت کے دن یہی نور کام آئے گا؛ ورنہ کہیں میرے آقا یہ نہ کہدیں، تم میرے کیسے بیٹے تھے؟ تم تو میری روحانی اولاد تھے تم ہی میرے حکموں پر عمل کر لیتے، باقی لوگ چلو جاہل تھے، وہ دین کے علم سے محروم تھے، مگر تم تو قرآن پڑھنے والے تھے، حدیث پڑھنے والے تھے، تخصص میں پڑھتے

تھے، عالیہ میں پڑھتے تھے، دورۂ حدیث میں پڑھتے تھے، تم ہی میری اس حدیث کی قدر کر لیتے، تم ہی اس قرآن کی قدر کر لیتے، تم نے بھی میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی، میں تمہاری مغفرت کے لیے راتوں کو روتا تھا، تم دن میں دوڑ دوڑ کے گناہ کرتے تھے، تمہاری نگاہیں گناہوں کے لیے اٹھتی پھرتی تھیں، تم نے میری ان دعاؤں کی قدر نہ کی، تم نے علم حاصل کر کے میری یہ وراثت تو حاصل کر لی؛ مگر اس کو عملی جامہ نہ پہنایا، سوچیے کہ پھر قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا؟

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک مرتبہ دعا مانگی:

''اے اللہ! قیامت کے دن بخش دینا، اے اللہ! قیامت کے دن بخش دینا''

''اے اللہ! اگر آپ نے قیامت کے دن مجھے نہ بخشنا ہو، تو پھر مجھے اندھا کھڑا کر دینا، تا کہ مجھے نبی علیہ السلام کے سامنے شرمندگی نہ ہو''۔

سوچیے تو سہی کہ ہمارے اکابر تو ایسی دعائیں مانگا کرتے تھے، اس دن ہمیں بھی اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہوگا، جو لوگ نیکی پر عمل کرنے والے ہوں گے، تقوی پر عمل کرنے والے ہوں گے، قیامت کے دن وہی بخشے جائیں گے، پروردگار فرماتے ہیں:

يَومَ لَا يُخزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهُ (۱)

''اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ کو بھی اوران پر ایمان لے آئے ان کو بھی رسوا نہیں کرے گا''

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (۲)

''یہ ایمان کا نور ہوگا جو انہوں نے قرآن پڑھ کے حاصل کیا، حدیث پڑھ کے حاصل کیا، مجاہدے کر کے حاصل کیا، سارا سال مدارس کے اندر رہ کے سادگی سے زندگی گزاری، تقوی کی زندگی گزاری، اور پھر یہ نور، جوان کو ملے گا، یہ نور ایمان قیامت کے دن ان کے کام آئے گا۔

---

(۱) پ:۲۸، سورۃ التحریم، آیت:۸ (۲) پ:۲۸، سورۃ التحریم، آیت:۸

اگر یہ نور حاصل نہ ہوا...

آج اگر دنیا میں ہم نے اِس نور کو حاصل نہ کیا، تو قیامت کے دن بھی ہمیں بینائی نہیں ملے گی۔ قرآن مجید کی آیت سن لیجیے!

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا (۱)

جو دنیا میں اندھا بن کر زندگی گزارتا رہا، قیامت کے دن بھی اندھا ہوگا۔

اور وہ پوچھے گا: **رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا** (۲)

اللہ! مجھے کیوں اندھا کھڑا کیا گیا، میں دنیا میں تو آنکھوں والا تھا؟

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (۳)

تمہارے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تم نے ان کو بھلا دیا تھا، آج ہم نے تمہیں بھلا دیا۔

آج اگر باطن کی آنکھیں کھلی ہوں گی، تو کل قیامت کے دن کھلی آنکھوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور آج اگر من کی آنکھیں بند رہیں، تو کل قیامت کے دن بند آنکھوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ پھر سوچیے کہ کتنا بڑا نقصان ہوگا! اگر قیامت کے دن بھی اندھے کھڑے کیے گئے، تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وہاں بھی زیارت نہ کرسکیں گے؟ دنیا میں ہم تو ایسے وقت میں پیدا ہوئے ہیں، کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرنے سے محروم ہیں، ہمارے پاس تو ایک ہی آپشن ہے، کہ دنیا میں ہم اللہ سے یہ نورِ باطن مانگیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمیں اندھا کھڑا نہ کریں۔

بڑا دل چاہتا ہے کہ ہم......

اس چہرے کو دیکھیں، جسے آپ نے **والضحی** کہا،

ان زلفوں کو دیکھیں جنہیں آپ نے **واللیل** فرمایا،

---

(۱) پ:۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۷۲ (۲) پ:۱۶ سورہ طہ، آیت:۱۲۵ (۳) پ:۱۶، سورہ طہ، آیت:۱۲۶

اللہ! وہ اوپر آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور آپ فرماتے تھے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ(۱)

اے میرے محبوب! آپ آسمان کی طرف دیکھتے تھے، ہم آپ کے چہرے کو محبت کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دل بہت چاہتا ہے کہ قیامت کے دن ان کا دیدار کریں؛ لیکن دیدار تو تب کریں، جب قیامت کے دن دل کی آنکھیں ملیں۔ اور وہ آنکھیں دنیا کے نورِ باطن پر ملیں گی۔ یہ نور تب ملے گا اگر ہم اسی دنیا میں محنت کریں گے

اللہ رب العزت ہمیں قیامت کے دن رسوائی سے محفوظ فرمالے اور علم کے نور سے ہمارے دلوں کو منور فرمادے (آمین)۔

---

(۱) پ:۲، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۴۴

حصولِ علم میں گناہ رکاوٹ ہیں

مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ(۱) ''جس نے بھی برائی کی، اُس کو اس کی سزا ملے گی۔''

یہاں یہ قرآنی اصول سمجھنے کی ضرورت ہے، کہ جس نے بھی گناہ کیا، اس گناہ کا وبال اُس پر ضرور آئے گا۔ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے کہ طالب علموں کو چھوڑ دیا جائے گا، یا علماء کو چھوڑ دیا جائے گا، یا صوفیوں کو چھوڑ دیا جائے گا؛ نہیں، ضرور اثرات پڑیں گے۔

برف ہو، اور ٹھنڈی نہ لگے، آگ ہو اور گرم نہ لگے، گناہ ہو، اس کے برے اثرات نہ ہوں؛ یہ کیسے ممکن ہے؟

یاد رکھیں کہ گناہوں کی سزا ضرور ملتی ہے، خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو، بعض اوقات تو واقعی ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے کن کن نعمتوں سے محروم ہو رہے ہیں، گناہوں کے کیا کیا برے اثرات ہوتے ہیں؟ اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) گناہوں کی وجہ سے انسان کی قوتِ حافظہ کم ہو جاتی ہے۔ اکثر طالب علم یہی شکایت کرتے ہیں، حضرت! ''مجھے باتیں یاد نہیں رہتیں، مطالعہ کرتا ہوں، تو بھول جاتا ہوں۔'' دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ، گناہوں سے بچنے کی وجہ سے انسان کی قوتِ حافظہ اچھی ہوتی ہے؛ لہٰذا جو طلبہ پوچھتے ہیں کہ حضرت! قوتِ حافظہ اچھی ہونے کا کوئی

---

(۱) پ: ۵، سورۃ النساء، آیت: ۱۲۳

وظیفہ بتائیں، وہ سُن لیں کہ قوتِ حافظہ بڑھانے کا سب سے بڑا وظیفہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچ جایئے،قوتِ حافظہ میں خود بخود اضافہ ہوجائے گا۔

دیکھیں کہ ایسا تونہیں کہ بدنظری کی وجہ سے،غیبت کی وجہ سے،بدگمانیوں کی وجہ سے،بے ادبیوں کی وجہ سے،دل دکھانے کی وجہ سے؛اللہ تعالی نے علم کی یادداشت والی نعمت سے محروم نہ کردیا ہو۔

یادرکھیں کہ جیسے معتکف کو ہر وقت ثواب مِل رہا ہوتا ہے،اسی طرح مدرسے میں رہتے ہوئے طالب علم کو بھی ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے،کھانے پر بھی ثواب،سونے پر بھی ثواب، لیٹنے پر بھی ثواب، پڑھنے پر بھی ثواب؛حتی کہ ہر ہر عمل پر طالب علم کو ثواب مل رہا ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے؛اس لیے طالب علموں کو چاہیے کہ وہ گناہوں سے بچیں؛ورنہ گناہوں کا وبال ضرور آئے گا۔

(۲)انسان گناہوں کی وجہ سے جسمانی قوت کی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے،مثلاً وہ آکر کہتا ہے: کہ حضرت!میں کمزور ہوگیا ہوں،نظر بھی کمزور ہوگئی ہے،اٹھتا ہوں،تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے،ہاضمہ خراب ہوگیا ہے،وضو قائم نہیں رہتا؛ایسے حضرات کو چاہیے کہ وہ مَن چاہی زندگی کو چھوڑ کر،رب چاہی زندگی کو اختیار کریں اور لوہے کا لنگوٹ کَس کر باندھ لیں-انشاء اللہ-اللہ تعالی مہربانی فرمادیں گے اور اُن کی یہ پریشانیاں ختم ہوجائیں گی۔

(۳) نبی-علیہ الصلاۃ والسلام-نے ارشاد فرمایا:''اگر تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیزگاری کا معاملہ کروگے،توتمہاری اپنی عورتوں کے ساتھ بھی پرہیزگاری کا معاملہ کیا جائے گا''[1] اگر ہم اپنی نظریں ادھر اُدھر کرتے پھریں گے،تو کیا ہماری مائیں،بہنیں اور بیٹیاں دوسروں کی ہَوَس بھری نظروں سے محفوظ رہیں گی؟۔

(۱) مستدرک للحاکم،کتاب البر والصلۃ ۴/۱۷۰رقم:۷۲۵۸

(۴) گناہوں کی وجہ سے انسان مناجات کی لذت سے محروم ہوجاتا ہے، بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا، اس سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا، ایک مرتبہ وہ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگا: ''اے اللہ! میں نے تو آپ کی نافرمانی کی ؛مگر آپ نے مجھ پر اپنی نعمتیں برقرار رکھیں، یہ تیرا کتنا بڑا احسان ہے۔'' اللہ تعالی نے اس کے دل میں بات ڈالی کہ تمھیں اس کی سزا مِل رہی ہے؛ مگر چوں کہ تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں؛ اس لیے تمھیں وہ سزا نظر نہیں آرہی ہے۔ اس نے فوراً دعا مانگی کہ اے اللہ! آپ واضح فرمادیجیے کہ مجھے گناہوں کی سزا کیسے مِل رہی ہے؟ اللہ رب العزت نے دل میں بات ڈالی کہ ''کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ جب سے تم نے یہ گناہ شروع کیا ہے، ہم نے اُسی دن سے تمھیں اپنی مناجات کی لذت سے محروم کردیا ہے؟''۔

(٦) اللہ تعالی گناہوں کی وجہ سے انسان کو تکبیرِ اولی کی پابندی سے محروم کردیتے ہیں ہم سے سنتیں چھوٹ رہی ہوتی ہیں، اور ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کتنی بڑی نعمت سے محروم ہورہے ہوتے ہیں۔

(۷) گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دل میں گناہ کا گھناؤنا پن کم ہوجاتا ہے۔ مؤمن مرد گناہ کو ایسا سمجھتا ہے، جیسے سر پر پہاڑ آگیا ہو، جو ابھی آکر گرے گا، اور فاسق سمجھتا ہے کہ مکھی بیٹھی تھی، اُڑادی۔ (۱) اب اگر طالب علم کی بھی یہی حالت ہو، کہ اُسے گناہ مکھی کی مانند ہلکا نظر آئے، تو یہ کتنی بڑی نعمت سے محرومی ہے؟

(۹) گناہوں کی وجہ سے علوم و معارف سمجھنے کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔

(۱۰) گناہوں کی کثرت کی وجہ سے علم پر عمل کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔

(۱۱) گناہوں کی وجہ سے علم کا فیض جاری نہیں ہوتا، اور انسان اَبتَر یعنی روحانی طور

---

(۱) (حدیث) احیاء علوم الدین ۴ / ۳۲

پر لا ولد بن جاتا ہے۔

(۱۲) گناہوں کی وجہ سے انسان کی بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج واعظ خوش اِلحان تو مل جاتے ہیں؛ مگر اُن کی باتیں سر سے گزر جاتی ہیں۔

عزیز طلباء! یاد رکھیں کہ کبھی کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھیں، حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: کہ ''اے دوست! گناہ کرتے ہوئے یہ نہ دیکھ کہ چھوٹا ہے یا بڑا؛ بلکہ اس پروردگار کی عظمت کو دیکھ جس کی تو نافرمانی کر رہا ہے''۔

کبھی کسی نے چھوٹے بچھو کو اس لیے ہاتھ نہیں لگایا، کہ یہ چھوٹا ہے، کبھی کسی نے چھوٹے سانپ کو اس لیے ہاتھ نہیں لگایا کہ یہ چھوٹا ہے، اور نہ ہی کبھی کسی نے چھوٹے انگارے کو ہاتھ لگایا ہے کہ چھوٹا ہے۔ بچھو، سانپ اور انگارے کا نقصان پھر بھی کم ہوتا ہے، اور گناہ کا وبال اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

دلوں پر تالے کیوں لگے ہوئے ہیں؟!!!

میری یہ باتیں سادی سی ہیں؛ مگر ثوابی بھی ہیں؛ لہٰذا ان کو خوب سمجھنے کی کوشش کریں، یہ آپ کو فائدہ دیں گی۔ جو کتابیں آج طالب علم پڑھتے ہیں، ہو بہو یہی کتابیں ہمارے اکابر نے بھی پڑھیں، حضرت نانوتوی -رحمۃ اللہ علیہ- نے یہی ''صحاحِ ستہ'' پڑھیں، اُس وقت کی ''صحاحِ ستّہ'' کوئی جدا نہیں تھیں، اِسی قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، ان کے پاس کوئی علیحدہ انوکھا قرآن نہیں تھا۔ جو احادیث آج دورۂ حدیث کا طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے، اُن حضرات نے بھی یہی کچھ پڑھا، جب سب کتابیں ایک جیسی ہیں تو پھر:

.... ہر طالب علم، قاسم نانوتوی کیوں نہیں بنتا؟

.... ہر طالب علم انور شاہ کشمیری کیوں نہیں بنتا؟

.... ہر طالب علم، شیخ الہند کیوں نہیں بنتا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابیں تو انہوں نے بھی یہی پڑھیں؛ مگر انہوں نے کتابوں

کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچ کر تقوی والی زندگی گزاری، اور ان علوم کے انوارات اپنے سینوں میں بھر لیے، یوں اُن کے سینے اللہ تعالی کی معرفت کے خزینے بن گئے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج طلباء کے دلوں پر تالے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ دلوں میں محبت الٰہی کی کیفیات کیوں نہیں آتیں؟ حالاں کہ انہوں نے گھر چھوڑا، دیس چھوڑا، وطن چھوڑا، عزیز واقارب چھوڑے، اور سارا دن قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں، اگر اب بھی ان کے دلوں میں معرفت کی لذت نہیں آتی، تو پھر کب آئے گی؟ اور اگر نہیں آتی تو کیوں نہیں آتی؟ جواب یہ ہے کہ وہ سارا دن اپنے دل میں قرآن وحدیث کا نور اکٹھا کرتے ہیں، اور عصر سے مغرب تک کے وقفے میں بازاروں میں نکل جاتے ہیں، وہاں بدنظری کے مرتکب ہوکر اور ہنسی مذاق کی اُلٹی سیدھی باتیں کرکے، اس نور پر جھاڑو پھیر دیتے ہیں۔کوئی مسجد سے پانچ گھنٹے مراقبہ، ذکر وفکر کرکے آئے، اور ایک نظر بے پردہ عورتوں پر ڈال لے، تو اس کی سب کیفیات ختم ہوجائیں گی۔

آپ حصولِ علم کی غرض سے یہاں اساتذہ کے قدموں میں پہنچ چکے ہیں، آپ اپنے اس آنے کی قدر کریں، اور ہر قسم کے گناہوں سے بچیں۔

علم کی حیثیت اگر چراغ کی سی ہے، تو گناہ کی حیثیت ہوا کے تھپیڑوں کی سی ہے۔ اگر ہوا کے تھپیڑے لگتے رہیں گے، تو کب تک چراغ جلے گا؟ بالآخر بجھ جائے گا۔

یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ جب تک ہم اپنے دل سے گناہوں کا میل کچیل نہیں اُتاریں گے، اُس وقت تک ہمیں اللہ -رب العزت- کا وصل نصیب نہیں ہوسکے گا۔

خوفِ خدا ہو، تو ایسا......!!!

آج ہم گناہ کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن ہمیں گناہ کا موقع نہیں ملتا؛ اس لیے گناہ نہیں کرتے، جب کہ ہمارے اسلاف ایسے متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے، کہ ان کو اگر گناہ کا موقع بھی ملتا تھا، تو وہ خوفِ خدا کی وجہ سے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، مثال کے طور پر:.....

ایک تابعیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ اُن کو عیسائی بادشاہ نے قید کروادیا، وہ چاہتا تھا کہ اُن کو قتل کروادے؛ مگر اس کے وزیر نے کہا: کہ نہیں، اس کے اندر بہادری اتنی ہے کہ اگر یہ ہمارے مذہب پر آجائے، تو یہ ہماری فوج کا کمانڈر انچیف بنے گا، ایسا بندہ آپ کو کہاں سے مل سکے گا؟ اس نے کہا: اچھا، میں اس کو اپنے مذہب پر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کو لالچ دوں گا، چنانچہ اس نے اُن کو لالچ دیا کہ ہم تجھے سلطنت دیں گے تم ہمارا مذہب قبول کرلو؛ مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ جب انہوں نے کوئی توجہ ہی نہ دی، تو وہ پریشانی کے عالم میں بیٹھا سوچ رہا تھا، اِس دوران اُس کی نوجوان بیٹی نے پوچھا: اباجان! آپ پریشان کیوں بیٹھے ہیں؟ اُس نے کہا: بیٹی! یہ معاملہ ہے، وہ کہنے لگی: اباجان! آپ مجھے اجازت دیں، تو میں اس کو راستہ پر لاتی ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے اُنہیں ایک کمرے میں بند کروادیا، اور اس لڑکی سے کہا کہ تم اسے راستے پر لے آؤ۔ اب وہ لڑکی اُن کے لیے کھانا لاتی اور بن سنور کر سامنے آتی، اس کا یہ سب کچھ کرنے کا مقصد انہیں اپنی طرف مائل کرنا تھا، وہ لڑکی اس طرح چالیس دن تک کوشش کرتی رہی؛ مگر انہوں نے اُسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد وہ اُن سے کہنے لگی کہ آپ کیسے انسان ہیں، دنیا کا ہر مرد عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور میں اس قدر خوبصورت ہوں کہ ہزاروں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں، اور میں روزانہ تمہارے لیے بن سنور کر آتی رہی؛ مگر تم نے تو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اس کی

کیا وجہ ہے؟ تو مرد نہیں ہے، یا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ میرے پروردگار نے غیر عورت کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے؛ اس لیے میں نے آپ کی طرف توجہ نہیں کی، اس لڑکی نے کہا: جب تمہیں پروردگار کے ساتھ اتنی محبت ہے، تو پھر ہمیں بھی کچھ تعلیمات دو؛ چنانچہ انہوں نے اس لڑکی کو دین کی باتیں سکھانی شروع کردیں، ''شکار کرنے کو آئے، شکار ہو کے چلے'' بالآخر وہ لڑکی اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ وہ کلمہ پڑھ کر کہنے لگی: کہ اب میں مسلمان ہوں؛ لہٰذا اب میں یہاں نہیں رہوں گی، بعد میں اس نے خود ہی ایک ترکیب بتائی، جس کی وجہ سے ان تابعی -رحمۃ اللہ علیہ- کو بھی قید سے نجات مِل گئ، وہ لڑکی خود بھی محلات کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ چلی گئی۔ اللہ اکبر!۔

حیرت کی بات ہے، کہ ایک جوان لڑکی اُن کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے چالیس دن تک تنہائی میں کوشش کرتی رہی؛ مگر انہوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ یا اللہ! ہمیں تو حیرانی ہوتی ہے، فرشتوں کو بھی تعجب ہوتا ہوگا۔

*....دہلی کے طالب علم کا واقعہ پہلے اس عاجز سے سنا ہوگا کہ اس کے سامنے گناہ کا موقع تھا؛ مگر وہ آگ میں اپنی انگلی ڈال کر یاد دلا رہا تھا، کہ تم دنیا کی اس آگ کی گرمی نہیں برداشت کرسکتے، کل قیامت کے دن کی گرمی کیسے برداشت کروگے؟

*....سلمان بن یسار -رحمۃ اللہ علیہ- کو ایک عورت نے گناہ کی دعوت دی، اور انہوں نے جواب میں فرمایا: کہ

إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ

میں اللہ سے ڈرتا ہوں

خواب میں یوسف -علیہ السلام- نے فرمایا: میں تو اس لیے بچ گیا، کہ اللہ کا نبی تھا؛ مگر خوشی اس بات کی ہے کہ تم نے ولی ہو کر وہ کام کیا، جو اللہ کا نبی کیا کرتا ہے۔

یہ کس لیے تھا؟ اس لیے کہ اُن کا تزکیہ ہوچکا تھا، اور نفس کے اندر سے گندگی نکل چکی

تھی؛ مگر آج نوجوانوں کی حالت ایسی ہے کہ وہ گناہ اس لیے نہیں کر پاتے کہ کوئی گناہ کے لیے تیار نہیں ہوتا؛ ورنہ اگر کوئی گناہ کا اشارہ کردے، تو گناہ کے لیے ابھی تیار ہو جائیں۔

آج کل تو گناہوں کا ارتکاب کرنا اتنا معمولی سا نظر آتا ہے جیسے کسی تنکے کو توڑ دینا، حیرت کی بات ہے، کہ اگر دو چار سال کا بچہ بھی پاس ہو، تو کوئی نوجوان فحش حرکات نہیں کرے؛ لیکن جب محسوس کرے گا کہ تنہا ہوں، تو معلوم نہیں کیا کیا حرکات کرنے لگ جائے گا۔ اللہ-رب العزت- نے اپنے ایک پیارے بندے کی طرف الہام فرمایا کہ:

''اے میرے پیارے! لوگوں سے کہہ دو کہ جب تم گناہ کرنے لگتے ہو، تو تم ان تمام دروازوں کو تو بند کر لیتے ہو، جن دروازوں سے مخلوق دیکھتی ہے، اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے، جہاں سے میں پروردگار دیکھتا ہوں، کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجہ کا تم مجھے سمجھتے ہو؟''

عزیز طلباء! اللہ کے حضور دعا مانگا کریں کہ اے اللہ! ہمیں گناہوں کے موقع سے بھی بچالیجیے۔

غمِ حیات کے سایے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحاں کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

عزیز طلباء! جب ہم اللہ-رب العزت- کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے، تو رب کریم ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، اور آئندہ گناہوں سے ہماری حفاظت بھی فرمادیں گے، پھر دیکھنا کہ سینے میں علم کی معرفت کی ایسی شمع جلے گی، کہ اللہ-رب العزت- اس کے نور سے پوری دنیا کو منور فرمادیں گے۔ ہمارے حضرت -رحمۃ اللہ علیہ- فرمایا کرتے تھے: کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں، جو گناہوں سے توبہ کر کے اپنے من میں اللہ -رب العزت- کی محبت کو اتار چکے ہوتے ہیں، وہ ایسے نشان بن جاتے ہیں کہ اللہ تعالی ان

کو پوری دنیا کے انسانوں کو دکھانے کے لیے قبول کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا کے ملکوں کو محلے بنا دیتے ہیں، پھر وہ پوری دنیا میں پھرتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے انسانوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ان کو دیکھو! انہوں نے دل سے ما سِوا کو کیسے نکالا؟ اور یہ کیسے میرے بنے؟

آج اس وقت گناہوں سے سو فیصد بچنے والی قدسی ہستیاں بہت کم ہیں، اللہ کرے کہ ہم کوشش کرنے والے بن جائیں۔

حالِ دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ مِلا
بُت کے بندے تو مِلے، اللہ کا بندہ نہ ملا

یاد رکھیے! یا تو دنیا میں ہی ان گناہوں پر شرمندہ ہو لیں، یہ آسان کام ہے، وگرنہ قیامت کے دن تو شرمندہ ہونا ہی پڑے گا۔ تاہم پروردگارِ عالم بھی بڑے کریم ہیں کہ جب کوئی بندہ اپنے گناہوں پر رو پڑتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ سے بری فرما دیتے ہیں۔

محترم جماعت! آج بندوں کے سامنے روئیں گے؛ مگر کل پروردگار کے سامنے رونا پڑے گا، کل نبی اکرم-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے سامنے شرمندہ ہو کر رونا پڑے گا، آقا-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے سامنے گناہ کھولے جائیں گے، تو سوچیں کہ کیا منہ دکھائیں گے؟ نبی اکرم-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کیا کہیں گے، کہ میرے بعد میں آنے والے کیسے نام لیوا تھے؟ یہ کیسے میرے راستے پر چلنے والے تھے؟ جو گناہ بھی کرتے تھے، اور شرمندہ بھی نہ ہوتے تھے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ کے سامنے رسوا اور شرمندہ نہ فرمائے، اور نبی اکرم-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے سامنے ہم کہیں رسوائی کا سبب نہ بن جائیں۔

آج کی یہ مجلس باطنی غسل کی مجلس ہے، جیسے بندہ نہا لیتا ہے، تو پسینہ، میل ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان جب توبہ کرتا ہے، تو گناہوں کا تمام میل کچیل ختم ہو جاتا ہے، بس

اتنا یاد رکھیں! آج کی اس مجلس میں ہم نے تمام گناہوں سے سچی توبہ کرنی ہے۔
ذہن میں رکھیں کہ، ہم اکیلے توبہ کرتے، تو شاید قبول ہوتی نہ ہوتی؛ لیکن جب ہم مل کر توبہ کریں گے، تو ایک کی بھی توبہ قبول ہوگئی تو جماعت میں سب کی توبہ قبول ہوجائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا، **وَعْظًا بَلِيغًا** مجلس میں ایک صحابی تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور وہ آہیں بھر کر رونے لگے نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے بیان کے بعد فرمایا: کہ اس شخص کی توبہ کی وجہ سے اللہ نے محفل کے سب بندوں کے گناہوں کو معاف فرمادیا۔

اللہ کی رحمت کا حال دیکھیے! کہ جن لوگوں نے یہ کہا: **إِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ** (۱) کچھ لوگ ایسے تھے کہ جن لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو شہید کیا، ان کو آگ میں ڈال دیا؛ اللہ ان کے بارے میں بھی فرماتے ہیں: کہ یہ بھی اگر توبہ کر لیتے، تو میں ان کی توبہ کو قبول کر لیتا۔
ہمارے گناہ یقیناً اللہ کے ہاں قابل معافی ہیں، تو ہمیں بھی آج اللہ کے ہاں نفسانی، شہوانی، شیطانی تمام گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔

آج کی اس مجلس میں اس رب کو منائے بغیر ہم نہیں اٹھیں گے، ہم ایسے ہی گمان کریں کہ آج بچہ اپنی ماں کی گود میں پہنچ گیا، اپنی ماں کو منانا چاہتا ہے، لہذا اللہ سے گناہوں کی معافی اس طرح سے مانگیے۔ اے کریم آقا! ہمیں گناہوں سے محفوظ فرمالیجیے، میرے مولا! رد نہ کیجیے بڑی امیدیں لے کر آئے ہیں، دل میں بڑی چاہتیں لے کر آئے ہیں۔

میرے مولا! اگر سو بندوں کا قاتل نیکوں کی بستی میں چل کر جاتا ہے، راستے

(۱) پ:٦، سورۃ المائدۃ، آیت: ۷۳

میں موت آتی ہے، آپ بخشش کر دیتے ہیں، اللہ! ہم بھی اس امید پر آئے ہیں کہ یہاں نیک بندے اکٹھے ہوں گے، اللہ اس مجلس کی برکت سے ہمارے بھی گناہوں کو معاف کر دیجیے اور اللہ! ہمیں خالی نہ لوٹائیے۔

یکسوئی کے ساتھ علم میں انہماک اور استغراق

اللہ -رب العزت- کے یہاں اہلِ علم کی بڑی شان ہے، ایک حدیث پاک میں آیا ہے: روزِ محشر ایک عالم اور شہید پل صراط کے اوپر سے گزرنے لگیں گے، اس دوران شہید سے کہا جائے گا: کہ **اُدْخُلُوْ الْجَنَّةَ** جنت میں داخل ہوجا، تیرا گھر تیرے انتظار میں ہے؛ لیکن جب عالم گزرنے لگے گا، تو اس سے کہا جائے گا:

قِفْ هٰهُنا، وَاشْفَعْ لِمَنْ أَحْبَبْتَ

''تو ادھر کھڑا ہوجا، اور تو شفاعت کر جس کی تو چاہتا ہے''

حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

فَقَامَ مَقَامَ الأَنْبِيَاء

''وہ اس وقت انبیاء کے مقام پر کھڑا ہوگا۔''[1]

جس طرح انبیاء نے اللہ کے بندوں کی شفاعت کی ہوگی، عالم باعمل بھی اسی طرح اللہ کے بندوں کی شفاعت کرے گا۔

فرمایا گیا: **اَلْعِلْمُ نُوْرٌ** ''علم ایک روشنی ہے''[2] اور یہ بات ذہن میں رکھیے کہ علم کی روشنی، سورج کی روشنی سے زیادہ افضل ہوتی ہے؛ کیوں کہ سورج تو صرف دن کو روشنی دیتا ہے؛ لیکن علم کا سورج دن کو بھی چمکتا ہے، اور رات کو بھی چمکتا ہے؛ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۱) کنز العمال، ۱۰/۵۹، رقم: ۲۸۶۸۴ (۲) تلبیسِ ابلیس مع ترجمہ اردو تجنیس تدلیس ص: ۴۴۹ یہ حدیث نہیں ہے۔

جن دنوں تحریکِ آزادی کے لیے کوششیں کررہے تھے، اُن دنوں آپ کبھی رات کے ایک بجے جلسے سے فارغ ہوکر واپس دارالعلوم آتے اور کبھی دو بجے آتے؛ اس لیے طلبہ نے دارالعلوم کے دربان کو کہا ہوا تھا: کہ جب بھی حضرت تشریف لاتے ہیں، وضو کر کے تہجد کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں، جیسے ہی وضو کر کے نماز پڑھیں، تو آپ ہمیں جگا دینا۔ جب حضرت سلام پھیرتے، تو حدیث کے طلبہ اپنی کتابیں لے کر حضرت کے پیچھے بیٹھ چکے ہوتے۔ رات کو دو بجے درسِ حدیث ہوتا تھا، اس وقت کے طلبہ میں علم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا!! کتابوں میں لکھا ہے، کہ حضرت مدنیؒ کے چہرے پر ایسا نور تھا کہ جب حضرت اوابین یا تہجد پڑھتے، تو طلبہ ستونوں یا دیواروں کے پیچھے سے حضرت کے چہرے کو دیکھتے رہتے تھے، یوں اللہ تعالیٰ اُن کے چہروں پر انوارات کی بارش برسایا کرتے تھے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم علم حاصل کرنے میں تن من دَھن کی بازی لگادیں۔ یاد رکھیے! کہ سچا پکا طالب علم وہ ہوتا ہے، ''جو مدرسے کو اپنا وطن سمجھے اور کتاب کے کاغذ کو اپنا کفن سمجھے'' دن رات اس کی یہی فکر ہو کہ میں کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ کیسے حاصل کرسکتا ہوں؟

علم حاصل کرنے کا شوق اس طرح ہونا چاہیے کہ انسان کو نیند سے زیادہ، علم حاصل کرنے میں مزہ آئے، انسان مطالعہ کرے، تو ڈوب جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا علمی انہماک

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عمر کا آخری زمانہ تھا، ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے درس قرآن کے دوران پانی مانگا، ایک طالب علم بھاگ کر اُن کے گھر گیا، اور کہاں کہ شاہ صاحب نے پانی مانگا ہے۔ جب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سنا، تو انہوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگے: ''افسوس! میرے خاندان سے علم کا نور اٹھالیا گیا!!'' بیوی نے کہا: جی آپ اتنی جلدی فیصلہ نہ کریں، میں ابھی صورتِ حال معلوم کرلیتی

ہوں؛ چنانچہ انہوں نے گلاس میں پانی ڈالا اور اس میں سرکہ ملا دیا۔سرکہ کڑوا ہوتا ہے، اور پینے میں عجیب ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔وہ طالب علم جب سرکہ ملا ہوا پانی لے گیا،تو شاہ عبدالعزیز نے وہ پانی لے کر پی لیا اور درس قرآن دیتے رہے، جب درس قرآن سے فارغ ہوکر گھر آئے ،تو والدہ نے پوچھا، بیٹا !تم نے پانی پی لیا تھا؟ عرض کیا، جی پی لیا تھا۔والدہ نے پوچھا،وہ پانی کیسا تھا؟ عرض کیا،امی ! مجھے یہ تو پتہ نہیں کہ کیسا تھا۔اب انہوں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے عرض کیا کہ دیکھیے عبدالعزیز کو پانی کی اتنی شدید پیاس تھی کہ پانی میں سرکہ کا پتہ نہیں چلا،اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بے ادبی کی وجہ سے نہیں پیا، بلکہ اپنی ضرورت کی وجہ سے پیا جو عین جائز تھا،ورنہ تو درس بھی نہ دے پاتے،اس لیے ہمارے خاندان سے ابھی ادب رخصت نہیں ہوا۔یہ سن کر شاہ ولی اللہؒ نے اطمینان کا سانس لیا اور دعا کی،اے اللہ! میرے خاندان میں علم وادب کو ہمیشہ باقی رکھنا۔

ہمارے طلبہ کی حالت

آج جب ہمارے طلبہ مطالعہ کرتے ہیں،تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے؟ اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کتاب اُن کے سامنے ہوتی ہے،اور دل ودماغ کہیں اور ہوتے ہیں بقولِ شاعر ؂

کتاب کھول کے بیٹھوں، تو آنکھ روتی ہے
ورق، ورق، ترا چہرا دکھائی دیتا ہے

اِن کو کتابوں کے ورق میں بھی کسی کا چہرہ نظر آتا ہے،یہی وجہ ہے کہ طلبہ آکر پوچھتے ہیں کہ حضرت! کیا کریں جب کتاب کھول کر بیٹھتے ہیں،تو ہمیں لفظوں کی بجائے کتاب میں تصویر نظر آرہی ہوتی ہے۔

یاد رکھیں! کہ دماغ میں پیدا ہونے والے ایسے خیالات کی وجہ سے بھی انسان کو سزا ملے گی؛اسی لیے قرآن مجید میں جو مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں،ان میں سے

ایک سزا یہ بھی ہے کہ جہنمیوں کے سروں پر اللہ کے فرشتے اُبلتا ہوا پانی ڈالیں گے؛ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِيْمِ

’’ڈالا جائے گا، اُن کے سروں پر کھولتا ہوا پانی‘‘(۱)

سر پر گرم پانی اس لیے ڈالیں گے اس دماغ کے اندر نفسانی، شیطانی اور شہوانی خیالات کا ہجوم رہتا تھا، اور یہ بندہ اِن خیالات کو ذہن میں جماتا تھا، **اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ**

جیسے کوئی آدمی راستہ چلتے ہوئے دوسروں کو سلام کرتا ہے، اسی طرح طلبہ مطالعہ کے دوران کتاب کے الفاظ سے سلام کرتے ہوئے گزر رہے ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ مطالعہ ہو گیا ہے۔ اگر ہم اس طرح مطالعہ کریں گے، تو ہمیں پھر علم کا کتنا نور ملے گا؟ حالاں کہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کتابوں سے علم حاصل کیا جائے، اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی گزاری جائے۔

عزیز طلباء! یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کیجیے، جب جماعت میں بیٹھیں، تو ہمہ تن متوجہ ہو کر بات سنیں، کلاس میں استاذ پڑھا رہے ہوتے ہیں، اور وہ کُھلی آنکھ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک نئی چیز ہے کہ آنکھ کُھلی ہوتی ہیں، اور دماغ سویا ہوا ہوتا ہے، یہ آج کل کے زمانے کے نئے طلبہ کی نئی تحقیق ہے۔ وہ استاذ کو بالکل پتہ نہیں چلنے دیتے کہ وہ سو رہے ہیں یا نہیں؟ لیکن وقت چلا جاتا ہے۔

عزیز طلباء! یہ حقیقت میں نفس اور شیطان ہیں، جو ہمیں علم سے محروم کرنا چاہتے ہیں، وقت کی قدر کریں۔ یاد رکھیں! کہ زندگی کا یہ وقت جو آپ کو مِلا ہوا ہے، یہ زندگی میں دوبارہ آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔ جب اس طرح ڈوب کر کتاب پڑھیں گے، تو پھر علوم و معارف کے موتی سامنے آئیں گے، اور انسان کو صحیح معنوں میں علم کا نور ملے گا؛ اس لیے

---

(۱) پ: سورۃ الحج، آیت: ۱۹

ہمیں چاہیے کہ ہم شوق و ذوق کے ساتھ علم حاصل کریں، ہمیں صبح و شام یہی فکر ہو اِدھر اُدھر کے خیالات کو ذہن میں ہرگز نہ لائیں۔

عظمتیں پانے والے کیسے تھے؟....

❊ ....شاہ عبدالقادر رائپوریؒ نے اپنے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں جب دورانِ سال میرے عزیز و اقارب کے خطوط آتے تھے، تو میں ڈر کے مارے وہ خط ہی نہیں پڑھا کرتا تھا؛ بلکہ اُن کو مٹکے میں رکھ دیتا تھا۔ اگر کوئی خوشی کی خبر ہوگی، تو گھر جانے کو دل کرے گا، اور اگر کوئی غم کی خبر ہوگی، تو پڑھائی میں دل نہیں لگے گا، جس کی وجہ سے میں علم سے محروم ہو جاؤں گا۔ میں وہ خطوط جمع کرتا رہتا تھا، اور سال کے آخر میں، جب میں شعبان کے شروع میں، اپنے دارالعلوم کا امتحان دے کر فارغ ہو جاتا، تو فارغ ہونے والے دن میں سارے خطوط نکالتا، اُنہیں پڑھتا اور اُن کی فہرست بناتا، خوشی کی خبر والے خطوط کی علیحدہ فہرست، اور غمی کی خبر والے خطوط کی علیحدہ فہرست بناتا، پھر میں اپنے گاؤں آتا، خوشی کی خبر والوں کو میں مبارک باد دیتا، اور جن کو غم ملا ہوتا تھا، ان کے سامنے تسلی و تشفی کے چند الفاظ کہہ دیتا تھا، اس طرح لوگ مجھ سے خوش ہو جاتے، کہ اِس نے سارا سال ہماری بات یاد رکھی؛ لیکن اُن کیا پتہ کہ میں نے اُن کا خط ہی اس وقت پڑھا ہوتا تھا۔

❊ ....حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے تھے: کہ طالبِ علمی کے دنوں میں ایک دفعہ میرا اپنا جوتا کسی نے اٹھالیا، تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی؛ کیوں کہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا، اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے تھے، وہاں رکھ دیئے جاتے تھے، جو ابھی تک دستور چلا آرہا ہے، بیت الخلاء کے لیے وہی پرانے جوتے استعمال کر لیتا تھا، مجھے کسی بھی اور ضرورت کے واسطے مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا اور نہ ہی جوتے کی ضرورت ہوئی۔

تو جن حضرات نے دنیا میں عظمتیں پائیں، انہوں نے علم حاصل کرنے میں ایسی یکسوئی دکھائی؛ مگر آج کے طالب علم کو کتاب کے علاوہ خارجی باتوں کو سننے کا زیادہ شوق ہے؛ چنانچہ جب تکرار کرنے بیٹھتے ہیں، تو دو باتیں سبق کی اور تین باتیں باہر کی کرتے ہیں؛ حتی کہ کتاب پڑھتے ہوئے ملکوں کے فیصلے ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کو علم سے محروم کرنا چاہتا ہے؛ لہذا باتوں میں لگا دیتا ہے۔

عزیز طلبہ! یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ۔رب العزت۔ نے آپ کو قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادی، آپ حضرات اللہ۔رب العزت۔ کے یقیناً پسندیدہ بندے ہیں اللہ تعالی قرآن پاک میں فرماتے ہیں: **ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا** (۱) ''پھر ہم نے کتاب کا وارث بنادیا، اپنے بندوں میں سے اُن کو، جو ہمارے چنے ہوئے بندے تھے'' یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ ''جو ہمارے لاڈلے تھے''۔

یاد رکھیں! کہ، آپ پر اللہ۔رب العزت۔ کی رحمت کی نظر ہے اللہ تعالی آپ کو دینے کا ارادہ کر چکے ہیں، اور اب لینا آپ کا کام ہے۔ طلب جتنی زیادہ ہوگی، اتنی ہی بڑی جھولی پھیلی ہوگی، اور جو جتنی بڑی جھولی پھیلائے گا، اللہ تعالی اس کو اتنا ہی عطا فرمائیں گے، وہ دینے والا بڑا کریم ہے۔

آپ کی طلب برتن کی مانند ہے اگر علم کی عام سی طلب ہے، تو پھر اتنا ہی برتن بھرا جائے گا۔ اور اگر علم کی طلب دل میں اتر چکی ہے، اور ہر وقت اسی کی فکر رہتی ہے تو پھر برتن بھی بڑا ہوگا۔ اللہ تعالی طلب کے برتن بھر دیں گے، اور علم کے نور سے مالا مال فرمادیں گے۔

ہمارے اکابر علماء دیوبند کی شان تھی کہ کسی حال میں بھی سنت کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، جب دل میں یہ جذبہ ہوگا کہ ہمیں جو علم حاصل کرنا ہے، اس پر عمل کرنا ہے، اور اپنی زندگی میں سنتوں پر عمل کرنا ہے، تو اللہ۔رب العزت۔ علم کا نور آپ کے سینے

---

(۱) پ: ۲۲، سورہ فاطر، آیت: ۳۲

میں ہمیشہ کے لیے عطا فرمادیں گے؛ لیکن یاد رکھیں! کہ "عمل کریں تو اللہ تعالی کی رضا کے لیے کریں، دنیا کی شہرت کے لیے نہ کریں۔" پروردگارِ عالم آپ سب حضرات کا یہاں آنا ،اور علم کے لیے کوشش کرنا قبول فرمالے، اور ہم سب کو اللہ اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے (آمین ثم آمین)

علم، عمل اور اخلاص

مَن خَرَجَ فِي طَلَبِ العِلمِ، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتّٰى يَرجِعَ

''جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لیے نکلا، وہ واپس آنے تک اللہ کے راستے میں ہے۔''(۱) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مجاہدین، اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو راستے میں ان کو جو بھی تکلیف آتی ہے، اور مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، اس کا ان کو اجر دیا جاتا ہے، اسی طرح طالب علم جب گھر سے طلبِ دین کے لیے نکلتا ہے، تو واپس آنے تک اس کا ہر ہر لمحہ اللہ کی راہ میں شمار ہوتا ہے، اور اسے گھر کے آرام وسکون کو خیر باد کہہ کر جو بھی مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، اس پر اجر ملے گا۔

علم کا مقام

اللہ-رب العزت- کے ہاں علم کا بڑا مقام ہے، کہاں آدمؑ جو مٹی سے بنے اور کہاں فرشتے جو نور سے بنے؟ اور نور سے بننے والی بھی وہ مخلوق جو ہر وقت اللہ-رب العزت- کی عبادت میں مشغول ہے **وَمَنْ عِنْدَهٗ لَايَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَايَسْتَحْسِرُوْنَ،يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَايَفْتُرُوْنَ** (۲) اللہ کے پاس جو بھی فوق العرش مخلوق ہے وہ ہر وقت اللہ-رب العزت- کی تسبیح بیان کر رہی ہے، ان کے ہاں افطار نہیں ہے۔ سبحان اللہ! کہاں یہ خاک اور کہاں وہ عالمِ پاک؟ مگر علم ایک ایسی نعمت تھی، جس نے اِس خاک کو اُس عالمِ پاک کا

(۱) سنن ترمذی، ابواب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲/ ۹۳، رقم: ۲۶۴۷ (۲) پ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت: ۱۹/ ۲۰

بھی مسجود بنادیا۔ دستور یہ ہے کہ اندھیری رات میں جگنو کی روشنی بھی اچھی لگتی ہے، علم کتنی لاجواب نعمت ہے کہ تھوڑی سی بھی ہو، تو پلہ بھاری رہتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ حضرت آدمؑ کو علم الاسماء یعنی علم الاشیاء حاصل ہوئے، پھر یہ انعام ملا، تو جس انسان کو اسماء الحسنیٰ کی معرفت نصیب ہوگی، اسے قیامت کے دن کیا انعام

ملے گا؟ اللہ اکبر کبیرا!! لیکن یاد رکھیں! کوئی بھی عالمِ دین، اُس وقت تک، حاملِ دین نہیں بن سکتا، جب تک عاملِ دین نہ بنے۔ علم پر عمل بہت ضروری ہے۔

عمل کی اہمیت

✳ ایک بزرگ کا قول ہے کہ علم، عمل کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، کُھل جائے، تو داخل ہوجاتا ہے؛ ورنہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا ہے۔

✳ **كُلُّ عِلْمٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ بِهٖ**

''ہر علم علم والے کے لیے قیامت کے دن وبال ہوگا مگر وہ انسان جو علم پر عمل کرلے''(۱)

اسی لیے کہتے ہیں: **اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ وَبَالٌ وَالْعَمَلُ بِلَا عِلْمٍ ضَلَالٌ**

''علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے''

✳ **اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ كَشَجَرَةٍ بِلَا ثَمَرَةٍ**(۲)

''علم بغیر عمل کے ایسا ہے، جیسا کہ درخت پھل کے بغیر ہوتا ہے''

✳ جس طرح چراغ جلے بغیر روشنی نہیں دیتا، علم بھی بغیر عمل کے روشنی نہیں دیتا۔

بے عمل عالم کی مثال پارَس کی مانند ہے، جو اوروں کو تو سونا بناتا ہے، اور خود پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔

✳ عالم بے عمل چمچ کی مانند ہے، جو رنگ برنگے کھانوں میں رہے؛ مگر ذائقہ سے ناواقف رہتا ہے۔

(۱)(حدیث) مجمع الزوائد، باب من علم فلیعمل ۲/ ۲۱۹ رقم: ۷۵۸ (۲) مقولہ عبداللہ ابن المعتز، اقتضاء العلم العمل الاثر: ۴۶ ۶ ص: ۳۷

اس عاجز کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی زیارت نصیب ہوئی، اور ان کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا، ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب تشریف فرما تھے، طالب علم حاضرِ خدمت ہوئے، حضرت نے طلبہ سے پوچھا کہ بتاؤ! علم کا کیا مفہوم ہے؟ کسی نے کہا: ''پہچاننا'' کسی طالب علم نے کہا: ''جاننا'' فرمانے لگے: نہیں: مجھے سمجھاؤ یہ کیا چیز ہے؟ طلبہ اپنی باتیں کرتے رہے، حضرت خاموش رہے، بالآخر ایک طالب علم نے کہا: حضرت آپ ہی بتا دیجیے کہ علم کا کیا مفہوم ہے؟ حضرت نے ایک عجیب بات فرمائی: کہ ''علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا'' اگر عمل کے بغیر چین آ گیا، تو یہ نور نہیں؛ بلکہ وبال ہے؛ اس لیے قرآن پاک میں اللہ تعالی نے، بے عمل صوفیوں کی کتے کے ساتھ مثال دی، اور بے عمل علماء کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی؛ بلعم باعورا بڑا صوفی تھا **فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ**(۱)

جو بنی اسرائیل کے بے عمل علماء تھے، تو ان کے متعلق فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ، ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا، كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً(۲)

ان کی مثال گدھے کی سی ہے، جس کے اوپر بوجھ لادا گیا ہے

علم کے بعد عمل کا درجہ ہے۔ انسان، علم اس نیت سے حاصل کرے، کہ اس پر عمل کرتا رہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے دوران جو طالب علم اس نیت سے رہے کہ پہلے میں سارا علم حاصل کرلوں، پھر اکٹھا اس پر عمل کروں گا، تو وہ عموماً عمل سے محروم رہ جاتا ہے۔ سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ جس بات کا پتہ چلتا اس پر فوراً عمل کرتے تھے، علم آتا تھا، ساتھ میں عمل بھی آ جاتا تھا؛ اسی لیے علم نافع مانگنے کے لیے دعائیں کی گئی ہیں ''اے اللہ! ہمیں علم نافع عطا فرما، ایسا علم، جو نفع والا ہو۔ قیامت کے دن اللہ۔رب العزت۔ مال کے بارے میں دو سوال پوچھیں گے کہ کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ تو کمانے

(۱) پ:۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۷۶ (۲) پ:۲۸، سورۃ الجمعۃ، آیت: ۵

کا سوال علیحدہ، اور لگانے کا سوال علیحدہ۔ علم کے بارے میں ایک ہی سوال پوچھیں گے کہ تونے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ اس کا ماخذ نہیں پوچھیں گے کہ اس کا ماخذ کیا تھا؟ بلکہ عمل کتنا کیا؟ یہ پوچھیں گے۔(۱)

یاد رکھیں! عمل، بغیر علم کے ''سقیم'' ہوتا ہے، بیمار ہوتا ہے۔ اور علم، بغیر عمل کے ''عقیم'' کہلاتا ہے۔ ''عقیم'' کہتے ہیں ''بانجھ کو''۔ عمل بغیر علم کے ''سقیم'' کہلاتا ہے۔ اور علم بغیر عمل کے ''عقیم'' کہلاتا ہے۔ اور علم پر عمل ''صراط مستقیم'' کہلاتا ہے۔

علم پہلا درجہ ہے اور عمل دوسرا درجہ ہے۔ بے عمل عالم کی مثال گِدھ کے ساتھ دی گئی کہ یہ اڑتا تو فضاؤں میں ہے؛ مگر مردار کھایا کرتا ہے۔ مسائل تو وہ جانتا ہے، جو اوجِ ثُریّا تک پہنچانے والے ہیں؛ مگر حرام کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔

آج ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ علماء جو حلال مال سے اپنا پیٹ نہیں بھرا کرتے تھے، آج ان کی اولادیں حرام مال سے اپنے پیٹوں کو بھر رہی ہیں!!!

وہ علماء جو چٹائی کے اوپر بھی ساری رات نہیں سویا کرتے تھے، آج ان کی اولادیں نرم بستروں کے اوپر شب باشی کرتی ہیں!!!

وہ علماء جن کے چراغ کے تیل کا خرچہ، اُن کے کھانے کے خرچے سے بھی زیادہ ہوا کرتا تھا، آج اُن کی اولادیں دنیاداری کے چکروں میں پڑی ہوئی ہیں!!!

تیسرا درجہ

جس کو اللہ -رب العزت- علم عطا فرمادے، اور عمل بھی نصیب فرمادے، اب اس میں ایک تیسری چیز کی ضرورت ہے، جسے ''اخلاص'' کہتے ہیں۔ سیدنا حضرت علی -رضی اللہ عنہ- فرمایا کرتے تھے:

''علم کی آفت، عمل کو ترک کرنے میں ہے، اور عمل کی آفت اخلاص کو ترک کرنے میں ہے''۔

---

(۱) سنن ترمذی باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص، ۲/ ۶۷

جسم کی بقاء روح سے ہے، اسی طرح علم کی بقاء عمل سے ہے، اور عمل کی بقاء اخلاص سے ہے، جب کہ اخلاص کی بقاء عدم اخلاص کے ڈر سے ہے۔

اَلنَّاسُ کُلُّھُم مَحْرُوْمُوْنَ إِلَّا الْعَالِمُوْنَ

انسان سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں؛ سوائے علماء کے

وَالْعَالِمُوْنَ کُلُّھُم مَحْرُوْمُوْنَ إِلَّا الْعَامِلُوْنَ

علماء سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں؛ سوائے ان کے جو عمل کرنے والے ہیں

وَالْعَامِلُوْنَ کُلُّھُمْ مَحْرُوْمُوْنَ إِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ

اور عمل کرنے والے بھی سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں؛ سوائے ان کے جو مخلص ہیں۔

وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ

اور مخلصین بھی بڑے عظیم خطرے میں ہیں، کہ موت سے پہلے پہلے شیطان اُن پر بھی ڈاکہ نہ مارلے۔(۱)

تو یہ تین مرتبے ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ جب علم عمل اور اخلاص یہ تینوں چیزیں یک ہوجاتی ہیں، تو قوتِ ایمان روحانی بن جاتی ہے۔

ہیرے موتیوں سے قیمتی عالم

جب کوئی آدمی علم بھی حاصل کرلے، عمل بھی اور اخلاص بھی نصیب ہوجائے، اب یہ ہیرے اور موتی سے بھی زیادہ قیمتی بن گیا، اب اس پر عالم کا لفظ صادق آتا ہے، جن کے بارے میں فرمایا گیا: **مَن جَاءَ أَجَلُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ، لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ إِلَّا دَرَجَةُ النُّبُوَّةِ** (کہ طلبِ علم کی حالت میں موت آجائے، تو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف نبوت کے درجہ کا فرق ہوگا۔)(۲)

---

(۱) قالہ الغزالی فی ''احیاء علوم الدین'' ۱/ ۴۵ (۲) کنز العمال، کتاب العلم، قسم الاقوال ۱۰/ ۰۷رقم: ۲۸۸۲۷

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (علما انبیاء کے وارث ہوتے ہیں)(۱)

یہ ورثاء ہیں کہ جن کو قیامت کے دن انبیاء کی لائن میں بچی ہوئی خالی جگہ پر کرسیاں دے کر بٹھایا جائے گا۔صرف اتنا فرق ہوگا کہ ان کے سروں پر نبوت کے تاج نہیں ہوں گے،وگرنہ لائن ایک بن جائے گی۔سبحان اللہ!حیران ہوتے ہیں کہ اللہ-رب العزت- نے کتنے مرتبے عطا فرمائے ہیں،ایسا بندہ جس نے ان تینوں رتبوں کو حاصل کرلیا۔

علم طاقت اور قوت کا نام ہے

علم،عمل اور اخلاص مِل کرایک طاقت بن جاتی ہے،علم اُسی طاقت اور قوت کا نام ہے،جن علماء کو یہ قوت نصیب ہوتی ہے،اُن کے ہاتھ اٹھتے ہیں،تو اللہ تعالی دنیا کا جغرافیہ بدل کرر کھ دیتے ہیں۔-سبحان اللہ-ملا جیون کا مشہور واقعہ ہے،کہ بادشاہ کو مصیبت پڑگئی،حضرت جب مصلے پر بیٹھے،کہنے لگا:''اگر حضرت کے ہاتھ اٹھ گئے،آئندہ میری نسل ہی ختم ہوجائے گی۔''یہ مومن کے ہتھیار ہوتے ہیں **اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ** (۲)مصلی،تسبیح یہ ہتھیار ہیں ان سے وہ کام ہوتا ہے،جو دنیا کے میزائلوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔ان کے ہاتھوں کے اٹھنے سے وہ تبدیلیاں آتی ہی جو دنیا میں ایٹم بموں کے پھینکنے سے بھی نہیں ہوتیں۔

صحابہ کرامؓ کے پاس کیا چیز تھی؟....

علم،عمل،اور اخلاص یہی چیزیں صحابہ کرام کی زندگی میں آپ دیکھیں گے۔

کھڑے مدینہ طیبہ میں ہوتے تھے،کہتے تھے **یَاسَارِیَةَ!اَلْجَبَلَ** ہوا اُن کے پیغام کو ہزاروں میل دور پہنچادیتی تھی۔!!

....کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مدینہ طیبہ میں بیٹھے ہیں زمین میں زلزلہ آتا ہے،تو زمین میں

---

(۱)سنن ترمذی،باب ماجاءفی فضل الفقہ علی العبادۃ ۲/۹۷،رقم:۲۶۸۲(۲)(الحدیث)مسند ابی یعلی الموصلی ۱/۳۴۴

ایڑی ماتے ہیں اور کہتے ہیں: ''اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟'' زمین کا زلزلہ ختم ہو جاتا تھا۔!!

.... کبھی دریائے نیل میں رقعہ ڈالا جاتا ہے، دریائے نیل آج بھی چل رہا ہے، اور عمر بن الخطاب -رضی اللہ عنہ- کی عظمتوں کی گواہیاں دے رہا ہے۔!!

.... ایک صحابی قافلے سے بچھڑ گئے تھے، شیر کو دیکھا، تو اپنی طرف بلایا، اور کہا: ''تجھے آدم کی بو آتی ہے، تو راستہ پہچان لے گا، مجھے قافلے تک پہنچا'' شیر دُم ہلاتا ہوا قدموں میں آجاتا ہے، صحابی اس پر سوار ہو کر قافلے تک پہنچ جاتے ہیں۔!!

.... کہیں امیر لشکر دریا میں سے نکل کر پوچھتے ہیں، کوئی چیز تو نہیں رہ گئی؟ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میرا لکڑی کا پیالہ رہ گیا ہے، دریا کو حکم دیتے ہیں، اسی وقت ایک موج آتی ہے، اور لکڑی کا پیالہ ان کے حوالے کر دیتی ہے۔!!

ایک وقت تھا کہ اُن لوگوں کے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اللہ کے احکام لاگو ہوتے تھے، پس اللہ تعالی اُن کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹایا کرتے تھے۔

حدیث قدسی میں فرمایا: میرے کچھ بندے ایسے ہیں، بکھرے بالوں والے کہ اگر کسی دروازے پر پہنچیں، تو انہیں دھتکار دیا جائے؛ مگر میرے ہاں وہ مقام ہوتا ہے **لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ** (اگر وہ اللہ پر قسم اٹھالیں، اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دے) (۱) اللہ -رب العزت- کے ہاں پھر مرتبہ بن جاتا ہے۔ **مَنْ كَانَ لِلهِ، كَانَ اللهُ لَهُ** ''جو اللہ کا ہو جاتا ہے، پھر اللہ اُس کے بن جاتے ہیں۔'' (۲)

افسوس! عمل کے بغیر علم پر

یہ علم بڑی نازک چیز ہے، افسوس ہے اس پر، جس کی زبان تو عالم ہو؛ لیکن دل جاہل ہو۔ لقمان حکیم فرماتے تھے: ''میں نے لوہے اور پتھر کو اٹھایا؛ لیکن دین سے زیادہ وزنی

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلح، ۱/ ۵۶۸ رقم: ۲۶۲۵ (۲) من کلام ابی حامد الغزالی فی ''الاحیاء'' ۳/ ۱۸

چیز کو نہیں دیکھا، میں نے شب زفاف کی لذت کو پایا؛ مگر اللہ کے ذکر سے بہتر کسی چیز کو نہیں پایا۔'' آج ہمارے لباس صُوف سے بھی زیادہ نرم ہوتے ہیں، ہماری زبانیں شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہیں؛ مگر ہمارے دل بھیڑیے سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

ہم دلوں پر محنت نہیں کرتے ، یہ تقوی کہاں ہوتا ہے؟ **اَلتَّقْوٰی هٰهُنا، أَشَارَ إِلَی الصَّدْرِ** نبی اکرم۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔نے سینے کی طرف اشارہ کرکے کہا: کہ تقوی تو یہاں ہوتا ہے۔ (۱) لہٰذا اس دل کو بدلنا پڑے گا، پھر اس کے اندر تقوی پیدا ہوگا۔آج ہم نے دل کو صنم خانہ بنالیا، بُت خانہ بنالیا؛ بلکہ سچ کہوں کہ دل کو گند خانہ بنالیا ہے **مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ** (۲) دل میں مورتیاں رکھی ہوئی ہیں کسی نے دل میں لڑکی کی مورتی رکھی ہوئی ہے ،کسی نے مال پیسے کی مورتی رکھی ہوئی ہے، کسی نے عہدے کی رکھ لی۔جس گھر میں تصویر ہو،اس گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا، (۳) تو جس دل میں غیر کی تصویر ہوگی اس دل میں اللہ کی تجلیات کیسے آسکتی ہیں؟ اس دل کو سنوارنا پڑے گا،اسے بنانا پڑے گا،اس دل پر محنت کرنی پڑے گی،تب تقوی دل میں آئے گا،اور آپ اس نیت سے پڑھیں کہ اللہ تعالی! ہم پڑھتے جائیں گے اور عمل کرتے جائیں گے۔اپنی ذات کو مقدم رکھیں گے۔اپنے آپ کو مقدم رکھیں۔یہی تو وجہ ہے کہ تقوی زندگیوں میں نہیں ہے،باتیں کرتے ہیں،لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔شکوہ کرتے ہیں، کہ لوگ بات نہیں سنتے،میرے دوستوں!اس زبان سے نکلی ہوئی بات جب اپنے کان نہیں سنتے، جو اتنا قریب ہیں،تو پھر وہ کان کہاں سنیں گے، جو اتنا دور بیٹھے ہوئے ہیں؟ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم جو بولیں، ہمارے اپنے کان بھی سنیں، ہمارا اپنا دماغ بھی سوچے، ہمارا اپنا دل بھی اس پر عمل کرے، کہ ہم کیا بول رہے ہیں؟ ہم لوگوں کے لیے بولتے ہیں، ہم اپنی نیت بھی کریں کہ ہم یہ قرآن وحدیث اس لیے پڑھ رہے ہیں

---

(۱) صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم ۲/ ۳۱۷ رقم: ۲۵۶۴ (۲) پ:۱۷،سورۃ الانبیاء، آیت: ۵۲ (۳) صحیح بخاری کتاب بدأ الخلق، باب: ۱۷/ ۶۹۹

کہ ہم پڑھیں گے اور عمل کریں گے۔

مشائخ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، کہ حضرت ”عبدالقدوس گنگوہیؒ“ کے بیٹے ”شاہ رکن الدینؒ“ فارغ التحصیل ہوکر آئے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرتؒ نے فرمایا: رکن الدین! کچھ نصیحت کرو، رکن الدین نے بڑا علم حاصل کیا تھا، لہذا اٹھے اور بڑی معرفت کی باتیں کرنا شروع کر دیں، بڑے نکات بیان کئے مجمع خاموشی سے سنتا رہا؛ مگر کسی کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب انہوں نے بیان مکمل کرلیا، تو حضرتؒ فرمانے لگے: کہ ہاں رکن الدین! رات ہم نے اپنے لیے دودھ رکھا تھا، بس ایک بلی آئی اور وہ دودھ پی کر چلی گئی، ہمیں سحری کرنی تھی۔ حضرت کے الفاظ کہنے ہی تھے، کہ مجمع لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ حضرتؒ نے پوچھا، بیٹے! آپ نے معارف بیان کئے؛ مگر مجمع پر اثر انداز نہ ہوئے، میں نے تو اتنا ہی کہا کہ میں نے دودھ رکھا تھا اور بلی پی گئی، یہ سن کر مجمع لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ بیٹا سمجھ گیا، چنانچہ کہنے لگا، ابو! جس زبان سے یہ الفاظ نکلے اس زبان میں یہ تاثیر تھی جس نے لوگوں کے دلوں کو اس طرح پگھلا دیا ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا عجیب واقعہ

میں نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حالات میں پڑھا کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے ذریعہ کچھ ہندو مسلمان ہوئے، تو کسی نے ہندوؤں سے پوچھا: کہ تم کیوں مسلمان ہوئے؟ تو انہوں نے حضرت کشمیریؒ کی طرف اشارہ کرکے کہا: ”ہمیں یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نظر نہیں آتا، یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا۔-سبحان اللہ-تقوی ان کے چہروں پر یوں چمکتا تھا۔ ان کی خلوتوں کی عبادت ان کے چہروں پر نور بنا کے سجادی جاتی تھی۔ یہ اہل اللہ ہوتے تھے، جن کے چہروں کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا تھا۔ اور آج تو ہم ایسی حالت میں پہنچ چکے ہیں کہ اغیار ہمارے قریب ہونے کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اِس وقت مغربی ممالک میں بعض ایسی بھی آبادیاں ہیں کہ جہاں پر مسلمان کرائے پر مکان لینے

جائے،تو اسے کرائے پر مکان نہیں ملتا، یہ حالت ہوگئی ہے۔

اور ایک وقت ایسا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے پڑوس میں یہودی رہتا تھا، یہودی نے مکان بیچنا چاہا،ایک آدمی نے پوچھا: کتنے میں بیچو گے؟ کہنے لگا کہ میں دو ہزار دینار میں بیچوں گا اس خریدار نے کہا: کہ اس علاقے میں اس قسم کے مکان کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار دینار ہے۔ یہودی کہنے لگا: کہ ہاں ٹھیک ہے،ایک ہزار دینار تو میرے مکان کی قیمت ہے،اور ایک ہزار دینار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے۔ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کے پڑوس میں جو مکان ہوتے تھے،ان مکانوں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں اور آج یہ وقت آچکا ہے کہ یوروپ کے بعض علاقوں میں مسلمان مکان لینے جاتے ہیں،انہیں کوئی مکان کرائے پر دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا،لہٰذا عزیز طلبہ! آپ تقوی سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کیجیے۔

علم پر عمل کر لیجیے!

عزیز طلباء! آپ غریب الدیار، غریب الوطن ہیں اور یہ علم کی خاطر آپ نے برداشت کیا، گھر سے دور ہونے کی مشقت برداشت کی ، ماں باپ کو چھوڑا ، قبیلے کو چھوڑا، اپنے وطن کو چھوڑا، کوئی کہیں سے چل کے آیا، کوئی کہیں سے چل کے آیا،علم کی تلاش میں سب یہاں چل کر آئے ہیں اور آپ اس علم کو حاصل کرتے ہیں؛اب اس پر عمل کر کے اپنے رب کے اجر کے مستحق ہوجایئے۔اور جب تک یہ عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا،تو اِس ساری محنت کا چلت پھرت کا کیا فائدہ نکلا؟ آج وقت ہے اللہ رب العزت سے یہ دعا کرنے کا، کہ اللہ! اِس علم کی تلاش میں ہم گھروں سے تو نکل آئے؛لیکن جیسے بن کے رہنا چاہیے تھا ویسے تو ہم بن کے نہ رہ سکے؛ نہ آداب کا خیال رکھ سکے، نہ محنت پوری کر سکے، نہ اخلاص ہمارے اندر اتنا ہے، میرے مولی! ہم غریب الدیار،غریب الوطن لوگ ہیں، اللہ! آپ کے سامنے دامن پھیلاتے ہیں، اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہوئے، آپ کو آپ کے رب

ہونے کا واسطہ دیتے ہوئے، اے اللہ! آپ کی عظمت کو دل میں رکھتے ہیں، اللہ! مہربانی فرما دیجیے! تھوڑے عمل پر آپ زیادہ دینے والے پروردگار ہیں، ہمارے پڑھنے کی محنت کو قبول کر کے اللہ! قیامت کے دن ہمیں ان میں شامل فرمائیے گا، جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ ان کو بلاحساب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری باب من لم یُرقِ ۲/۱۳۲۶ رقم: ۵۵۲۸

علم میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے تقویٰ

پڑھنے اور رسوخ فی العلم حاصل کرنے میں فرق

ایک دفعہ حضرت نانوتویؒ نے حضرت اقدس تھانویؒ سے دریافت فرمایا: کونسی کتابیں پڑھتے ہو؟ حضرت تھانویؒ پر اس قدر رعب غالب ہوا کہ کتابوں کے نام بھول گئے۔ پھر آپ نے دوسری باتیں شروع کیں؛ تاکہ ہیبت کا اثر کم ہوجائے، اور حضرت تھانویؒ کی طبیعت کھل جائے؛ چنانچہ بعد میں فرمایا کہ ایک ہوتا ہے پڑھنا، دوسرا ہوتا ہے ''رسوخ فی العلم حاصل کرنا'' محض پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ رسوخ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر ایک مثال بیان فرمائی، کہ ایک حافظ ہدایہ تھے مگر سمجھ کر نہ پڑھی تھی۔ ایک دوسرے عالم تھے، جنہوں نے سمجھ کر پڑھی تھی، ان سے کہا کہ ایک مسئلہ ''ہدایہ'' میں ہے۔ حافظ ''ہدایہ'' نے انکار کیا، کہ یہ مسئلہ ''ہدایہ'' میں نہیں ہے، میں تو ہدایہ کا حافظ ہوں۔ مگر جب دوسرے نے کتاب کھول کر، عبارت پڑھ کر، استنباط کیا، تو حافظِ ہدایہ حیران رہ گئے۔ اتنا فرما کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے فرمایا: ''یہ فرق ہے پڑھنے اور رسوخ حاصل کرنے میں۔''

رسوخ فی العلم کی معاون تین چیزیں

جلالین شریف کے حاشیے میں لکھا ہوا ہے کہ ''راسخین فی العلم'' میں شامل ہونے کے

لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱) تقوی: سب سے پہلی چیز ہے کہ بندے کے اندر تقوی ہو۔ حضرت ذوالنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا، حضرت! تقوی کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: کہ اگر تمہارے دل کی تمناؤں کو مجسم کر کے کسی طشتری کے اندر رکھ دیں، اور اس کو سرِ بازار پھرائیں، تو کوئی ایسی تمنا اس میں نہ ہو، جس پر تمہیں شرمندگی ہو، یا دل میں گناہ کی تمنا نہ رکھنا **اَلتَّقْوٰی فِیمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ** ''تقوی وہ ہے، جس کا تعلق بندے اور اللہ کے درمیان ہے''(۱) تقوی کچھ کرنے کا نام نہیں؛ بلکہ کچھ کام نہ کرنے کا نام تقوی ہے۔ تقوی کی آسان تعریف یہ ہے کہ ''ہر اس عمل کو ترک کر دینا، جس کے کرنے سے تعلق باللہ میں فرق آجائے'' تقوی کہلاتا ہے۔

تعلق باللہ میں فرق آرہا ہوتا ہے، یا نہیں؟ یہ دل بتاتا ہے، اللہ -رب العزت- نے سینے میں جو یہ دل بنایا ہے، یہ انسان کو صحیح صورتِ حال بتاتا ہے؛ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنی حقیقت معلوم کرنا چاہو، تو اپنے دل سے گواہی لو۔ دل وہ گواہ ہے جو کبھی رشوت قبول نہیں کرتا، ہمیشہ سچی گواہی دیتا ہے؛ چنانچہ ہم جب بھی اپنی اوقات معلوم کرنا چاہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل کے اندر جھانک کر دیکھیں ہمیشہ سچی گواہی آئے گی۔ دنیا میں دل کی عدالت سے بڑی کوئی عدالت نہیں؛ اس لیے ہمارے مشائخ فرماتے ہیں: کہ کبھی کبھی اپنے آپ کو ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھا کریں: کہ کتنے پانی میں ہو؟ اندر سے صحیح گواہی ملے گی، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا **اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ، وَاِنْ أَفْتَاکَ النَّاسُ**۔(۲)

قرآن مجید میں جتنی تقوی کی اہمیت بتائی گئی، شاید کسی دوسرے عمل کی اتنی اہمیت نہیں بتائی گئی، ایک ایک آیت میں دو دو اور تین تین مرتبہ تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ کوئی

---

(۱) مجموعۃ من التفاسیر، انوار التنزیل، لباب التاویل ۳/ ۲۶۲ (۲) سنن دارمی، کتاب البیوع، باب دع ما یریبک إلی مالا یریبک ۲/ ۱۹۷، رقم: ۲۵۳۵

آدمی ایک ہی بات کو ایک سانس میں دو مرتبہ دہرائے، تو اس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں **يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ، وَّ اتَّقُوْا اللّٰهَ** (۱) دیکھیں! آیت کے شروع میں بھی **اتقو اللہ** اور آخر میں بھی **اتقو اللہ** فرمایا۔

یہ وہ عمل ہے جس کی اللہ-رب العزت- نے وصیت فرمائی ہے، نصیحت کے رنگ میں، فرمایا: **وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ، وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوْا اللّٰهَ۔** (۲)

اس تقوی پر اللہ تعالی انسان کو وہ علم دیتے ہیں جو اس کو کتابوں میں نہیں ملا کرتا، نفع دینے والا علم، یہی تو مانگا گیا؛ چنانچہ نبیؑ نے دعا مانگی:

اللهم إِنِّي أَسْئَلُکَ عِلْماً نَافِعاً

''اے اللہ! میں نفع دینے والا علم مانگتا ہوں''(۳)

یہ نفع دینے والا علم کونسا ہے؟ جو انسان کے جسم میں نور بن کر آتا ہے۔ایک ہوتی ہے ''معلومات'' وہ تو یہویوں اور عیسائیوں کے پاس بھی بہت ہوتی ہیں۔ایک ہوتا ہے ''علم'' یہ کوئی اور چیز ہے۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا حضرت !اس امت کی کشتی کیسے ڈوبے گی؟ فرمایا علماء کی وجہ سے۔حضرت !اس امت کی کشتی کنارے کیسے لگے گی؟ فرمایا: علماء کی وجہ سے۔پوچھنے والا حیران، حضرت! کیا مطلب؟ فرمایا جو علماء سوء ہوں گے، نفس کے پجاری ہوں گے، نام کے عالم ہوں گے ان کی وجہ سے امت کی کشتی ڈوبے گی، اور جو علماء حق پر ہوں گے، ان کی وجہ سے کشتی کنارے لگ جائے گی؛ اس لیے تقوی میں کمی علم میں کمی کا سبب بنتی ہے۔

---

(۱) پ:۲۸، سورۃ الحشر، آیت:۱۹ (۲) پ:۵، سورۃ النساء، آیت:۱۳۱ (۳) سنن ابن ماجہ باب مایقال بعد التسلیم ص:۶۶

کیا تقوی کے بغیر کتابیں نہیں پڑھ سکتا؟

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس میں تقوی نہیں وہ جلالین اور بیضاوی شریف پڑھ نہیں سکتا، مسلم شریف، بخاری شریف، پڑھ نہیں سکتا؛ پڑھ سکتا ہے، اگر یہ بندہ تقوی اختیار کرتا، تو جتنا علم اب اس کے پاس تھا اس سے کئی گنا زیادہ علم اللہ اس کو اور عطا فرمادیتے۔ یہ مت سوچیں کہ میرے پاس تقوی بھی نہیں اور میں بڑا ذہین ہوں، جماعت میں سب سے آگے ہوں، حدیث کو سمجھ لیتا ہوں، او اللہ کے بندے! اگر آپ ان گناہوں کے ساتھ حدیث پاک کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، تو اگر آپ تقوی اختیار کرلیتے، اللہ-رب العزت- آپ کو حُفّاظِ حدیث میں شامل فرمادیتے، ابھی بھی آپ نے اپنے مرتبہ کو کم کرلیا۔ امام شافعیؒ نے جو پوچھا:

شَكَوْتُ إِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَأَوْصَانِيْ إِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
فَإِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ إِلٰهِيْ
وَنُوْرُ اللهِ لَايُعْطٰى لِعَاصِيْ (۱)

تو اس ''علم'' سے مراد یہ ظاہری الفاظ نہیں ہیں؛ ''علم کا نور'' تھا۔ وہ علم کا نور جو گناہوں کے سبب بندے سے چھین لیا جاتا ہے۔

جب انسان کے اندر تقوی نہیں ہوتا، معصیت کی زندگی گزاری جاتی ہے، تو (علم نورِ نبوت ہے) اس نور نبوت سے اللہ اس کو محروم کردیتے ہیں، اس کو حاصل ہی نہیں کرسکتا؛ چنانچہ ایسا شخص اپنے اعمال کی تاویل کرتا پھرے گا، جہاں اپنے نفس کا معاملہ ہوگا اس کا فتوی اور ہوگا، لوگوں کے بارے میں فتوی اور ہوگا یہی اس بات کی دلیل ہے۔ اور آج تک جس کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا گیا، ان معبودوں میں کوئی اتنا برا معبود نہیں، جتنا برا معبود انسان کا اپنا نفس ہے، یہ سب سے بُرا معبود ہے، جس کی اللہ کے سوا

---

(۱) دیوان امام شافعیؒ ص: ۷۸ (۲)

بندوں نے پرستش کی ہے۔ تو انسان اللہ-رب العزت-کی نظر میں عالم بنے، اس کے لیے تقوی لازمی ہے، جتنا تقوی زیادہ، اتنا ہی اس پر اللہ تعالی اسرار ورموز کھولتے چلے جاتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ''ایمان کا محافظ علم ہے، علم کا محافظ تقوی ہے۔ تقوی نہیں تو علم سے محروم، علم نہیں تو ایمان سے محروم۔ جو ایمان کی حفاظت چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے علم کو محفوظ رکھے، اور جو علم کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ تقوی اختیار کرے۔

امام مالکؒ نے فرمایا: علم بکثرت روایت کا نام نہیں، علم تو وہ نور ہے جو اللہ تعالی دل میں پیدا فرماتا ہے (۱)؛ یعنی علم عمل کرنے کا دوسرا نام ہے؛ چنانچہ انہوں نے امام شافعیؒ کو نصیحت فرمائی کہ آپ اپنے عمل کو آٹا بنائیں اور اپنے علم کو نمک کی مانند بنائیں۔

دنیا میں جتنے بھی فرقے بنے ان سب کے بانی عالم تھے؛ مگر نام کے عالم تھے حقیقت میں جاہل تھے، ان کی زندگی تقوی سے خالی تھی۔

ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ دین کا کام اللہ نے جب بھی لیا ظاہر اور باطن کے جو جامع علماء تھے ان سے لیا، جو تقوی سے آراستہ تھے۔ آپ اس امت کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیں، جن کو اللہ نے دین میں بلندی عطا فرمائی، دین میں قبولیت عطا فرمائی یہ سب وہی لوگ تھے، جو مرج البحرین کی مانند تھے، علم ظاہری بھی تھا، علم باطنی بھی تھا۔ شریعت اور طریقت کے جامع تھے، دونوں نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھیں؛ اس لیے مولانا رومؒ یہ فرماتے ہیں ؎

علم چوں برتن زمیں مارے بود
علم چوں بردل زمیں یارے بود
بینی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب وبے معینِ اوسطیٰ

---

(۱) مختصر الکامل فی الضعفاء ص: ۴۷

کہ ''علم'' کو اگر تم فقط ظاہر پر لگاؤ گے، تو یہ ''سانپ'' بنے گا۔ اور اگر اس علم کو اپنے دل پر دو گے تو علم تمہارے لیے ''یار'' بن جائے گا۔ اگر تم تقوی اختیار کرو گے تو تم اپنے اندر انبیاء کا علم پاؤ گے، اللہ تمہیں وہ علم دے گا، جو تمہیں عام کتابوں کے اندر نہیں مل سکتا۔ بغیر کتاب اور بغیر استاذ کے اللہ۔رب العزت۔تمہارے سینے کو علم کے نور سے بھر دے گا۔

حصول برکت اور تقوی

تقوی اختیار کرنے سے انسان کی زندگی میں برکتیں آتی ہیں، آج زندگیوں میں جتنی پریشانیاں ہیں، یہ برکت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ نہ قوتِ حافظہ میں برکت، نہ عزت میں برکت، نہ صحت میں برکت۔

اللہ والوں کی ہر چیز میں برکت ہوتی ہے؛ کیوں کہ وہ تقوی کی وجہ سے ''راسخین فی العلم'' ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس تھانویؒ کی سینکڑوں کتابیں دارالعلوم دیوبند کی لائبریری میں موجود ہیں یہ کتابیں انہوں نے بلاواسطہ لکھیں۔ اور جو کتابیں انہوں نے اپنے شاگردوں اور خلفاء کو ہدایت دے کر لکھوائیں ان کو بھی ملا کر سب کتابوں کی تعداد ستائیس سو بنتی ہے، ہم ابھی تک ان کتابوں کو پڑھ بھی نہیں سکے۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ برکت تھی۔

❊ قوتِ حافظہ میں برکت تھی ابوزرعہؒ کا ایک شاگرد ایک مرتبہ رات کو دیر سے گھر آیا، بیوی الجھ پڑی کہ دیر سے کیوں گھر آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ درس میں تاخیر ہوگئی۔ اس نے کہہ دیا: کہ تیرے استاذ کو ہی نہیں کچھ آتا، تجھے کیا آئے گا؟ اُس نے غصے میں آ کر کہا: اچھا! ''اگر میرے استاذ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں، تو تجھے تین طلاق۔'' جب رات گزر گئی، تو اُن کے دماغ ذرا ٹھنڈے ہوئے؛ بیوی نے پوچھا: جی طلاق واقع ہوئی ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ مشروط طلاق تھی، وہ اپنے استاذ کے پاس پہنچے، ابوزرعہ۔رحمۃ اللہ علیہ۔سے پوچھا: حضرت! یہ واقعہ پیش آیا ہے، کیا ہمارا نکاح باقی ہے، یا نہیں؟ حضرت مسکرائے اور فرمایا ''جاؤ میاں بیوی کی زندگی گزارو، ایک لاکھ

حدیثیں مجھے اس طرح یاد ہیں، جس طرح لوگوں کو سورہ فاتحہ یاد ہوتی ہے''۔

یاد رکھیے! آسمان کی زینت ستاروں سے ہے، زمین کی زینت پرہیزگاروں سے ہے۔ جیسے ہمیں آسمان پر ستارے جگ مگ کرتے نظر آتے ہیں، اسی طرح آسمان والوں کو زمین پر متقی لوگ یوں جھلمل کرتے نظر آتے ہیں۔

آدمی کو ہر کام میں احتیاط کرنی چاہیے، مثلاً: غیر عورت کا چہرہ تو کیا دیکھنا، اُس کے کپڑوں کو بھی نہ دیکھے، یہ سوچ کہ نیلی ہے، پیلی ہے؛ جو ہے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں؛ چنانچہ متقی لوگ ہی اللہ کے ولی بنتے ہیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں: **اِنْ اَوْلِیَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ**(۱) ''اس کے ولی وہی ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں''۔

یہ جو تصور آجاتا ہے کہ ولی بننے کے لیے تو شاید سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مصلے سے چپکنا پڑے گا، نہیں، ایسی بات نہیں، جو عبادت مصلّے پے ہوتی ہے، وہ تو کرنی ہی ہے، اس کے علاوہ بھی ہر کام شریعت کے مطابق کرنا، اس کا نام ولایت ہے، جس آدمی نے اللہ کے سامنے یہ کہہ دیا: کہ اللہ! آج سے میں نے دل سے مان لیا کہ میں تیرا بن گیا، اسے ولایت مل گئی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: **اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ** (۲) ''بے شک اللہ تعالی متقیوں ہی کے عمل کو قبول فرماتے ہیں۔''

تقوی اور اللہ تعالی کا قرب

پہلے علماء تقوی کی وجہ سے اللہ تعالی کا قرب پا گئے، آج تقوی نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنی عزت گنواں بیٹھے۔ کیا بات ہے؟ کہ یہی درسِ نظامی حضرت قاسم نانوتویؒ نے پڑھا، یہی درس نظامی حضرت رشید احمد گنگوہیؒ نے پڑھا، یہی درس نظامی حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے پڑھا، یہی درسِ نظامی حضرت اشرف علی تھانویؒ نے پڑھا، پھر آج ہر طالب علم، ہر بچہ

(۱) پ:۹، سورۃ الانفال، آیت: ۳۴ (۲) پ:۶، سورۃ المائدۃ، آیت: ۲۷

حضرت تھانوی کیوں نہیں بنتا؟ ہر بچہ حضرت نانوتوی کیوں نہیں بن جاتا؟ یہ تقوی کا فرق ہے، انہوں نے بھی یہی کتابیں پڑھی تھیں؛ لیکن انہیں ان کتابوں سے تقوی کے سبب ہیرے اور موتی ملے تھے، ہم بھی وہی کتابیں پڑھتے ہیں؛ مگر پڑھ لیتے ہیں، سوچتے ہیں کہ عمل بعد میں اکٹھا کریں گے۔آج ہم بے احتیاطی کی زندگی گزارتے ہیں، وہ علماء جو حلال مال سے اپنا پیٹ نہیں بھرتے تھے، آج اُن کی اولادیں حرام مال سے اپنے پیٹوں کو بھر رہی ہیں، وہ لوگ جو ساری رات جاگ کر مصلی پر گزار دیتے تھے، آج ان کی اولادیں نرم بستروں پر شب باشی کی عادی بن چکی ہیں۔

طلباء کو قیمتی نصیحت

عزیز طلباء! بلعم باعوراء کو دیکھیے! اللہ تعالی کی اطاعت کے رستے پر چلا، تو مستجاب الدعوات بن گیا، **وَاتَّبَعَ هَوَاهُ** اور خواہشات کے پیچھے چل پڑا، تو اللہ فرماتے ہیں: **فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ** ”اس کی مثال تو کتے کی مانند ہے۔“ (۱) اس لیے عزیز طلباء! خواہشات کی رَو میں نہیں بہنا؛ بلکہ خواہشات کو تھام لینا ہے۔جس نے اپنے نفس کے ساتھ یہ مقابلہ کرلیا، علم کے راستے اُس کے لیے کُھل گئے؛ اسی لیے بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے: کہ ”جنت دو قدم ہے۔“ کسی نے پوچھا حضرت! اس کا کیا مطلب ہے، کہ جنت دو قدم ہے؟ فرمایا: اے دوست! تیرا پہلا قدم تیرے نفس پر آئے گا، تو تیرا دوسرا قدم جنت میں پہنچ جائے گا۔ اگر نفس کی خواہشات کو پورا کریں گے، تو علم سے محروم ہو جائیں گے۔

یاد رکھنا! ”نفس پرستی، شہوت پرستی، زر پرستی، زن پرستی؛ یہ سب کی سب بُت پرستی کی اقسام ہیں خدا پرستی کوئی اور چیز ہے“۔

ہمیں خدا پرستی سیکھنی ہے، خواہشات کی پوجا نہیں کرنی۔ہمیں اپنے رب کی مرضی پر عمل کرنا

---

(۱) پ:۹، سورۃ الاعراف، آیت:۱۷۶

ہے، یہ سب سے مشکل کام ہے۔جس طالب علم نے اپنے نفس کو لگام دیدی، لوہے کا لنگوٹ باندھ لیا، اُس کے لیے پھر اللہ تعالی علم کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ یہ تقوی ''رسوخ فی العلم'' کے لیے معاون ہے، اگر یہ ہمارے اندر آجائے، تو ہمیں ''رسوخ فی العلم'' نصیب ہو جائے گا۔

اللہ رب العزت ہمیں تقوی بھری زندگی نصیب فرمادے۔

''رسوخ فی العلم'' کے لیے تواضع اور زہد

''جلالین شریف'' کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے کہ ''راسخین فی العلم'' میں شامل ہونے کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں: (۱) تقوی (۲) تواضع (۳) زہد

گزشتہ مجلس میں تقوی پر بات کی گئی تھی، آج کی اس محفل میں تواضع اور زہد سے متعلق کچھ باتیں عرض کی جائیں گی۔

(۲) تواضع

طالب علم میں دوسری چیز ایسی ہونی چاہیے، جو اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلق رکھتی ہے، اس کو تواضع کہتے ہیں، **فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ** (۱) یعنی جو معاملات اللہ کے بندوں کے ساتھ ہوں اس میں طبیعت کے اندر تواضع ہو۔ تواضع کسے کہتے ہیں؟ دوسروں کے سامنے چھوٹا بن کر رہنا، تواضع کہلاتا ہے۔

بڑا بننے کا طریقہ

نفس چاہتا ہے کہ بڑا بن کر رہے، یاد رکھنا! جو بڑا بننا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ چھوٹا بن کر رہے، اللہ تعالی اُسے بڑا بنا دیں گے، چھوٹا بن کر رہنے میں بڑائی ہے ؎

زمیں کی طرح جس نے عاجزی وانکساری کی
خدا کی رحمتوں نے ، اس کو ڈھانپا آسماں ہوکر

---

(۱) مجموعۃ تفاسیر: انوار التنزیل، لباب التاویل ۲/ ۴۶۲

ہمیں تواضع کا یہ سبق اوپر سے ملا ہے، حدیث پاک میں آیا ہے: **مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ** ''جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی، اللہ-رب العزت- اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں'' نبی-علیہ السلام- جب کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تھے، تو آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- فرماتے تھے کہ میں اس طرح بیٹھ کر کھانا کھاتا ہوں جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔(۱)

نبی علیہ السلام دعا مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي فِي عَيْنِي صَغِيراً، وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيراً

''اے اللہ! مجھے لوگوں کی نگاہوں میں بڑا کر دے، اور مجھے میری نگاہوں میں چھوٹا بنا دے''(۲)

''لوگوں کی نگاہوں میں بڑا کر دے'' کا کیا مطلب؟ اس لیے کہ بندہ دعوت الی اللہ کا کام اس وقت تک نہیں کر سکتا، جب تک لوگوں کی نظر میں اُس کا مقام نہیں ہوگا۔

آج حالت یہ ہے کہ ہم لوگوں کی نظر میں چھوٹے ہوتے ہیں، اور اپنے آپ میں ہم بہت بڑے ہوتے ہیں، ہر وقت یہی بات ذہن میں ہوتی ہے، کہ **اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ** ''میں اس سے اچھا ہوں۔'' دس پندرہ بندے پڑھنے والے ہوں تو ہر ایک کہتا ہے کہ میں اس سے اچھا ہوں، مل کر رہنے والے ہوں تو الجھ پڑتے ہیں، ہر ایک کہتا ہے کہ میں اس سے اچھا ہوں، آج لڑائی اس بات کی ہی ہے۔ ہمارے مشائخ ایک عجیب بات فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں: کہ طلبہ کو اس طرح رہنا چاہیے کہ ہر طالب علم دوسرے دوستوں کو سمجھے کہ ''اصحاب کہف'' کی مانند ہیں، اور میں اصحاب کہف کے ''کتے'' کی مانند ہوں، جس طرح اصحاب کہف کی برکت سے اللہ تعالی نے کتے کے ساتھ مغفرت کا وعدہ فرما لیا، میرے دوستوں کے صدقے مولی میری بھی مغفرت فرما دیں گے، ہم اس طرح دوسروں کو عزت دے کر دیکھیں، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالی کیسے بلندیاں عطا فرماتے ہیں۔

(۱) مشکاۃ المصابیح باب فی اخلاقہ وشمائلہ ص:۵۲۱ رقم ۵۵۷۹ (۲) کشف الاستار، باب دعاء النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص:۶۱، رقم:۳۱۹۸

ہمارے حضرات نے تو ہمیں چھپنا سکھایا ہے؛ مگر آج لوگ چھپنا پسند کرتے ہیں، اخبار والوں سے جا کر اُلجھتے ہیں، کہ ایک کالم کی خبر کیوں لگائی؟ تین کالم کی ہونی چاہیے تھی۔ آپ ٹی وی کے قرّاء کی شکلیں دیکھا کریں، آپ کو ساری بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی، اب چوں کہ ریڈیو کے قاری بن گئے، ٹی وی کے قاری بن گئے؛ اس لیے بناوٹ آجاتی ہے، سج دھج کر رہنا، بن سنور کر رہنا، اُن کا شعار بن جاتا ہے، کیا فائدہ اس اسکرین کے مولوی بننے کا کہ سنت ہی چھوٹی ہوتی چلی جائے؟ کہنے کو علامہ اور چہرے پر سنت ہی پوری نظر نہیں آتی، کیا اس طرح عزتیں ملیں گی؟ نہیں؛ بلکہ جُھکنے سے عزتیں ملتی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی تواضع

حضرت مولانا قاسم نانوتوی-رحمۃ اللہ علیہ-کو ایک مرتبہ دعوت دی گئی، کہ آپ ''شاہجہاں پور'' میں آیئے، اور دینِ اسلام کی دعوت دیجیے۔ عیسائیوں کو بھی آنا تھا، ہندؤں کو بھی آنا تھا، اس کے علاوہ اور اَدیان کے لوگوں کو بھی آنا تھا، اور وہاں پر ہر ایک کو اپنے دین کی بات کرنی تھی۔ اس پر ''مباحثہ شاہجہاں پور'' کے نام سے ایک کتابچہ بھی موجود ہے۔ حضرت نانوتوی-رحمۃ اللہ علیہ-چل پڑے، حضرت نے ان کو پہلے بتادیا تھا، کہ میں ایک دن پہلے ریل گاڑی کے ذریعہ پہنچ جاؤں گا۔ حضرت اکیلے ہی چلے تھے، ابھی حضرت دو اسٹیشن پیچھے تھے، تو دل میں خیال آیا، کہ میں نے اُن کو بتادیا تھا کہ ریل گاڑی کے ذریعے آؤں گا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرے استقبال کو آجائیں، اور میں تو استقبال کے قابل ہی نہیں ہوں؛ چنانچہ خیال آیا کہ ایک اسٹیشن پہلے اتر جاتا ہوں، آگے پانچ میل کا فاصلہ ہے، وہ میں پیدل ہی طے کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت ایک اسٹیشن پہلے ہی اُتر گئے، اور پیدل چل پڑے، راستے میں ایک بڑی نہر عبور کرنی پڑگئی، اس کا پُل نہیں تھا۔ جب نہر عبور کی تو حضرت کا پاجامہ اُس میں بھیگ گیا، حضرت نے تہبند باندھا، اور پاجامے کو بچھادیا؛ تاکہ یہ

خشک ہوجائے۔ پھر سوچا کہ اس کے سوکھنے میں تو دیر لگے گی، اور اس طرح میرا وقت ضائع ہوگا، چنانچہ آپ نے اپنی لاٹھی کندھے پر رکھی، اور اس کے پیچھے لٹکالیا۔ یہ اسلام کا سفیر اپنی فقیرانہ شان میں جارہا تھا۔ حضرت اللہ کی یاد میں مست چلتے رہے، حضرت علم کے آفتاب اور ماہتاب تھے، جبالِ علم میں سے تھے؛ مگر اس فقیرانہ انداز میں پہنچے۔ حضرت-رحمۃ اللہ علیہ- جب اس شہر میں پہنچے تو ایک سرائے میں کمرہ کرائے پر لے کر قیام کرلیا، اور سوچا کہ کل میں اپنے وقت پر مجلس کی جگہ پہنچ جاؤں گا، ادھر جو لوگ انتظار کے لیے آئے ہوئے تھے، انہوں نے جب دیکھا، کہ ٹرین آچکی ہے، اور حضرت ابھی تک نہیں آئے، تو وہ حیران ہوئے، اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا؛ مگر کہیں نہ ملے۔ اُن میں سے جو بڑے عالم تھے، انہوں نے کہا: پتہ کرو، کہ ہوسکتا ہے کہ ٹرین میں نہ آسکے ہوں، لیٹ ہوگئے ہوں، کسی اور ذریعہ سے پہنچے ہوں، اور شہر میں کہیں آگئے ہو۔

انہوں نے شہر کی ''سرائے'' سے پتہ کیا، تو قاسم نام کے کسی بندے کا نام نہ ملا۔ انہوں نے کہا: کہ میں خود پتہ کرتا ہوں، جب انہوں نے خود دیکھا تو اُنہیں ایک جگہ ''خورشید حسن'' کا نام لکھا نظر آیا- یہ حضرت کا تاریخی نام تھا، حضرت نے اپنے اسی تاریخی نام سے ایک کمرہ بُک کروالیا تھا؛ تاکہ کسی کو جلدی پتہ نہ چلے- انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ منشی نے کہا: کہ یہ ایک بہت ہی نازک بدن والے آدمی ہیں- حضرت جسمانی اعتبار سے بہت ہی نرم ونازک تھے-؛ لہذا وہ پہچان گئے کہ حضرت یہی ہیں۔ ہم لوگ تو شرح کی مانند ہوتے ہیں، اور وہ متن کی مانند تھے **اِختَصَر یَختَصِرُ اِختِصَاراً فَھُوَ مُختَصَرٌ**، اللہ تعالی نے انہیں **بسطۃً فی الجسم** نہیں بنایا تھا؛ بلکہ **بسطۃً فی العلم** بنادیا تھا؛ چنانچہ جب انہوں نے دروازہ کھولا، تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت موجود ہیں، پوچھا: حضرت آپ یہاں موجود ہیں؟ ہم تو آپ کا استقبال کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر جمع تھے۔ فرمایا: اسی لیے تو میں اسٹیشن پر گیا نہیں، کہ آپ استقبال کے لیے جمع تھے اور میں استقبال کے قابل

نہیں ہوں۔اس کے بعد حضرت نے ایک عجیب بات کہی ، جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے،فرمایا:''چند لفظ پڑھ لیے تھے مخلوقِ خدا پہچان گئی؛ ورنہ تو قاسم اپنے آپ کو ایسا مٹاتا، کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلتا۔''

اللہ تعالی ایسی سوچ رکھنے والوں کو عزتیں اور بلندیاں عطا فرماتے ہیں۔

میرے دوستوں! جب دل میں اپنے آپ کو مٹانے کی یہ کیفیت ہو،تو اللہ تعالی ایسے لوگوں کو اوپر اٹھایا کرتے ہیں۔آج جہاں تک علم کا نام رہے گا، قاسم نانوتویؒ کا نام بھی وہاں تک رہے گا۔

یہ عاجز آپ حضرات کی خدمت میں پہلے بھی کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ دوستوں! اپنی ''میں'' کو مٹالو، یاد رکھنا! جو اپنی ''میں'' کو نہیں توڑتا، تو پھر اس کی ''میں'' کو پروردگار توڑتے ہیں اور جس کی ''میں'' پروردگار توڑے، تو اس کا تماشہ دنیا دیکھتی ہے، ''میں'' کو توڑیں عاجزی وانکساری پیدا کریں۔

دار العلوم دیو بند کے طلبہ کی تواضع

حضرت اقدس تھانوی -رحمۃ اللہ علیہ- نے جس سال دار العلوم دیو بند سے دورۂ حدیث کیا، تو دار العلوم کی انتظامیہ نے طلبہ کی دستار بندی کے لیے ایک جلسے کا اہتمام کیا، حضرت اقدس تھانوی -رحمۃ اللہ علیہ- کچھ اور طلبہ کو لے کر اپنے استاذ حضرت شیخ الہند -رحمۃ اللہ علیہ- کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو شیخ الہند نے پوچھا: اشرف علی ! کیسے آئے؟ عرض کیا: حضرت! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ دار العلوم کی انتظامیہ ہماری دستار بندی کے لیے جلسہ کر رہی ہے، ہم جیسے نالائق طلبہ کی دستار بندی ہوگی، تو دار العلوم کی بدنامی ہوجائے گی؛ لہذا آپ انہیں منع فرمادیں۔یہ سُن کر شیخ الہند جلال میں آگئے، اور فرمانے لگے: اشرف علی ! تم ابھی اپنے اساتذہ کے سامنے ہوتے ہو؛ اس لیے تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آتا، جب ہم نہیں ہوں گے، تو تم ہی تم ہوگے۔اور واقعی وہ وقت بھی آیا کہ جب تم ہی تم کا سماں تھا۔

یوں انہوں نے اپنے آپ کو مٹایا، اور اللہ-رب العزت- نے اُن کو اٹھایا۔

کسی شاعر نے ایک عجیب شعر کہا۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو، لوگوں! صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور، جھکی جاتی ہے گردن بھی

ایک اور شاعر نے اسی بات کو ایک عجیب انداز سے باندھا۔

جو اہلِ وصف ہوتے ہیں، ہمیشہ جُھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر، بھرا کرتی ہے پیمانہ

جب تک صراحی کا سر نہ جُھکے، وہ پیمانہ نہیں بھر سکتی، اسی طرح اگر ہمارے اندر بھی تواضع ہوگی تو اللہ تعالی ہم سے بھی علم کا فیض جاری فرما دیں گے۔

(۳) زہد

طالب علم کے اندر جو تیسری چیز ہونی چاہیے، وہ ہے ''زہد'' **فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدُّنْيَا** ''جو بندے اور دنیا کے درمیان ہے''۔(۱)

زہد کا مطلب کیا ہے؟ زہد کا مطلب یہ نہیں کہ چیزیں کم ہوں، اس کا مطلب ہے: ''خواہشات کا کم ہونا''؛ ورنہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگ ہوں گے، جو دنیا میں فقراء ہوں گے، اور قیامت کے دن قارون کے ساتھ اُن کا حشر ہوگا!!!؛ اس لیے کہ اُن کے دل کی چاہتیں ہی ایسی ہوں گی۔ اور کئی دنیا کے بادشاہ ہوں گے اور قیامت کے دن اُن کو فقراء کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا!! ہمارے حضرت -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے تھے: کہ اللہ تعالی کی طرف راستہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا، ان گلی کوچوں اور بازاروں سے ہو کر جاتا ہے۔

سفیان ثوریؒ ہر دن نئی قمیص پہنا کرتے تھے، تین سو پینسٹھ کپڑے ایک سال میں

---

(۱) مجموعہ تفاسیر: انوار التنزیل، لباب التاویل ۳/ ۶۲۴

بدلتے تھے اور وہ زاہدین میں سے تھے۔

یہ کہاں لکھا ہے کہ تم نہ اپنا چہرہ دھوؤ، نہ بال ٹھیک کرو، نہ کپڑے مناسب ہوں، پسینے کی بو آ رہی ہو اور مہمانوں کو ملنے کے لیے آ جاؤ؟ نہیں، یہ زہد نہیں ہے؛ یہ تو بے وقوفی ہے۔ زہد یہ ہے کہ دل میں دنیا سے تعلق نہ ہو۔ تو دل کی آرزوؤں کے کم ہو جانے کا نام زہد ہے۔ طلبہ کو اس لفظ کو خوب اچھی طرح سمجھنا چاہیے اور اس کی حقیقت کو دل میں بٹھانا چاہیے۔

دیکھیے اللہ -رب العزت- نے ہمیں ایک بڑے کام کے لیے چنا ہے، ہم آخرت کے طلب گار بنیں دنیا کی طلب کو چھوڑ دیں، دنیا طلبی اور چیز ہے، خدا طلبی اور چیز ہے، ہم نے خدا طلبی کے راستے کو اپنایا ہے؛ اس لیے رزق کے معاملہ میں ہمیں مجاہدہ بھی آئے، تو ہم بخوشی قبول کریں۔ جو انسان دنیا میں تھوڑے رزق پر اللہ سے راضی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے تھوڑے عملوں پر راضی ہو جائے گا۔

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا(۱)

ہم پر اللہ -رب العزت- کی کتنی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں علم کے لیے چن لیا، ہمارا اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں؛ یہ اللہ -رب العزت- کا ہم پر احسان ہے۔ -الحمد للہ- ۔ دنیا کی محبت دل سے نکال دیجیے؛ کیوں کہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے، حدیث پاک میں آتا ہے **حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ** ''دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے'' (۲) اگر دل میں ہَوَس بھی نہ ہو، اور آرزوئیں بھی کم ہوں، تو پھر علم کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر طالب علم، علم کی طلب میں سنجیدہ نہ ہو، تو اس کے لیے، یہ علم، علم نافع نہیں بن سکتا۔

یاد رکھیں! جو مقدر میں لکھا ہے، وہ یقیناً مل کے رہتا ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں، کہ جی اگر آپ عالم بنیں گے، تو کھائیں گے کہاں سے؟ ایسا کہنے والے یا تو جاہل ہوتے ہیں، یا پھر

---

(۱) کنز العمال، کتاب الاخلاق، ۳/۷۰۹ (۲) دیوان امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ص: ۸۸

متجاہل ہوتے ہیں، بھئی! عالم بن کرنہیں کھائیں گے،تو پھر کب کھائیں گے؟ آپ کوئی ایک مثال بیان فرما دیجیے! کہ کوئی حافظ ہو، یا عالم ہواور وہ بھوک پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا ہو۔کوئی ایک مثال نہیں دے سکتے ،زیادہ کھا کر مرنے والوں کی مثالیں تو ہم بھی دیتے ہیں،امام مسلم کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ کم کھا کے مرنے کی مثال آپ نہیں دے سکتے ،البتہ یہ عاجز اسی جگہ بیٹھے ہوئے آپ کو مثال دے سکتا ہے،''پی ایچ ڈی'' ڈاکٹر،''ایم بی بی ایس'' ڈاکٹر''ایم ،اے''''ایم ایس سی'' کئے ہوئے کتنے بندے ایسے تھے، کہ جن کے حالات ایسے بنے کہ وہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے مر گئے۔تو بتائیے کہ رزق کس لائن پر زیادہ ملا؟اس علم کی لائن پر زیادہ ملا۔فرق اتنا ہوتا ہے کہ آپ کو دفتر سے ملتا ہوا نظر آتا ہے،لیکن اللہ کی طرف سے ملتا ہوا نظر نہیں آتا۔یہ علماء وہاں سے کھاتے ہیں، جہاں سے انبیاء کھایا کرتے تھے؛ کیوں کہ یہ انبیاء کرام کے وارث ہیں ان کا رزق بھی اسی حساب سے ہے۔جیسے تنخواہ ملنے کی ایک روٹین ہوتی ہے، کئی جگہوں پر ہاتھ سے دیتے ہیں،اور کئی جگہوں پر بینک کے ذریعے دیتے ہیں،ترتیب مختلف ہوتی ہے،اسی طرح اللہ تعالی نے رزق کی جو ترتیب انبیاء کرام کے لیے بنائی تھی ،وہی علماء کرام کے لیے بنادی۔

محترم سامعین!منبرِ رسول پر بیٹھا ہوں، میں نے ایک نوجوان جنرل منیجر کو دیکھا، جو ستر ہزار روپیے ماہانہ تنخواہ لیتا تھا،وہ اپنا حال سناتے ہوئے رو پڑا، کہنے لگا:جی کیا کروں، میرے خرچے پورے نہیں ہوتے؟ میں نے کہا: آپ رو نہیں رہے ہیں،آپ کو رُلایا جا رہا ہے،اگر آپ تقوی و پرہیز گاری کی زندگی نہیں اپنائیں گے،تو پھر ایڑی چوٹی کا زور لگالیں،آپ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔یاد رکھیں! تقوی، رزق کو اس طرح کھینچتا ہے،جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔علماء اور طلباء یہ بات ذرا دل کے کان کھول کر سنیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو ماہانہ تین روپے تنخواہ ملتی تھی، دو روپے سے گھر کے اخراجات پورے کرتے تھے، اور ایک روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے تھے۔

الغرض تقوی، تواضع اور زہد؛ یہ تین چیزیں اپنے اندر پیدا کر لیجیے، تو اللہ تعالی ''راسخین فی العلم'' میں شامل فرمادیں گے۔

ایک عالمی فتنہ.....اور اُس سے حفاظت کے کہف

جدید دور میں ایک نیا فتنہ ظاہر ہوا ہے، جس کو کہتے ہیں ''عالمی فتنہ'' یہ فتنہ کیا ہے؟ کہ کفر نے دین اسلام کو زندگیوں سے نکالنے کے لیے اس وقت ایک ''سائبر جنگ'' شروع کردی ہے، میں آسان الفاظ استعمال کروں گا تا کہ طلبہ سمجھ سکیں۔

دو ہتھیار ایسے انہوں نے ایجاد کیے ہیں جو ایمان کو مٹا کر رکھ دیتے ہیں:

(۱) انٹرنیٹ

(۲) سیل فون

پہلا ہتھیار انٹرنیٹ

یہ ''انٹرنیٹ'' پہلا ہتھیار ہے **Internet** کو تو کہنا چاہیے **Enter In to The Net** یعنی جال کے اندر داخل ہو جاؤ۔ مدارس کے طلبہ ابھی بے خبر ہیں۔۔الحمدللہ۔ابھی ان کو کچھ پتہ نہیں؛ لیکن اس انٹرنیٹ سے دنیا میں کتنی تباہی پھیل رہی ہے، کتنی امت ایمان سے محروم ہو رہی ہے، اس کا اندازہ وہ کرسکتا ہے، جس کو سفر کرنے کا موقع ملتا ہے۔عریانی، فحاشی اتنی عام ہوگئی ہے، کہ انٹرنیٹ کے اوپر ننگے بندے گھر میں بیٹھے دیکھ رہے ہیں، اب اس بندے کا ایمان کیسے بچے گا، بھئ؟ تو یہ چیزیں انہوں نے عام کردیں جس کی وجہ سے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان گھنٹوں سکرینوں پہ بیٹھ کر گندی فلمیں دیکھتے ہیں، گندے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔اور ان کے رابطے کا طریقہ بھی بنا دیا، یہ''

فیس بُک'' ہے، اس کے ذریعہ رابطہ کرو۔

اور دوسرا ہتھیار جو ہے، اس کا نام ہے ''سیل فون'' جس کو میں کہا کرتا ہوں ''ہیل فون'' یہ جہنم کا فون ہے، قسمت والے ہوں گے جو سیل فون کے فتنے سے بچ کر جنت میں جائیں گے۔ شیطان کے ہاتھ میں انسانوں کا ایمان برباد کرنے کے لیے تاریخ میں کبھی ایسا مہلک ہتھیار نہیں آیا تھا، جو یہ مصیبت سیل فون کی آئی ہے۔ ہے بھی ضرورت اور ہے بھی مصیبت، جس نوجوان کو دیکھو سیل فون کے ذریعہ لڑکی سے رابطہ؛ کیا نمازی، کیا تہجد گزار، کیا ذاکر، کیا غافل؛ سب پیچھے لگ گئے اس کام کے؛ چنانچہ میرے پاس ایک نوجوان آیا، عمر اس کی کوئی سترہ سال تھی، ٹپ ٹپ آنسو سے رو پڑا، مجھے بڑا اس پر پیار آیا کہ یہ نوجوان ہے، اور رو رہا ہے، میں نے پوچھا کہ بچے! کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگا میری دادی کے لیے ہدایت کی دعا کریں۔ سترہ سال کا نوجوان دادی کے لیے دعا کروانے آیا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کہ میرے دادا فوت ہو چکے ہیں، دادی جو ہے ۷۸ سال اس کی عمر ہے، اور چھ چھ گھنٹے بیٹھ کر ننگی تصویریں دیکھتی ہے!! سترہ سال کا نوجوان روتا ہے، کہ میری دادی کے لیے ہدایت کی دعا کریں۔ یہ انٹرنیٹ اتنی خبیث چیز ہے یہ فتنہ پوری دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے، ایسا خبیث ہے کہ نہ چھوٹا بچا ہے، نہ بڑا، نہ دنیادار بچا ہے، نہ دین دار؛ الا ماشاء اللہ۔ اور کفر نے منصوبہ بندی کے ساتھ کمپنیوں کو کہہ دیا کہ تم ایمان خراب کرنے کے لیے پالیسیاں بھی جاری کرو! چنانچہ انہوں نے کیا کیا؟ سیل فون والی کمپنی کے کمرشل بورڈوں پر لکھا ہوتا ہے ''کرو بات ساری رات'' ''رات کو فری بالکل فری''۔ ہمیں تو لوگوں نے خود بتایا کہ ہم تو جی تین تین گھنٹے، چار چار گھنٹے غیر محرم سے باتیں کرتے ہیں۔ اب اگر نوجوان تین چار گھنٹے ہی غیر محرم سے باتوں میں لگا دیں گے، تو وہ قوم پڑھے گی کیا؟ اور کرے گی کیا؟

چنانچہ کالجوں، یونیورسٹیوں میں ایک عام شکایت ہے، پروفیسر کہتا ہے کہ جی طلبہ آتے ہیں، اور سوئے ہوتے ہیں کلاسوں میں، راتوں کو نیندیں پوری نہیں ہوتیں صبح کو سو رہے ہوتے ہیں، اور ان کا نہ تعلیم میں دل لگتا ہے نہ ان کو کچھ یاد رہتا ہے۔ پوری امت کو

اس فتنے نے اس کام کے اوپر لگا دیا، اب بتائیے کہ روحانی حالت کتنی خراب ہوگئی؟

ہمارے ملک میں ''امام گُوگل'' کے پیروکار

اس ملک میں اثرات پھر بھی کم ہیں-الحمدللہ-.....ایک دفعہ سعودی عرب ائیر پورٹ پر یہ عاجز پاکستان آنے کے لیے بیٹھا تھا، تو ایک انگریزی اخبار دیکھنے لگ گیا کہ ابھی وقت ہے، دیکھوں اس وقت کے حالات کیا ہیں؟ تو اخبار میں لکھا ہوا تھا: کہ پاکستان دنیا کا ایسا ملک ہے جس میں انٹرنیٹ کا استعمال سب سے کم ہے؛ دس فیصد سے بھی کم لوگ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں۔ میں نے کہا ''الحمدللہ'' اتنی محنت کے باوجود اس ملک میں امام گُوگل کے پیروکار دس فیصد سے بھی کم ہیں-یہ گوگل، انٹرنیٹ کو استعمال کرنے کی ایک سروس ہے-تو عاجز کے لیے یہ ایک خوشی کی خبر تھی، میں نے تہجد میں دعا کی ''الحمدللہ'' یا اللہ تیری رحمت ہے۔

اور واقعی کفر اس بات پر بڑا پریشان ہے کہ اس ملک کے لوگ کیوں دین سے پیچھے نہیں ہٹتے؟ کوشش انہوں نے بہت کیں، کہ لوگوں کو دین سے ہٹاؤ؛ نہیں ہٹا سکے، الحمدللہ دین کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، اور یہ محنت ہے علماء کرام کی، اس پر کفر بڑا پریشان ہے۔

اِس فتنے سے کیسے بچیں؟

تو کفر نے دنیا کے لوگوں کو اللہ سے اور دین سے دور کرنے کے لیے اور انہیں شہوت بھری زندگی میں لگانے کے لیے، یہ سیل فون اور انٹرنیٹ ایجاد کر دیا، یہ اس وقت کا عالمی فتنہ ہے۔اب اس عالمی فتنہ سے بچنا بڑا مشکل ہے، کیسے بچیں گے؟ حدیث پاک میں ہے کہ ''قربِ قیامت میں ایسے فتنے ہوں گے کہ ہر کچے اور پکے مکان میں پہنچیں گے، ہر بندے تک پہنچیں گے۔اور اس وقت ایمان اسی کا بچے گا جو ''سورۂ کہف'' پڑھے گا''۔(۱)

سورۂ کہف ہمیں کیا تعلیم دیتی ہے؟ سورۂ کہف کو پڑھیں تو اس میں ایک واقعہ نظر آتا

(۱) مستفاد: صحیح مسلم باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی ۱/۲۷۱رقم:۸۰۹

ہے کہ چند نوجوان تھے۔

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى(۱)

وہ اپنا ایمان بچانے کے لیے، اور وقت کے بادشاہ کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے نکل پڑے اللہ کی طرف، اور پھر اللہ نے ان کو غار میں سلا دیا، اور غار کے اندر ان کا ایمان بچا رہا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو وہ بادشاہ بھی جا چکا تھا، وہ ظلم بھی ختم ہو چکا تھا۔ تو سورۂ کہف ہمیں تعلیم دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالی نے ان ایمان والوں کا ایمان بچایا، آج کے اس دور میں ہمارا ایمان بھی تب بچے گا، جب ہم بھی کسی کہف کے اندر زندگی گزاریں گے۔

اس دنیا میں دو بڑے کہف ہیں ''مکہ اور مدینہ۔'' یہ اتنے بڑے کہف ہیں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''دجال اکبر بھی ان شہروں میں نہیں آسکے گا۔''(۲) اور ان کے علاوہ تین کہف اور ہیں، کیوں کہ مکہ مدینہ تو دور ہیں اور ہر بندہ تو مکہ مدینہ نہیں جا سکتا، دیگر ملکوں میں کوئی کیسے ایمان بچائے گا؟ اس کے لیے تین کہف ہیں:

(۱) ایک کہف ہے تبلیغی جماعت الحمد للہ! ثم الحمد للہ! اس امت کے کروڑوں نوجوان اس وقت اس کہف کی وجہ سے ہدایت کے اوپر جمے ہوئے ہیں۔ باہر فتنہ ہے، باہر معصیت کی، گناہوں کی آگ لگی ہوئی ہے، یہ آج بھی تہجد کی فکر میں ہوتے ہیں، تکبیر اولی کی فکر میں ہوتے ہیں، اپنے جسم کو نبیؐ کی سنتوں سے سجانے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہف میں ہیں۔

(۲) اور دوسرا کہف ہے جس کو کہتے ہیں ''خانقاہ'' کہ جہاں کہیں کوئی باخدا اللہ والا آنے والوں کو اللہ اللہ سکھا رہا ہے۔ اس کے جو متعلقین ہوتے ہیں، وہ بھی ایک کہف کے اندر ہوتے ہیں، ان کے بھی ایمان بچے ہوئے ہوتے ہیں، وہ رسم ورواج سے بچے، باہر کے فیشنوں سے بچے، فتنے سے بچے۔ جب تک وہ جڑے رہتے ہیں، وہ کہف کے اندر ہوتے ہیں۔

---

(۱) پ: ۱۵ سورۃ الکہف آیت: ۱۳ (۲) مستفاد: سنن ترمذی، باب ماجاء في ذکر ابن صیاد، ۲/۴۹، رقم: ۲۲۴۶

(۳) مدارس کا کہف

ایک کہف کا نام ہے''مدرسہ'' آپ نے دیکھا ہوگا، جو طلبہ آتے ہیں، وہ الگ ماحول میں آجاتے ہیں، باہر کی دنیا سے انکا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔تو یہ مدارس بھی کہف ہیں، اساتذہ کے سامنے رہتے ہیں، اللہ کی محبت رہتی ہے، نمازوں کی فکر رہتی ہے، باہر کے فتنوں کا پتہ ہی نہیں ہوتا، باہر کیا ہو رہا ہے، خبروں کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔تو یہ کہف میں رہنے کی مانند ہے، ایمان بچ جاتا ہے۔آپ لوگ خود ہی تو کہتے ہیں کہ:''حضرت! یہاں رہتے ہیں، تو کیفیت اچھی ہوتی ہے، جمعرات کو گھر جاتے ہیں، تو عجیب مصیبت ہوتی ہے۔'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کہفی زندگی ہے۔تو مدرسہ کے طلبہ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی نے اس فتنہ کے دور میں ایمان بچانے کے لیے آپ کو ایک کہف عطا فرما دیا ہے؛ لہذا اساتذہ کے ساتھ جڑے رہیں، ان سے مشورہ کرتے رہیں، ان سے تربیت لیتے رہیں، ان کی بات مانتے رہیں، اپنے ایمان کو فتنوں سے بچاتے رہیں۔

آپ خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے آپ کو مدرسے کی زندگی سے جوڑا ہے۔اپنے آپ کو محروم القسمت نہ سمجھیں، کہ جی ہم تو باہر ہی نہیں نکلتے۔ پریشان نہ ہوں، بعض طلبہ سوچتے ہیں کہ جی ہمیں تو باہر کی دنیا کا پتہ ہی نہیں، بھئی! یہ نقصان کی بات نہیں ہے، یہ خوشی کی بات ہے، یہ صفت کی بات ہے کہ ہمیں برائی کے طریقوں کا پتہ ہی نہیں ہے، ہم فتنوں سے بچے ہوئے ہیں-الحمد للہ-۔آپ اگر گھر کے کمرہ کے اندر ہوں، اور باہر آندھی چل رہی ہو، تو اندر بیٹھنے والے پریشان نہیں ہوتے ہیں، خوش ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ جو باہر سے آتا ہے تو اس کے منہ اوپر مٹی برس رہی ہوتی ہے، جو باہر سے آتا ہے اس کا منہ مٹی والا ہوتا ہے۔تو بالکل یہی حال ہے آج کے دور میں، جو کہف کے اندر ہے، وہ گناہوں کی معصیت کی مٹی سے بچا ہوا ہے، جو کہف سے نکلے گا، وہ واپس آئے گا، تو مٹی والا چہرہ لے کر آئے گا۔تو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہم اس پر خوش ہیں الحمد للہ! اللہ نے ہم پر رحمت

کردی، ہمارا ایمان بچانے کے لیے اللہ نے ہمیں اصحاب کہف کے ساتھ جوڑ دیا۔

چنانچہ کتنے نوجوان ہیں جو مدرسوں کے ماحول میں رہ کر آج بھی اولیاء والی زندگی گزار رہے ہیں۔ کتنے طلباء ایسے ہیں، مختلف مدارس سے خطوط لکھ کر حالات بتاتے ہیں -الحمدللہ- سالوں ان کی تکبیر اولی قضاء نہیں ہوتی، سالوں ان کی تہجد قضاء نہیں ہوتی۔ اللہ کی ایسی عجیب مہربانیاں ہیں۔ تو دیکھو! یہ کہف ایمان بچانے والا ہے یا نہیں؟

آپ کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ کو مت دیکھا کریں، ان کی جو اندر سے اَبتَر حالت ہے وہ ہم سے پوچھیں؛ کیوں کہ لوگ دل کی جو باتیں بتاتے ہیں، حکیم کو جسمانی علاج کے لیے بتاتے ہیں، یا پیر کو روحانی علاج کے لیے۔ یونیورسٹیوں کے نوجوانوں کی اندر سے فتنوں کی وجہ سے اتنی بری حالت ہے کہ کچھ نہ پوچھیں، کمپیوٹر نے ان کے ایمان کو برباد کر کے رکھا ہوا ہے۔ اور آپ تو ماشاء اللہ ایمانوں کو محفوظ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس عالمی فتنے سے بچنے کے لیے آج کہفی زندگی ضروری ہوگئی ہے۔

نصیحت

اور بچو! یہ سیل فون سانپ اور بچھو سے زیادہ نقصان دہ ہے؛ سانپ نے ڈسا تو جان جائے گی، سیل فون نے ڈسا تو ایمان جائے گا!! ضرورت بھی اگر کسی کی ہو، تو بس اس کو تو ایسے سمجھے، کہ بچھو ہاتھ میں لے رہے ہیں کام کرو اور ختم۔ یہ سیل فون پہ میسیج کرنے اور سیل فون پہ باتیں کرنا، اور اس کو ماں باپ سے اور استاذ سے چھپا کر رکھنا، اور خوش ہونا؛ ایسا نہیں کرنا چاہیے، اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اس مصیبت سے جان چھڑائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی آج کے اس دور میں ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور اللہ تعالی ہمیں دین کے اوپر جمائے رکھے۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ میرے اللہ! تیرا کتنا کرم ہے، تیرا کتنا احسان ہے؟ ہمارے جسم کا ہر ہر بال زبان بن جائے، میرے مولی! تیرا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ تو نے اس

فتنے کے دور میں ہمارے اس ایمان کو محفوظ رکھا ہے، اپنی محبت سینوں میں ڈالی ہے، قرآن کی محبت سینوں میں ڈالی ہے، جس کو پڑھنے کے لیے یہ سارے بچے ماشاء اللہ اپنے گھروں سے آئے ہوئے ہیں۔ اللہ-رب العزت-ہمیں دین کے اوپر جمائے رکھے، دین کے اوپر لگائے رکھے۔ قیامت کا دن ہوگا، نبی علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر صحابہ کی جماعت ہوگی، پھر فقہاء ہوں گے، پھر محدثین ہوں گے، مشائخ صوفیاء ہوں گے، نیک لوگ ہوں گے؛ تو پھر اس دن اس علم کی نسبت سے اللہ ہمیں بھی انہیں کے پیچھے کھڑے ہونے کی توفیق دیں گے، چوں کہ پیچھے جو اُن کے چلے تھے، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے، میرے بندے کیا لائے؟ اب اعمال تو ہیں نہیں صرف اتنا کہیں گے؟ میرے اللہ! ہمارے پاس کوئی عمل تو ایسا نہیں ہے، جو آپ کو پیش کر سکیں، بس اتنا ہے کہ زندگی بھر ہم دین کے ساتھ جڑے رہے تھے۔

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

میرے مولیٰ! اگر ہماری اس نسبت کو قبول کرلیں تو ہمارے پاس ایک ہی چیز ہے۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو اک یہی آسرا ہے

اور اگر یہ نسبت اس دن قبول نہ ہوئی، تو پھر سوچیں کہ اللہ کے سامنے ہمارا کیا حال ہوگا؟ اللہ! چٹائیوں کے اوپر بیٹھ بیٹھ کے جسم پر ایسے گٹے پڑ گئے، جیسے جانوروں کے پڑ جاتے ہیں، گائے بھینسوں کے گٹے پڑے ہوتے ہیں، اگر ہمیں بھی ان چٹائیوں پہ بیٹھ بیٹھ کے گٹے پڑ گئے اور پھر جہنم میں ڈالے گئے، تو ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا؟ میرے مولیٰ! ہم کمزور ہیں، تو ہمارے ایمان کی حفاظت بھی فرما دے۔

اے اللہ! محبت کی نظر جو فضیل بن عیاض پر اٹھی کہ ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کر ولیوں کا سردار بنادیا۔

محبت کی وہ نظر جو بشر حافی پہ اٹھی کہ دنیا کے شراب خانے سے نکال کر اپنی محبت کا جام پلادیا۔

محبت کی وہ نظر جو جنید بغدادی پہ اٹھی کہ دنیا کی پہلوانی سے نکال کر روحانیت کی دنیا کا پہلوان بنادیا، اللہ ا محبت کی وہ ایک نظر ہمارے سینوں پہ ڈال لیجیے، ایک مرتبہ اس محبت کی نظر سے دیکھ لیجیے! میرے اللہ! آپ ہی کے لیے یہ طلبہ گھروں سے نکل کر یہاں آئے ہیں، اللہ مہربانی کردیجیے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائیے، ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائیے، اور اللہ ہمیں دین کے اوپر پوری زندگی لگے رہنے کی، جمے رہنے کی توفیق عطا فرمادیجیے۔

اہلِ علم کی نظر میں وقت کی قدر اور اس کا احساس

امام شافعیؒ کا قولِ ذیشان

امام شافعی-رحمۃ اللہ علیہ-فرماتے تھے: کہ مجھے صوفیائے کرام کی دو باتوں سے بہت فائدہ ہوا، کہ انہوں نے فرمایا: کہ (۱) ''وقت ایک تلوار ہے، اگر تم اسے نہیں کاٹو گے، تو وہ تمہیں کاٹ کے رکھدے گی''۔ (۲) ''اگر تم نفس کو حق بات میں مشغول نہیں کروگے، تو وہ تمہیں باطل میں مشغول کردے گا۔''

کامیاب زندگی والے اور اُن کی کامیابی کا راز

چنانچہ ہمارے اکابر نے وقت کی بہت قدر فرمائی؛ بلکہ دنیا میں جس نے بھی عزتیں پائیں، دین کے میدان میں یا دنیا کے میدان میں، ہر بندے کے حالاتِ زندگی پڑھ کر دیکھیں، انہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کی قدر کی ہوگی۔ ہمارے اکابر وقت کی اس طرح قدر کرتے تھے، جس طرح بخیل آدمی اپنے دراہم و دنانیر کی قدر کرتا ہے۔

آج کی اس مجلس میں یہ عاجز چند مثالیں پیش کرے گا؛ تاکہ ہمیں یہ احساس ہو، کہ ہمارے اکابر وقت کے کتنے پابند تھے، اور کتنے اس کے قدردان تھے؟

✳ ابن ابوقیس محدث گزرے ہیں، ہر وقت حفظِ حدیث اور روایتِ حدیث میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے کہا: کہ کچھ دیر ان سے بات بھی کرلیں، تو جواب میں فرمایا: کہ ''تم سورج کو تھام لو، تو میں تم سے باتیں کرنے کے لیے تیار ہوں؛ اس لیے کہ

غروب ہونے والا سورج انسان کو پکارتا ہے: کہ ''اے انسان آج میں تیری زندگی میں غروب ہو رہا ہوں، پھر لوٹ کر دوبارہ طلوع نہیں ہووں گا، ایک نیا دن ہوگا، یہ دن ہاتھوں سے چلا گیا''۔

❊ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ عبید بن یعیش ایک محدث تھے، حدیث کی کتاب سامنے ہوتی تھی، اور وہ اس کا مطالعہ کرتے تھے، اور اتنے مصروف ہوتے تھے کہ ان کو کھانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ بہن ان کے لیے کئی مرتبہ کھانا پکاتی، یا گرم کرتی، ان کو فرصت ہی نہ ملتی، تو بہن نے کہا: ''بھائی! اگر آپ کو مطالعے سے فرصت ہی نہیں، تو میں ہی لقمے بنا کے منہ میں ڈال دیتی ہوں، آپ مطالعہ بھی کرتے رہیں، اور لقمہ بھی چباتے رہیں''؛ چنانچہ بیس سال اُن کا یہ معمول رہا کہ کھانے کے وقت بہن لقمے ڈال دیتی تھی، وہ کھانا کھاتے تھے، اور کھانے کے وقت بھی مطالعہ جاری رہتا تھا!!

❊ امام رازی – رحمۃ اللہ علیہ – فرماتے ہیں: اللہ کی قسم مجھے بہت افسوس ہوتا ہے، اس وقت پر جو کھانے کے اندر گزر جاتا ہے، کہ میں اس وقت میں مطالعہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ وقت بہت ہی عزیز ہے۔

آج کل کے طلبہ کو اپنے کھانے پینے کی چیزیں پکانے سے ہی فرصت نہیں ملتی، رہی سہی کسر گپ شپ سے پوری ہو جاتی ہے؛ اسی لیے کہتے ہیں کہ مطالعہ کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔

❊ ابن سفون مالکیہ مذہب کے بڑے امام گزرے ہیں، ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، کھانا نہیں کھایا، اپنے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے۔ باندی تھی اس کا نام تھا ''ام ملام'' وہ بار بار آ کے پوچھتی میں کھانا لے آؤں؟ اور یہ کہتے: تھوڑا صبر کرلو، صبر کرلو، میں اور مطالعہ کرلوں۔ تو ایک موقع پر پھر اس نے کہا: کہ اچھا اگر آپ کے پاس کھانے کی فرصت نہیں، تو میں لقمے آپ کے منہ میں ڈال دیتی ہوں، کہنے لگے: بہت اچھا، وہ لقمہ منہ میں ڈال دیتی،

چبا لیتے؛ مگر مطالعہ کرتے رہتے، اس قدر مطالعہ کے اندر مستغرق تھے کہ جب صبح کے وقت مطالعہ ختم کیا، اور رام ملام کو کہا: کہ کھانا لاؤ، تو اس نے کہا: جناب! کھانا تو میں آپ کو کھلا چکی، کہنے لگے: مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

❊ نحو کے بڑے امام گزرے ہیں، امام نووی صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-ان کو اگر کوئی بندہ اپنے گھر کے لیے دعوت دیتا، تو وہ ایک شرط رکھتے، کہ اچھا اپنے گھر میں ایک الگ کمرہ دے دو میں اپنی کتابیں پیٹھ پر لاد کر لاؤں گا اور جتنی دیر میں تمہارا کھانا تیار ہوگا میں مطالعہ کرتا رہوں گا۔

❊ ابن تیمیہ-رحمۃ اللہ علیہ-اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر تکرار کرتے، اگر انہیں بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آتی، تو اپنے دوستوں سے درخواست کرتے، کہ آپ ذرا اونچی آواز سے تکرار کریں، کہ میں بیت الخلاء جا کر اپنی زبان سے کچھ بول تو نہیں سکتا؛ مگر کم از کم میں آپ کی آواز سنتا ہی رہوں گا، مجھے بھی تکرار میں حصہ مل جائے گا۔ بیت الخلاء کے وقت میں بھی مجھے مطالعے کے لیے وقت مل جائے۔ اللہ اکبر!

❊ علامہ باخلانی-رحمۃ اللہ علیہ-کی یہ عادت تھی کہ جب تک سونے سے پہلے رات کو پینتیس صفحات نئے لکھ نہیں لیتے تھے، اس وقت تک سویا نہیں کرتے تھے۔

❊ ''تذکرۃ الرشید'' میں لکھا ہے: کہ حضرت نانوتویؒ اس قدر محنتی تھے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سات آٹھ گھنٹے بمشکل سونے کھانے اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوتے ہوں گے، اور اس کے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے اور خیال مضمون کی تہہ میں ڈوبا جاتا تھا۔ مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا، تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے، صبح کو معلوم ہوا کہ رات کھانا نہیں کھایا تھا!!۔

❊ علامہ صدیق احمد کشمیریؒ زمانۂ طالب علمی میں صرف روٹی مطبخ سے لیتے، سالن نہ لیتے تھے، روٹی جیب میں ڈال لیتے، جب موقع ہوتا، کھا لیتے۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانے میں وقت صرف ہوتا تھا۔

وقت کی قدر کیجیے

محترم سامعین! وقت بہت قیمتی ہے؛ مگر اس کو ضائع کرنے میں کوئی قیمت نہیں لگا کرتی، وقت تو گزر رہا ہوتا ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ چُپکے چُپکے دَم بدَم

ہم نے تو زندگی کے کتنے سال، بغیر کوئی کام کیے فضول میں گزار دیئے، سونے میں گزار دیئے، بیٹھنے میں گزار دیئے، لہو ولعب میں گزار دیئے، فونوں میں گھنٹوں گزار دیئے!! گھنٹوں گپوں میں گزر جاتے ہیں، اور کئی مرتبہ تو ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے، بات ہی پوری نہیں ہوتی، یہ ایک ایسی مصیبت ہے سیل فون، اللہ اس کے شر سے بچائے، اس سے تو مجھے اللہ کے لیے بغض ہے۔ اور نوجوانوں کا حال کیا ہے؟ کہ "کرو بات ساری رات" نہ سورج چڑھنے کا ہوش نہ غروب ہونے کا، ہم اپنی زندگی کے وقت کو اس طرح ضائع کرنے پر تُل جاتے ہیں کہ جیسے ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے اکابر زندگی کے وقت کو اس طرح غنیمت بناتے تھے، کہ ایک وقت میں دو کام کیا کرتے تھے۔

مفتی اعظم حضرت مفتی شفیع -رحمۃ اللہ علیہ- فرمایا کرتے تھے: کہ میں نے اپنے بڑوں کو دیکھا کہ وقت کے کتنے قدردان تھے، میں نے بھی عادت بنالی، میں دو کام کر رہا ہوں، تو تیسرا اس میں گھسا دیتا تھا، اور اس کی برکت سے تیسرا بھی ہو جاتا تھا۔

اس لیے ہمارے اکابر -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے تھے کہ اگر تمہیں کوئی کام کروانا ہو، تو فارغ آدمی کو کام کے لیے نہ کہا کرو؛ اس لیے کہ اس کے پاس فرصت نہیں ہوتی، مصروف

بندے کو کام کو کہو، وہ مصروف بندہ اس کام کے لیے بھی وقت نکال لے گا۔

آج ہمارے اندر ایک عام بیماری ہے کہ ہمیں وقت کی قدر کا احساس ہی نہیں، ہم دنیا میں کیا ترقی کریں گے، دین میں کیا ترقی کریں گے۔ اگر طالب علم سے پوچھا جائے: کہ کیا حال ہے؟ تو کہتے ہیں: ''جی! پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔'' افسوس ہوتا ہے، اب بتائیے! جو اس کا اس وقت مقصد زندگی بنا ہوا ہے، اس کام میں اس کا دل نہیں لگتا، پھر وہ کیسے کام کر سکے گا؟ طالب علم کو تو چاہیے تھا کہ کہتا: کہ جی مشغول اتنا ہوں کہ مجھے سَر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔ جس قوم کے نوجوانوں کا یہ عالم ہو، پھر وہ قوم کیسے آگے بڑھ سکے گی؟ آپ کو تو یہ چاہیے کہ بدن کو کام کر کے تھکائیں، اپنی جوانی کو پڑھنے میں کھپائیں، تھکنے میں خوش ہوں، نہ کہ فارغ رہنے میں خوش ہوں۔ اہل اللہ کی موت پر وہ جگہیں روتی ہیں، جہاں بیٹھ کر وہ عبادت کرتا تھا۔ (۱) حدیث کے یہ الفاظ پڑھ کے لطف آجاتا ہے: ''یہ میرا بندہ دنیا سے تھکا ماندہ آیا ہے، اسے کہو، کہ قبر میں دلہن کی نیند سو جائے۔'' (۲) فارغ رہنا تو زندگی کو ضائع کرنا ہے، جو دنیا میں کچھ کر گزرنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں کام کرتے رہتے ہیں، آپ ان کی زندگیوں کو قریب سے دیکھیں۔

جو طالب علم چاہے کہ میں یہیں عیش کرلوں، وہ اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل نہیں کر سکے گا۔

دنیوی زندگی میں بھی کسی نے ترقی کی ہوگی، آپ اس کی زندگی کو دیکھیں گے، تو جو خاص چیز نظر آئے گی وہ ''وقت کی قدر دانی'' ہوگی۔

ایک یوروپی مصنف کی دلچسپ مثال

اٹلی کا ایک ڈاکٹر بڑا محنتی آدمی تھا، وہ عربی جانتا تھا، اور اس نے عرب حکماء کی عربی کتابوں کا ترجمہ اطالوی زبان میں کیا تھا، اسے اس کام میں دو سال لگے، اس کے بعد وہ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۵/۵۴۵ (۲) سنن ترمذی باب ماجاء في عذاب القبر، ۱/۲۰۵، رقم: ۱۰۷۱

بیمار ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے تشخیص کی کہ کینسر کا مرض ہے اور یہ بھی بتایا کہ زیادہ سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ بھی اپنی اطالوی زبان میں کردوں؛ تاکہ مخلوق کا فائدہ ہو؛ چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ ترجمہ کرنا ہے، اس نے لائبریری میں سے عرب حکماء کی بہت سی کتابیں منگوالیں جو کہ طب وحکمت سے متعلق تھیں۔ جب ان کی چھان بین کی کہ کونسی کتابیں اہم ہیں جن کا ترجمہ ہونا چاہیے، تو وہ کتابیں اس نے الگ کرلیں، اور انہیں گنا، تو وہ اسّی کتابیں تھیں، اب وہ ترجمہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوگیا، حالانکہ وہ بیمار تھا، کینسر کا شدید مریض تھا، اس سے بڑھ کر یہ کہ اسے موت سر پر منڈلاتی نظر آرہی تھی؛ لیکن اس سب کے باوجود وہ اس عظیم مہم کے لیے بالکل تیار ہوگیا۔ اس نے ترجمہ کرنا شروع کردیا، اسے ہر دن وقت کے کم ہونے کا احساس بھی دامن گیر تھا؛ لیکن وہ اپنے کام میں لگا رہا، آپ حیران ہوں گے کہ اس نے پورے دوسالوں کے اندر اسّی کتابوں کا ترجمہ اطالوی زبان میں مکمل کرلیا!!۔ آج اس ڈاکٹر کو دنیا کا سب سے بڑا ترجمان مانا جاتا ہے۔

اسے یہ اعزاز اس لیے ملا کہ اس کے پیچھے ''مثبت سوچ'' کی قوت کارفرما تھی، اس نے سوچا کہ چلے تو جانا ہی ہے، تو یہ دوسال کیوں ضائع ہوں؟ فارغ رہنے سے مصروف رہنا ہی بہتر ہے، اور پھر اس کے سامنے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر عرب حکماء کی ان اہم ترین تصانیف کا ترجمہ ہوگیا، تو علم کا ایک بیش بہا خزانہ اطالوی زبان میں آجائے گا؛ چنانچہ اس کی جواں ہمتی نے ناممکن کام کو بھی ممکن بنادیا۔ وقت کے قدردان ایسے ہوتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ

اللہ-رب العزت- نے جو مہلت دی، وہ تو گزرنی ہے، کچھ نہیں کریں گے، مہلت پھر بھی گزر جائے گی، دن بھی گزر گیا، رات بھی گزر گئی؛ لیکن ہم سوچا تو کریں کہ ہم اپنی زندگی کے اس وقت میں کتنا کام کررہے ہیں؟ جب قیامت کے دن وقت کے قدردان لوگ اللہ تعالی کے سامنے کھڑے ہوں گے، اور کہہ رہے ہوں گے: اے اللہ! ہم نے تیرے دین کو

ایسے ایسے حاصل کیا،تو ہماری وہاں کیا حیثیت ہوگی؟ ہم اپنے اوقات کا خیال رکھیں۔ ائیر کنڈیشن کمروں میں اور ٹھنڈے ٹھنڈے پنکھوں کے نیچے صاف ستھری جگہوں پر بیٹھ کر آج کے طلبہ اپنے اساتذہ سے علم حاصل نہیں کر پاتے۔

یاد رکھیں! یہ وقت کے لمحات سونے کی ڈلیوں کی مانند ہیں، ہمارے اکابر نے کہا: **"اَلْوَقْتُ اَثْمَنُ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ"** کہ وقت سونے اور چاندی کی ڈلیوں سے بھی قیمتی ہے۔

چنانچہ محسنِ انسانیت-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے یہ بتلایا کہ پانچ نعمتیں ہیں، ان کی قدر کرو اس سے پہلے کہ یہ تم سے ضائع ہو جائیں:

(۱) زندگی کی قدر کرو موت سے پہلے (۲) جوانی کی قدر کرو بڑھاپے سے پہلے
(۳) صحت کی قدر کرو بیماری سے پہلے (۴) مال کی قدر کرو غربت سے پہلے
(۵) فرصت کی قدر کرو، مشغولیت سے پہلے۔[1]

جو شخص ان پانچ نعمتوں کی قدر کرے گا، یقیناً کامیاب زندگی گزارے گا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کے اوقات کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۱) مصف لابن ابی شیبہ ۷/۹۹ رقم: ۳۴۳۰۸

حیران کُن حافظے اوران کے حصول کا طریقہ

ابتدائے جوانی میں انسان کی یادداشت بہت اچھی ہوتی ہے؛لیکن گناہوں کی وجہ سے پھر وہ چھین لی جاتی ہے،اگر نوجوان نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی کو اپنائیں،تو ان کی یادداشت بہت اچھی رہے گی۔

حافظے کے کرشمے

حضرات محدثین کی زندگیوں کو آپ نے پڑھا ہوگا،اللہ تعالی نے کیسی یادداشت عطافرمائی تھی!''فوٹو گرافک میموری!''جو بات ایک دفعہ سن لیتے،پھر سالوں انہیں یادرہتی۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب میں لکھاہے: کہ سیدنا ابوہریرہؓ یہ مولوی قسم کے صحابی تھے،ان کو نبی علیہ السلام کی بات اور آپ کے اعمال یادرکھنے کا شوق تھا؛مگر شروع میں بھول جاتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا،کہ میں بھول جاتا ہوں۔فرمایا: کہ چادر بچھاؤ۔انہوں نے بچھائی،تو نبی -علیہ السلام- نے چلو بھر کر چادر میں ڈالا اور فرمایا کہ ''سینے سے لگالو''انہوں نے لگالیا پھر فرمایا کہ''اس کے بعد مجھے کوئی چیز نہ بھولتی تھی''۔(۱)

(۱) صحیح بخاری باب ماجاء فی الغرس ۱/ ۸۳۴ رقم:۲۶۹۱

ابو ہریرہؓ بہت روایات بیان کرتے تھے، ان سے چار ہزار کے قریب روایات کی گئی ہیں۔ تابعین میں سے ایک حاکم تھا ''مروان'' اسے ایک دفعہ خیال آیا کہ اتنی زیادہ روایتیں کرتے ہیں، میں چیک تو کروں کہ یہ روایت بالمعنی تو نہیں کرتے؟ یعنی بات تو صحیح ہو؛ لیکن الفاظ اپنے ہوں؛ چنانچہ اس نے ابو ہریرہؓ کو اپنے یہاں دعوت دی، بٹھالیا، اور پردے کے پیچھے اس نے دو لکھنے والوں کو بٹھادیا، کہ جو احادیث سنائیں تم ان کو لکھو۔ ساری احادیث لکھ لی گئیں۔ پھر ایک سال گزر گیا، ایک سال کے بعد اس نے پھر اسی طرح دعوت دی جب کھانا کھا چکے تو اس نے ان بندوں کو پردے کے پیچھے بٹھایا ہوا تھا، ابو ہریرہؓ سے کہنے لگا کہ حضرت! پچھلے سال جو حدیثیں سنائی تھیں، بڑا مزہ آیا تھا، بس وہی حدیثیں سنادیں وہ چیک کرنا چاہتا تھا کہ کتنی یادداشت ہے؟ چنانچہ ابو ہریرہؓ نے اس کے کہنے پر پچھلے سال والی احادیث سنائیں۔ پردے کے پیچھے بیٹھے دونوں بندوں نے تصدیق کی کہ کہیں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں تھا!!!

یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں نبیؐ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور قوت ِ حافظہ ان کو اللہ تعالی نے دوسروں سے ممتاز عطا فرمائی تھی، اور ان کو ہر وقت نبی علیہ السلام کے اقوال، افعال اور اعمال یاد رکھنے کی فکر رہتی تھی، پوری زندگی اسی میں گزر جاتی تھی۔

امام بخاریؒ کی قوتِ حافظہ

امام بخاریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی قوتِ حافظہ ایسی تھی کہ لاکھوں حدیثیں ان کو یاد تھیں؛ چنانچہ امام بخاریؒ جب بصرہ تشریف لے گئے، تو اہل بصرہ نے ان کا استقبال کرنے کے بعد آپ کو ایک محفل میں بٹھادیا۔ ذرا توجہ سے سننا!

انہوں نے پہلے پلاننگ بنائی کہ یہ حافظ الحدیث ہیں ہم ان کو پرکھیں گے کہ یہ کیسے حافظ ہیں؟ انہوں نے دس بندوں کو تیار کیا، اور ہر بندے نے دس احادیث یاد کرلیں؛ مگر کہیں متن میں، اور کہیں سند میں، ہر حدیث میں فرق ڈال دیا- اچھا! جب کسی کا تعارف

کرایا جائے کہ یہ حافظ الحدیث ہیں، اور اس سے کہا جائے کہ حدیث سناؤ، تو اس کا دل تو چاہتا ہے جو کہ مجھے کہا جائے سب آتا ہو- پہلے تو ان لوگوں نے اتنے بڑے مجمع میں امام بخاری کا تعارف کرایا کہ جی، بڑے امام ہیں، بڑے امام ہیں، حافظ ہیں، لاکھوں حدیثیں یاد ہیں، انہوں نے خوب تعریفیں کیں۔اس کے بعد ایک بندہ کھڑا ہوا کہ جی! مجھے کچھ حدیثیں پہنچی ہیں، ذرا سنیں! آپ کو پہنچی ہیں کہ نہیں؟ چنانچہ اس نے پہلی حدیث پڑھی؛ مگر اس حدیث کی سند میں یا متن میں کہیں فرق تھا، اس نے پڑھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ حدیث پہنچی ہے؟ امام بخاریؒ نے فرمایا: **لا**، اب ایک کو تو بندہ کہہ سکتا ہے **لا**، اس نے دوسری پڑھی، فرمایا **لا**، اس نے تیسری پڑھی، فرمایا **لا**، چوتھی پڑھی، فرمایا **لا** - اب عام بندہ تو سمجھے کہ واہ بھئی واہ! یہ کیسے حافظِ حدیث ہیں؟ کہ جو پوچھتے ہیں، آگے سے **لا**، اسے تو کچھ نہیں آتا- پھر دوسرے نے پوچھا.... تیسرے نے پوچھا.... دس بندوں نے سو حدیثیں پوچھیں، انہوں نے سب کے جواب میں ''**لا**'' کہا- پتہ ہے ان پر کتنا نفسیاتی بوجھ پڑا ہوگا!!!!! اللہ اکبر- بہت بڑا امتحان تھا؛ مگر وہ ''**لا**'' کہتے رہے۔

جب سب بندوں کے جواب میں ''**لا**'' کہا تو اس کے بعد امام بخاریؒ نے فرمایا: بھئی دیکھو! آپ حضرات نے جو حدیثیں پوچھیں ہیں نا! اب ذرا سنو! تو امام بخاریؒ نے پہلی حدیث پڑھی، جو اس بندے نے غلط متن یا سند کے ساتھ پڑھی تھی، اور پھر فرمایا کہ اس بندے نے اس حدیث میں یہ غلطی کی ہے پھر فرمایا کہ مجھے یہ حدیث یوں پہنچی ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے ان کے غلط متن یا سند کی جو روایات تھیں، سو کی سو پہلے اسی ترتیب کے ساتھ سنائیں، اور ساتھ ساتھ ہر حدیث صحیح سند و متن کے ساتھ سناتے گئے۔علماء فرماتے ہیں کہ سو حدیثوں کو یاد کر لینا یا سنا دینا امام صاحب کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی؛ مگر حیران کن بات تو یہ تھی کہ پوچھنے والوں نے جو غلط سلط کر کے پوچھا تھا، ان سے ایک ہی دفعہ سن کر ان کی بھی سو باتیں یاد رہ گئیں اور ترتیب بھی وہی رکھی۔

قوتِ حافظہ کی عجیب مثالیں

✳ عبداللہ بن ابی داؤد ایک مرتبہ ''اصفہان'' پہنچے تو وہاں کے علماء نے ایک بڑے محدث کا بیٹا سمجھ کر ان کا استقبال کیا اور پھر کہا کہ ہمیں کچھ حدیثیں سنا دیجیے، چنانچہ محفلیں جاری رہیں، اور انہوں نے اپنی یادداشت سے ۳۵ ہزار احادیث ان کو سنا دیں۔

✳ امام العسّال رجال الحدیث میں سے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے قرآن پاک کی قراءت وتجوید سے متعلق ۵۰ ہزار روایتیں زبانی یاد ہیں۔

✳ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ بہت سے علماء اور طلباء تھے؛ لیکن اللہ کی شان کہ ان میں پورا حافظ قرآن کوئی بھی نہیں تھا۔ ادھر رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا، حضرت نے فرمایا کہ بھئی! یہ بھی اچھا نہیں لگتا، کہ اتنے بڑے بڑے علماء ہوں اور آخری سورتوں کے ساتھ قرآن پڑھ رہے ہوں، چنانچہ حضرت کیا کرتے تھے؟ کہ روزانہ دن میں ایک ایک پارہ یاد کر لیتے، اور رات کو تراویح میں سنا دیتے، ادھر رمضان مکمل ہوا، ادھر ان کا قرآن مکمل ہوگیا، ۳۰ دن میں قرآن مجید یاد کرلیا!!۔

✳ تیس سے بھی کم دنوں میں حفظ کرنے کی مثالیں موجود ہیں، امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے، بہت خوبصورت تھے، ذہین تھے؛ جب ان کے والد ان کو لے کر آئے کہ جی! میرے اس بچے کو آپ علم پڑھانے کے لیے قبول فرمائیں۔ حضرت نے ان کو اپنی شاگردی میں قبول کرلیا، پوچھا کہ بچے! کیا قرآن مجید کے حافظ ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میرے ہاں علم پڑھنے کے لیے حافظ ہونا شرط ہے؛ لہذا قرآن پاک حفظ کر کے پھر آنا، تو امام محمدؒ چلے گئے۔ ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ آگئے، حضرت اپنا شاگرد بنا لیجیے، حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کہا تھا کہ حفظ کر کے آنا؟ کہا کہ حضرت میں قرآن مجید حفظ کر کے ہی آپ

کے پاس آیا ہوں۔ سبحان اللہ، ایک ہفتے میں قرآن مجید مکمل کرلیا!!!۔

❊ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا یا ایک مرتبہ سن لیا؛ وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہوگیا۔ گویا کہ اپنے زمانہ کے زہریؒ تھے۔ امام زہریؒ جب مدینہ منورہ کے بازار سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے، کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں، فرمایا: کہ میرے کانوں میں جو داخل ہوجاتا ہے وہ نکلتا نہیں؛ اس لیے بازار سے گزرتے وقت کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں تاکہ بازار کی خرافات میرے کانوں میں داخل نہ ہوسکیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد ایک دفعہ دیوبند کے قبرستان میں پھر رہے تھے فرمایا کہ میں علم کی قبر کے پاس پھر رہا ہوں۔ یہ قبر حضرت شاہ صاحبؒ کی تھی۔ مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفہ جدید، ہیئت جدید، حتی کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑا۔

اس قسم کے واقعات کتب میں بہت ملتے ہیں حیران کن حد تک۔ اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ جب انسان تقوی اور پرہیزگاری کی زندگی گزارتا ہے، یہ ایک انعام ہوتا ہے جو اللہ تعالی اسے دیتے ہیں.... قوت حافظہ تیز ہوجاتی ہے، چھاپ لگ جاتی ہے، اور جب انسان شیطانی خیالات کا شکار رہتا ہے، بس پھر پڑھی ہوئی باتیں بھی یاد نہیں رہتیں۔

حافظہ یا چھاپہ

یہ نعمت اللہ طلباء کو بھی دیتے ہیں، بس اس میں ایک ہی چیز رکاوٹ بنتی ہے اور اسے کہتے ہیں ''گناہ۔'' جو طالب علم تقوی اور پرہیزگاری کی زندگی گزارتا ہے، اس کی قوت حافظہ کو اللہ تعالی بہت بہتر کردیتے ہیں، بس ''فوٹوگرافک میموری'' بن جاتی ہے، جو کچھ سنتا ہے اس کی چھاپ لگ جاتی ہے، ایسی یادداشت عطا فرمادیتے ہیں۔

کیا قوت حافظہ بڑھانے کا نسخہ صرف روغن بادام ہی ہے؟

آج تو طلباء سمجھتے ہیں، کہ روغن بادام سر میں لگاؤ، قوت حافظہ بڑھے گی، ان حضرات کو تو کئی کئی دن کھانے کو نہیں ملتا تھا؛ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے مہاجر بھائی تجارت میں لگے ہوتے تھے، اور انصار بھائی اپنے باغوں کی نگرانی میں لگے ہوتے تھے، اور ایک ابو ہریرہ ہی تھا، جو نبیؐ کے ساتھ ساتھ چپکا ہوا ہوتا تھا، ہر وقت، ہر مجلس میں نبیؐ کے ساتھ۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا فاقہ اٹھانا پڑتا تھا، لوگ سمجھتے تھے کہ شاید ''مِرگی کا دورہ'' پڑ گیا ہے، حالانکہ وہ ''مِرگی کا دورہ'' نہیں ہوتا تھا، وہ بھوک کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ بھوک برداشت کرنے والا صحابی سب سے بڑا محدث بنا!!۔

معلوم ہوا، علم حاصل کرنے کے لیے فقط ظاہر کے روغن، مغز کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے تو عقل بڑھتی ہے۔ اور جو علم صرف عقل سے حاصل ہوتا ہے، وہ نافع نہیں ہوا کرتا؛ ہاں! جو عبادت اور تقوی کے راستے سے علم ملتا ہے، وہ دیرپا ہوتا ہے۔

کیا زیادہ کھانے سے ذہنی صلاحیت بڑھے گی؟

جتنا زیادہ کھائیں گے، اتنی ہی ذہنی صلاحیت کم ہوتی جائے گی، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے تھے: کہ میں نے صرف امام محمدؒ کو دیکھا جو موٹے بھی تھے، اور عقلمند بھی تھے؛ ورنہ موٹے کو میں نے عقلمند نہیں دیکھا۔ لگتا ہے جیسے جسم پر چربی چڑھتی ہے، دماغ پر بھی چربی چڑھتی جاتی ہے۔ تو جتنا انسان کم کھائے اتنا انسان کا دماغ بیدار رہتا ہے، وہ بیدار مغز ہوتا ہے، اس پر غفلت نہیں ہوتی۔

امام بخاریؒ نے بیس سال تک یہ معمول رکھا کہ وہ بیس گھنٹوں میں مغز بادام کے سات دانے کھا لیتے تھے، اور انہی پر ان کا پورا دن گزر جاتا تھا۔

سب سے بڑی رکاوٹ گناہ ہی ہیں

یاد رکھنا! جہاں عصیان ہوگا، وہاں نسیان ہوگا۔ کیوں نہیں آج حافظ الحدیث بنتے؟ ایک وقت تھا، کہ لاکھوں حدیثیں ایک ایک بندے کو یاد ہوجاتی تھیں۔ آج تو سینکڑوں بھی نہیں ہیں، ہزاروں کی بات تو دور کی ہے۔ ایسی قوتِ حافظہ تھی کہ طلباء سنتے چلے جاتے تھے انہیں یاد ہوتا چلا جاتا تھا۔ آج گناہوں کی ظلمت کی وجہ سے یاد کرتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ استاذ کے درس میں بیٹھتے ہیں، بس ہر حرف سے، ہر لفظ سے؛ سلام کرتے چلے جاتے ہیں۔ ہر لفظ کے ساتھ سلامِ رخصت، علم رخصت ہوجاتا ہے۔

عزیز طلبہ! یقین کیجیے! گناہوں کو چھوڑ کر، تقوی والی زندگی اختیار کر لیجیے، قوت حافظہ میں اضافہ ہوجائے گا، یہ ایک پکی بات ہے۔

حافظہ بڑھانے کے لیے تین چیزیں

تاہم قوتِ حافظہ میں اضافے کے لیے کچھ اعمال بھی بتائے گئے ہیں؛ چنانچہ حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ تین چیزیں حافظہ بڑھاتی ہیں: (۱) مسواک (۲) روزہ (۳) تلاوتِ کلام اللہ۔

طلبہ کے لیے دو تحفے

آخر میں آپ کے لیے دو اہم باتیں اور عرض کرتا چلوں، انہیں اپنے لیے اس عاجز کی طرف سے آج کی مجلس کا تحفہ سمجھیں:

اس عاجز نے بعض بزرگوں کا معمول پڑھا، اور پھر اس کو آزما کر دیکھا کہ جس آدمی کو علم کے بارے میں شرح صدر نہ ہو رہا ہو؛ یعنی وہ پڑھتا ہو اور ابھول جاتا ہو، اس کے لیے یاد رکھنا مشکل ہوتا ہو، اور اس کی علم کے ساتھ مناسبت پیدا نہ ہو رہی ہو، اور وہ اس عمل کو کرلے؛ تو انشاء اللہ اسے شرحِ صدر نصیب ہوجائے گا۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت پڑھتے گزار دی: **قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا** وہ اس آیت کو پوری رات دہراتے رہے۔ اسی مناسبت سے وہ عمل یہ ہے

کہ جب طالب علم رات کو تہجد پڑھے، اور اسے اس آیت سے آگے پیچھے کی اتنی آیات یاد ہوں، جس سے نماز کے اندر مسنون قراءت ہو سکے، پڑھ لے اور ہر رکعت میں اس آیت کو اپنے ذوق کے مطابق جتنی مرتبہ پڑھنا چاہے پڑھے۔ اس میں تعداد کا تعین نہیں ہے، اگر وہ اس طرح تہجد میں اس آیت کا چند دنوں تک بار بار ورد کرے گا، تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرمادیں گے، اور اس کا سینہ علم کے لیے کھل جائے گا۔

(۲) ایک دوسرا عمل بھی ہے کسی بزرگ نے اس عاجز کو اس کی اجازت دی تھی اور آج آپ لوگوں کو اس کی اجازت دے دیتے ہیں، فائدہ اٹھائیں۔ اکثر طلباء اور طالبات کو حافظے کی کمزوری کی وجہ سے اسباق میں مشکل پیش آتی ہے، وہ خود یا ان کے ماں باپ روزانہ ہر نماز کے بعد سورہ ''الم نشرح'' پڑھ کر اُن کے سینے پر پھونک ماردیں۔ جو آدمی اس کو اپنا معمول بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کا حافظہ قوی فرمادیں گے، اس عاجز نے اس عمل کو ہزاروں دوستوں پر آزمایا ہے۔

ایک سٹوڈنٹ نے بتایا کہ وہ ایک سال میٹرک میں فیل ہو گیا، پھر اس نے یہ عمل کسی محفل میں اس عاجز سے سنا اور اس نے باقاعدگی کے ساتھ اس پر عمل کرنا شروع کردیا، اگلے سال وہ پورے اسکول میں فرسٹ آیا۔ اسی طرح کسی محفل میں اس عاجز نے یہ عمل بتایا، کافی عرصہ کے بعد ایک طالبہ نے خط لکھ کر اپنے حالات بتائے، اس نے لکھا کہ میں تو بڑی مشکل سے پاس ہوتی تھی، میرے دل کی تمنا تھی کہ میں لیڈی ڈاکٹر بنوں، آپ سے میں نے یہ عمل کسی محفل میں سنا اور وہ عمل کرنا شروع کردیا، کبھی بھی ناغہ نہ ہوا، -الحمدللہ- میں نے امتحان دیا اور اب میں میڈیکل کالج میں پہنچ چکی ہوں۔

عزیز طلباء! تمنائیں تو ہماری بھی بہت ہیں کہ اللہ اپنے قرآن اور حدیث کا علم ہمارے دل و دماغ میں محفوظ فرمادے؛ لیکن اگر یہ حالت ہوگی کہ جو یاد کریں، بھول جائیں، تو ہم اٹکے کھڑے رہیں گے۔ اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے بدنظری اور تمام

گناہوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ دعا ہے کہ رب کریم اپنی رحمت سے ہمیں بھی قوتِ حافظہ کی نعمت نصیب فرمادے، ہمارے سینے، علوم ومعارف کے خزینے بنادے، تمام رکاوٹوں کو دور فرمادے، اور سو فیصد گناہوں سے بچ کر پاکیزہ زندگی نصیب فرمادے۔

طلباء کا قافلہ اور سالارِ قافلہ

اہلِ ایمان کا ایک قافلہ ہے، جس میں سب سے اول انبیاء کرام کی جماعت ہے، اور اس جماعت کے پیچھے ان کے صحابہؓ کی جماعت، اور صحابہ کرام کے پیچھے علمائے کرام کی جماعت؛ یہ اللہ تعالی کی رضاء والی منزل کی طرف چل رہے ہیں، ان کا مقصد کیا ہے؟

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔(۱)

یہ ایسی مقدس جماعت ہے کہ جو بھی چھوٹا یا بڑا کام کرتے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اپنے نفس کی خواہشات کے لیے نہیں۔

یہ ہمارے طلبہ الحمدللہ! انبیاء کرام کے پیچھے چلنے والی جماعت میں شامل ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ کے دین کے لیے وقف کردیا، انہوں نے دل ہی دل میں عہد کرلیا کہ ہمیں اللہ-رب العزت- کی رضا کو حاصل کرنا ہے، اور ہم اس جماعت کے پیچھے چلنے والے ہیں، اس میں راحت ملے، یا تنگی۔

شیطان کا زوردار حملہ

خاص طور پر عربی مدارس کے طلبہ کے پیچھے تو شیطان ہاتھ دھو کے پڑ جاتا ہے، اس کو

(۱) پ: ۱۰ سورۃ التوبۃ آیت: ۷۲

پتہ ہوتا ہے کہ اب یہ میرے ہاتھ سے گئے، یہ اسی طرح چلتے رہے، تو منزل تک ضرور پہنچیں گے؛ لہذا اب لگالو، جو زور لگانا ہے، ان کی توجہ اور کاموں میں لگا کر پڑھائی سے ہٹالو۔

کہتے ہیں: کہ کسی نے شیطان کو فارغ بیٹھے دیکھا، اس نے اس سے پوچھا، تو تو کبھی فارغ ہوتا ہی نہیں، ہروقت کام میں لگا رہتا ہے، اب تجھے فارغ بیٹھا دیکھ رہا ہوں، کیوں؟ کہنے لگا: میرے چیلے چاٹے بہت ہو گئے ہیں، اس نے کہا وہ کیسے؟ شیطان نے کہا کہ یہ جو اتنے اسکول کالج بن گئے ہیں، یہ میرے چیلے چانٹوں سے بھرے پڑے ہیں، اب اتنے برخوردار ہو گئے ہیں، کہ مجھے زیادہ کام کرنے کی ضرورت نہیں، اب میں گُرو بن کے بیٹھ گیا ہوں۔ اسی لیے اکبرالہ آبادی نے فرعون کے بارے میں کہا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اگر وہ کالج بنوادیتا، تو بنی اسرائیل کے بچوں کو مروانے کی ضرورت ہی نہ تھی؛ کیوں؟ اس لیے کہ ان جگہوں پر جو جاتا ہے، اس کے ایمان کا گلا ہی گھونٹ کے رکھ دیا جاتا ہے، آج کل حالات ایسے بن گئے ہیں۔

حقیقی علم

جس کو علم کہتے ہیں، حقیقت میں وہ یہ علم ہے، جو قرآن اور حدیث کے اندر موجود ہے۔ اُدھر تو فنون پڑھائے جاتے ہیں۔

''فنون سے انسان دنیا کی روزی کماتا ہے، ان علوم سے انسان اللہ کی رضا کماتا ہے''

عزیز طلباء! آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ یہاں آگئے؛ نہیں، اللہ تعالی نے آپ کو قبول کرلیا، آپ خود بتائیں، جو بندہ آپ کو ناپسندیدہ ہو، آپ اُسے اپنے گھر میں آنے دیتے ہیں؟ گھر تو کیا گلی سے بھی کوئی گزرنے نہیں دیتا، تو یہ مسجد اور مدرسہ اللہ تعالی کے گھر ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ مسجدیں تو اللہ کا گھر ہیں ہی سہی، جن جگہوں پر قرآن پاک کی تدریس ہوتی ہے، وہ بھی ''بیوت اللہ'' میں شامل ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے گھر میں صرف اپنے دوستوں کو ہی بلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر میں آنے کی توفیق دی، اور جب آ گئے، تو شیطان کو پتہ چل گیا کہ یہ اب میری جماعت کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا، اب وہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس بندے کو علم سے محروم کیا جائے، اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ طلباء کے ذہن میں وسوسہ ڈالنا، ہر وقت وسوسہ ڈالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ میرا یہ محاذ کمزور ہے، اس پر مجھے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے، جب جرنیل دیکھتا ہے نا کہ فلاں جگہ پر دشمن کی تعداد زیادہ ہے، تو پھر وہ وہاں اپنے دفاع کے لیے اپنی فوج بھی زیادہ کر دیتا ہے، شیطان کو پتہ ہے کہ یہ مدارس میں اللہ والے بن جائیں گے، اہل علم بن جائیں گے؛ لہٰذا وہ بھی بٹالیں فوجیں بھیجتا ہے۔

اس لیے عام بندے کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے، اور پتہ نہیں طالب علم کے ساتھ کتنے شطونگڑے ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ امرد کے ساتھ ستر شطونگڑے ہوتے ہیں۔ تو شیطان اور شطونگڑے سب مل کر کوشش کرتے ہیں کہ ان بچوں کو علم سے بے زار کر دو۔

چنانچہ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وہ یہ کہ طالب علم کو، علم کے سوا ہر کام اچھا لگتا ہے، پڑھنا مشکل، باقی ہر کام آسان، حالانکہ نیت کر کے آئے، گھر والوں کی چاہت سے آئے، ارادہ لے کے آئے؛ لیکن شیطان ذہن کے اندر اعتراضات ڈالتا رہتا ہے، وساوس۔ لہٰذا طالب علم کے لیے سب سے بڑا فتنہ ''شیطانی وساوس'' ہیں، ہر وقت بے چارے پریشان ہوتے ہیں، شیطان ان پر حملے کرتا ہے؛ لہٰذا کامیاب طالب علم وہ ہے جو ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹائے، اور حصول علم پر اپنی توجہ جمائے۔

دن رات اس کام میں لگا ہوا ہو، علم کا نور حاصل کرنے کا شوق ہو، جب اپنی جماعت میں

بیٹھے، تو ہمہ تن متوجہ ہو کر پڑھے۔

ایک ہی منزل کے راہی.....

عزیز طلباء ہمیں جو ایک مقدس قافلے کے ساتھ نسبت ہے، یہ بڑی عزت ہے، یہ اللہ تعالی کی طرف سے بڑا انعام ہے کہ اسی راستے پر ہم بھی چل رہے ہیں، اگرچہ ان میں اور ہم میں زمین آسمان کا فرق ہے؛ لیکن منزل ان کی اور ہماری ایک ہی ہے۔

ٹرین چل رہی تھی، فرسٹ کلاس کا ائیر کنڈیشن خوبصورت ڈبہ جہاں ختم ہوتا تھا، وہاں تھرڈ کلاس کا ٹوٹا پھوٹا ڈبہ جڑا ہوا تھا۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے نے تھرڈ کلاس کے ڈبے سے کہا: میں تو بالکل نیا ہوں، ائیر کنڈیشن لگا ہوا ہے، لائٹنگ بہترین، قالین بچھے ہوئے، اور میرے اندر بیٹھنے والے عظیم لوگ ہیں؛ تو کیا بھنکھڑ قسم کا میرے ساتھ لگ گیا ہے؟ چلتا ہے، تو چوں چوں کی آوازیں آتی ہیں، تیرے اندر بیٹھنے والے معمولی درجہ کے لوگ ہیں، تیری قیمت بھی معمولی، زنگ لگا ہوا ہے، چل میرا پیچھا چھوڑ! تو تھرڈ کلاس کے ڈبے نے کہا: میں نے مان لیا کہ آپ کی شان بڑی اونچی ہے، سب کچھ جو آپ کہتے ہیں، میں اس سے بھی برا ہوں؛ لیکن ایک بات بڑی ہے؛ وہ یہ کہ میری کنڈی تمہاری کنڈی کے ساتھ پھنسی ہوئی ہے، اب میاں جہاں تم جاؤ گے، وہیں مجھے پہنچ جانا ہے، اگر تم ''کراچی'' کے اسٹیشن پر پہنچو گے، تو ہم بھی کراچی کے اسٹیشن تک پہونچ جائیں گے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جب آپ نے دار العلوم میں داخلہ لے لیا، تو آپ نے ان کے قافلے کی ٹرین کے ساتھ کنڈی پھنسا دی، اب ہم نالائق بھی ہیں، نااہل بھی ہیں، کمزور بھی ہیں؛ جو کہا جائے، سب ٹھیک ہے؛ لیکن یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ الحمد للہ! کنڈی پھنس گئی، جس راستے پر وہ قافلہ چل رہا ہے، اسی راستے پر ہم چل رہے ہیں۔

اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیجیے!

اب ضرورت کس بات کی ہے؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ جب ہم نے کنڈی

پھنسالی، تو پھر ہم اپنے ظاہر اور باطن کو ایک کر کے اچھا بنالیں؛ تا کہ اُن کے ساتھ کچھ مشابہت پکی ہو جائے ۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے، میں صورت لے کے آیا ہوں

ہم سب نے صورت تو بنائی ہے-ماشاء اللہ-....اب اس کو حقیقت بنوانے کے لیے اللہ تعالی سے دعائیں مانگیں، **مَنْ طَلَبَ وَ جَدَّ وَجَدَ** ’’جو طلب کرتا ہے، وہ پالیتا ہے‘‘[1] یہ کام آسان ہے۔

عزیز طلباء! آپ حضرات -الحمدللہ- انبیاء کرام کے پیچھے چلنے والی جماعت میں شامل ہیں، آپ نے اپنی زندگیوں کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا، آپ نے دل ہی دل میں عہد کر لیا، کہ ہمیں اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے، اس میں راحت ملے یا تنگی۔

....آپ نے رسم ورواج کو چھوڑا۔

....انگریزی تہذیب کو لات ماری۔

....میز کرسیوں کی بجائے چٹائیوں پر بیٹھنا پسند کر لیا۔

....وہاں کی بریانیاں کھانے کے بجائے معمولی روٹی کھانی پسند کر لی۔

یہ قربانی ہے!....دین کی خاطر معمولی رہن سہن کو قبول کر لیا۔

اتنا بڑا قدم جب اٹھا دیا، اب اگلا قدم تو چھوٹا ہے، اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیجیے، دل میں یہ عہد کر لیجے کہ مجھے کوئی کام شریعت وسنت کے خلاف نہیں کرنا؛ اس لیے کہ یہ بڑے حضرات کے ساتھ نسبت ہے، یہ راستہ ادھر کو جاتا ہے، اور اللہ تعالی اس راستے پر اس بندے کو نہیں چلنے دیتے، جس کے اندر منافقت ہوتی ہے، وہ نکھیڑا دیتے ہیں۔ جیسے کسی دوسرے ملک جا رہے ہوں، تو ائیر پورٹ پر چیک کرنے والے کاغذات

---

(۱) موسوعۃ الاحادیث والآثار الضعیفۃ والموضوعۃ اثر: ۱۴/ ۲۵۳

دیکھتے ہیں، اگر کسی کے کاغذات ٹھیک نہ ہوں،تو کہتے ہیں: جاؤ بھئ! تم ادھر اور ٹھیک کاغذات والے اُدھر اور دوسرے اِدھر جاؤ۔

اس لیے یہ ڈرنے والی بات ہے کہ جب اللہ تعالی نے یہ طرزِ زندگی اختیار کرنے کی توفیق بخش دی،تو اب اس کو صورت نہ رہنے دیں؛ بلکہ حقیقت میں بدلنے کی کوشش کریں۔

نبی-علیہ السلام- کے احِبّاء

مگر یہ سودا ہے بڑا،وہ عظیم حضرات ہیں عظیم ہستیاں ہیں جن کے پیچھے پیچھے ہم چل رہے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی-علیہ السلام-رورو کر دعا مانگ رہے ہیں''یا اللہ! مجھے میرے احباء سے جلدی ملا دینا جو مجھ سے محبت کرتے ہیں،ان سے جلدی ملا دینا۔''نبی-علیہ السلام- کے صحابہ یہ سن کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے محبوب-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-ہم آپ کے غلام بے دام، ہر وقت حاضر باش رہتے ہیں،ہم آپ کے عاشق صادق ہیں؛تو وہ کون ہیں،جن کے بارے میں آپ بیٹھے دعائیں مانگ رہے ہیں؟ نبی-علیہ السلام-نے ارشاد فرمایا: میرے پیارے صحابہ! تم عاشقِ صادق ہو؛اس لیے کہ تم نے مجھے دیکھا ہے،میری محفل پائی ہے،قرآن اترتے دیکھا ہے،میرا دیدار کیا ہے۔میں جن لوگوں کے لیے اداس ہوں اور دعائیں کر رہا ہوں وہ میرے بعد آئیں گے،جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا،وہ فقط میرے تذکرے پڑھیں گے،اپنے اساتذہ سے میری باتیں سنیں گے،وہ میرے بارے میں غائبانہ پڑھ کر،اور سن کر اُن کے دل میں ایسی محبت پیدا ہو جائے گی کہ،وہ میری ہر سنت کو پورا کریں گے،میری اتباع کریں گے،اور اگر ان کے بس میں ہوتا کہ اپنی اولادوں کو بیچ کر میری زیارت کر سکتے،تو وہ کر گزرتے،ایسی محبت ہوگی۔ میں اپنے ان چاہنے والوں کے لیے دعا کر رہا ہوں اللہ! اُن چاہنے والوں کو جلدی ملا دینا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس جماعت میں شامل فرمادے۔(۱)

یہ ایک قافلہ ہے، جو اہلِ حق کے پیچھے چل رہا ہے، یہ ہماری خوش نصیبی ہے، اب اس راستے میں تنگی تو آئے گی، مشکلات تو آئیں گی، کبھی کوئی مشکل اور کبھی کوئی تکلیف، ان تکالیف سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خیر فرمائیں گے،-ان شاء اللہ- مقصد حاصل ہوجائے گا، مطلوب حاصل ہوجائے گا، یہ تو کانٹوں کی سیج ہے، اس پر چلنا پڑتا ہے، گُل بدن ہوں یا گُل فام ہوں، چل نہیں رہے؟ دیکھ نہیں رہے؟ کہاں کہاں کی نعمتیں چھوڑ کر آئے بیٹھے ہیں، جہاں دنیا جانے کے خواب دیکھتی ہے، ماشاء اللہ! اس حق کی تلاش میں اللہ نے اُن کو اِن جگہوں پر بھیج دیا، بوریے پر آ کر بیٹھ گئے، قالینوں کو چھوڑ دیا، ابراہیم بن ادہم -رحمۃ اللہ علیہ- کی یادیں آج بھی تازہ ہورہی ہیں۔

خوب سمجھیے! یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حُر کی یاد تازہ کردی؛ کیوں کے یہ باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ شامل ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر بھی بڑا ملتا ہے۔ تو بھئ! ہم اب اس جماعت میں شامل ہیں، لہٰذا ہمیں دوستی کا حق نبھانا ہے، دین کو پانا بھی ہے، اس پر عمل بھی کرنا ہے، اور اس کو آگے بھی پہنچانا ہے۔

اس وقت ہر طرف جو فتنے فساد کا زمانہ ہے، تو ہمارے بس میں نہیں، کہ اس سارے نظام کو خود ٹھیک کرسکیں؛ لیکن جس حد تک ہمارا اختیار ہے، اپنے آپ پر اس کو استعمال کرتے ہوئے، اس جسم کی سلطنت پر اللہ کا قانون لاگو کریں، اس چھ فٹ کے جسم پر تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار دیا ہے نا؟ اس کو ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنا کر دکھائیں، پھر دیکھیں اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اللہ -رب العزت- کی طرف سے پھر مہربانی ہوگی، اور -ان شاء اللہ- قبولیت ہوگی۔

بھئ! بات ایسی ہی ہے، ہمارے اکابر دودھ تھے اور ہم پانی ہیں؛ لیکن ہم ان کے

---

(۱) صحیح مسلم باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء ۱/ ۱۲۶ رقم: ۲۴۹

گلے لگنا چاہتے ہیں، ہم ان کے قدموں میں پڑنا چاہتے ہیں؛ مگر اُن کے قدموں میں پڑتے ہوئے ہمیں قربانی دینی پڑے گی، نفس وشیطان کے خلاف جنگ کرنی پڑے گی۔ اگر ہم نے گناہوں کی آگ سے بچنے والی جنگ کرلی، تو اللہ کا وعدہ یہی ہے، **اَلْمَرءُ مَعَ مَنْ اَحَبّ** ''آدمی اس کے ساتھ ہوگا، جس سے اس کو محبت ہوگی۔'' (۱)- ان شاء اللہ- قیامت کے دن اللہ تعالی علماء، فقہاء اور محدثین کا درجہ فرمائیں گے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالی اپنی رحمت کے ساتھ، ہم عاجز مسکینوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ فرمائیں گے **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ** (۲)

رہے سلامت تمہاری نسبت

عزیز طلبہ! ہمارے پاس تو نسبت کے سوا ہے ہی کچھ نہیں ۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
مرا تو بس آسرا یہی ہے

اللہ تعالی نے ہمیں یہ جو چٹائیوں پر بیٹھ کر حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھنے کی نسبت دی ہے، یہ بڑی نسبت ہے، اس نسبت کی لاج رکھیے، ایسا نہ ہو کہ قیامت دن پوچھ لیا جائے کہ دوسرے تو عوام الناس تھے، ان سے کیا گلہ؟ آپ لوگ تو قرآن وحدیث پڑھنے والے تھے، تم نے ہی کچھ نسبت کی لاج رکھ لی ہوتی، اور اپنی زندگی کو تم نے ہی اسلام کے مطابق ڈھال لیا ہوتا؛ تو سوچیے کہ پھر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہم کیا جواب دے سکیں گے؟

آقا یہ نہ کہہ دیں کہ تو نے میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی، میں تو راتوں کو رو رو کے

(۱) (الحدیث) صحیح بخاری باب علامۃِ الحب فی اللہ ۲/ ۱۴۰۶ رقم: ۵۹۲۹ (۲) پ: ۱۳ سورہ ابراہیم آیت: ۲۰

امت کی مغفرت کی دعائیں کرتا تھا، تو میرا وارث کیسا بنا کہ تو نے پڑھنے کے باوجود اپنی زندگی کو نہ بدلا؟۔

آج ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کا عہد کریں، پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کریں، اور آئندہ اسلامی، ایمانی اور قرآنی زندگی بسر کرنے کا دل میں ارادہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں کامیاب اور کامران فرمادے، اور قیامت کے دن کی ذلت ورسوائی سے ہمیں محفوظ فرمادے، اللہ تعالیٰ ہمارے اندر کے انسان کو جگادے، اور ہمیں صحیح معنوں میں سچا پکا مؤمن مسلمان بنادے۔ (آمین ثم آمین)

تمنائے دل

دعا اور تمنا یہ ہے کہ آپ حضرات کا یہاں آنا، اور ان حضرات کی نگرانی میں یہاں پڑھنا اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اس عاجز مسکین کی دعائیں، آپ سب کے ساتھ ہر وقت شاملِ حال رہیں گی، آپ خوب دل لگا کر پڑھیے؛ تاکہ جو مقصد لے کر آئے ہیں، وہ پورا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائے (آمین ثم آمین)

حصولِ علم محنت اور لگن کے ساتھ

حضرت علیؓ کا مال پر علم کو ترجیح دینا

ایک شخص حضرت علی -رضی اللہ عنہ- کے پاس حاضر ہوا، اور کہنے لگا: حضرت! میں علم حاصل کروں، یا مال کماؤں؟ آپ نے فرمایا: کہ علم حاصل کرو؛ اس لیے کہ علم کو، مال پر کئی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، اس نے کہا: حضرت! تھوڑی تفصیل بتلا دیجیے، تو فرمایا:....

❊ علم انبیاء کرام کی میراث ہے، جب کہ مال فرعون اور قارون کی میراث ہے۔

❊ علم جتنا زیادہ بڑھتا ہے، محبت کرنے والے زیادہ ہوجاتے ہیں، اور مال جتنا زیادہ بڑھتا ہے، حسد کرنے والے زیادہ ہوجاتے ہیں۔

❊ وقت کے ساتھ ساتھ مال کی قیمت گھٹتی چلی جاتی ہے، جب کہ وقت کے ساتھ ساتھ علم کی قیمت بڑھتی جاتی ہے۔

❊ تجھے مال کی حفاظت کرنی پڑے گی، جب کہ علم خود تیری حفاظت کرے گا۔

❊ تیرے مال کو ہر وقت چوری کا خدشہ رہے گا، اور تیرے علم کو کوئی خدشہ نہیں، یہ دولت تیرے سینے میں محفوظ رہے گی۔

❊ پھر ایک عجیب بات فرمائی کہ اگر تو چاہتا تو اپنے علم کے ذریعے سے مال حاصل کرسکتا ہے؛ مگر مال کے ذریعے سے علم حاصل نہیں کرسکتا۔

✲ اور پھر فرمایا: کہ مال کے زیادہ ہونے سے آدمی میں تکبر بڑھتا ہے، جیسے فرعون نے کہا تھا: **"أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى"** (۱) اور علم کے بڑھنے سے انسان میں تواضع آتی ہے؛ اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا **"مَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ"** (۲)

توعلم کو مال پر بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ طلباء جن کو اللہ-رب العزت- نے علم کے حصول کے لیے قبول فرمالیا ہے۔

علم اور معلومات کا فرق

اور عزیز طلبہ! اس بات کو ذہن میں بٹھالینا کہ "علم میں اور معلومات میں فرق ہوتا ہے" معلومات تو کفار کے پاس بھی ہوتی ہیں، اس کو علم نہیں کہیں گے۔ اس عاجز نے اپنی زندگی میں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کی سعادت پائی، کہ جہاں مختلف مذاہب کے لوگ بیٹھے اپنے اپنے دین کی باتیں کررہے تھے، یہ یہودی ہے ان کا ربائی بیٹھا ہے، یہ عیسائیوں کا پادری یہ فلاں کا فلاں، یہ فلاں کا فلاں۔ اس عاجز کو بھی اسلام کی نمائندگی کرنے کا موقع نصیب ہوا، ایسے ایسے لوگوں کو دیکھا، جو غیر مسلم ہیں؛ لیکن عربی زبان وہ اتنی روانی سے بولتے ہیں جیسے کہ ان کی مادری زبان ہو، عربی میں گفتگو کرتے ہیں، آیت پڑھتے ہیں، آپ حدیث پڑھیں وہ اس کا ترجمہ بالکل صحیح بتلائیں گے (لفظی ترجمہ)؛ لیکن ان کے پاس یہ علم نہیں؛ بلکہ معلومات ہیں، علم تو وہ نور ہے، جس کے حاصل ہونے کے بعد، اُس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔

اِس علم کے طالب کی اللہ-رب العزت- کے ہاں بڑی قدر ہے؛ اسی لیے سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے: اگر نیک نیت ہو، تو طالب علم سے افضل اور کوئی نہیں ہوتا۔ اتنی برکت والی یہ شخصیت ہوتی ہے کہ اللہ -رب العزت- کے فرشتے بھی برکت کے حصول کے لیے ان

---

(۱) پ:۳۰، سورۃ النازعات، آیت:۲۴ (۲) الدرالمختار ۱/۱۴۴

کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔(۱)

اس لیے فرمایا **"مَنْ کَانَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ کَانَتِ الْجَنَّةُ فِیْ طَلَبِهٖ"** (۲) جو انسان علم کی طلب میں رہے گا جنت اس کی طلب میں رہے گی۔

یہ اللہ -رب العزت- کا بڑا احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دین کے علم کے حصول کے لیے قبول فرمالیں، آپ حضرات بڑے خوش نصیب ہیں، اللہ -رب العزت- کے پسندیدہ بندے ہیں قرآن اس پر دلیل اللہ -رب العزت- فرماتے ہیں **"ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا"** (۳) "پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے ان بندوں کو بنا دیا، جن کو ہم نے چن لیا تھا، جو ہمارے چنے ہوئے بندے تھے، ہمارے لاڈلے تھے، ہمارے پیارے تھے، ہمارے محبوب بندے تھے۔" جو جو کتاب کا وارث ہوتا ہے، وہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے، کتنی رحمت ہے اللہ -رب العزت- کی کہ اس نے اس کتاب کے علم کے لیے ہماری زندگیوں کو قبول کرلیا۔

علم کیسے حاصل ہوگا؟

اب یہ علم کیسے حاصل ہوگا اس کے لیے محنت کرنی پڑے گی ہم اللہ -رب العزت- کا احسان مانتے ہوئے، محنت کے ساتھ علم حاصل کریں، نہایت لگن کے ساتھ عربی کا مقولہ ہے **"مَنْ طَلَبَ فَقَدْ وَجَدَ"** (۴) جس نے طلب کیا، پس بے شک اس نے پالیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **"لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَاسَعٰى"** "انسان کے لیے وہی کچھ ہے، جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔" (۵) ہم اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں، یا اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی بگاڑتے ہیں، یہ پکی بات ہے۔ محنت ایسی مٹھاس ہے کہ زندگی میں اس کو جتنا داخل کرتے چلے جائیں گے، زندگی اتنی

---

(۱) (الحدیث) سنن ابی داؤ کتاب العلم ۲ / ۵۱۳ رقم: ۳۶۴۱ (۲) کنز العمال کتاب العلم، قسم الاقوال ۱۰ / ۷۰ رقم: ۲۸۸۳۸ (۳) پ: ۲۲، سورۃ فاطر، آیت: ۳۲ (۴) عربی مقولہ (۵) پ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۳۹

شیریں ہوتی چلی جائے گی۔

حصول علم کے لیے اسلاف کی محنتیں

ہمارے اسلاف نے علم حاصل کرنے کے لیے بڑی قربانیاں دیں، بڑی محنتیں کیں، بڑی لگن کے ساتھ اپنے کام میں مگن رہے، بس لگے رہتے تھے مدرسہ کو اپنا وطن سمجھتے تھے، اور کتابوں کے کاغذ کو اپنا کفن سمجھتے تھے، زندگیاں لگا دیتے تھے پڑھنے پڑھانے میں۔

ایک محدث کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ انھوں نے اتنی کتابیں لکھیں کہ اگر ان کے پیدا ہونے کے دن سے لے کر، اُن کے مرنے کے دن تک، اگر سارے دنوں کو گن لیا جائے، اور جتنی کتابیں لکھیں ہیں، ان کے صفحوں کو گن لیا جائے، تو ہر دن کے اندر دس صفحات بنتے ہیں۔ اب بارہ تیرہ سال تو علم حاصل کرنے میں ہی گزرے ہوں گے، اگر وہ نکال دیں تو یہ دس کی بجائے بھی بیس ہو جائیں گے، بیس صفحات کا ایک دن میں ہمارے لیے سمجھ کر پڑھنا مشکل ہوتا ہے، چہ جائیکہ اُسے نئے سرے سے ترتیب کر لیا جائے۔ جو لوگ تصنیف و تالیف کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ایک دن میں ایک صفحہ لکھنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ انھوں نے کتنی محنت کی ہوگی؟!!

❊ ہمارے سلف صالحین نے اپنی زندگیوں میں اتنی محنت کی کہ آج عوام الناس ان واقعات کو سن کر حیران رہ جاتے ہیں، آپ اندازہ کر سکتے ہیں، کہ امام شافعیؒ تیرہ سال کی عمر میں ''امام شافعی'' بن چکے تھے، تیرہ سال کی عمر میں قرآن اور حدیث کے علوم کو حاصل کر چکے تھے، اور درس قرآن دینا شروع کر دیا تھا۔

یہ ان کی محنت تھی، یہ ان کا شوق تھا کہ اتنی کم عمر میں انہوں نے علم کے بڑے بڑے سمندر بھی عبور کر لیے تھے، یہ وہ وقت تھا جب سفید بالوں والے بڑے بڑے مشائخ، ان کے حلقہ درس میں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ درس قرآن دے رہے تھے، اسی دوران دو چڑیاں لڑتی ہوئی ان کے قریب آ کر گریں، انہوں نے اپنا عمامہ اتارا اور ان چڑیوں کے

اوپر رکھدیا۔ جو مشائخ بیٹھے تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ یہ ادب کے خلاف ہے، چنانچہ انہوں نے عمامہ اپنے سر پر رکھا اور یہ فرمایا: **اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ ابْنَ نَبِیٍّ** کہ ''بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے، چاہے کسی نبی کا ہی کیوں نہ ہو'' پھر ان مشائخ کو تشفی ہوگئی۔

⁂ امام غزالی کی تعلیقات جوانہوں نے ابونصر اسماعیل سے لکھی تھیں، لُٹ گئیں۔ آپ نے ڈاکوؤں کے سردار سے واپس مانگیں، وہ ہنس پڑا کہ ''لڑکے! تم نے خاک پڑھا کہ ایک کاغذ نہ رہا، توتم کورے ہوگئے؟'' تعلیقات تو مل گئیں؛ مگر امام غزالیؒ نے مسائل کو زبانی یاد کرنا شروع کردیا؛ حتی کہ تین سال میں حافظ بن گئے۔

علومِ دنیا میں اوپر پہنچنے والوں کی محنت کے واقعات

دنیا میں بھی جس نے شہرت وناموری حاصل کی، اس نے محنت کی۔ چاہے دین میں کوئی اوپر پہنچا، یا علوم دنیا میں کوئی اوپر پہنچا؛ محنت اُن کو کرنی پڑی۔

نیوٹن کے حالات میں لکھا ہے: کہ اس نے ایک مسوّدہ تحقیقی مضمون لکھا اور وہ رکھ کر بیت الخلاء میں چلا گیا، پیچھے چراغ جل رہا تھا، تو اس کا کتا جس کا نام اس نے ''ٹونی'' رکھا ہوا تھا، اندر آیا، اور اس نے چھلانگ لگائی، تو چراغ کاغذوں کے اوپر گرا، اور پورے کے پورے کاغذ جل گئے۔ جب یہ واپس آیا اور اس نے دیکھا، کہ پورا کا پورا تحقیقی مضمون جل کر راکھ بن گیا، تو اس نے پھر نئے سِرے سے مضمون لکھنا شروع کردیا، اور کئی مہینے کی محنت کے بعد دوبارہ اس کو لکھا۔ واقعی دُھن اور ردھیان بڑی نعمت ہے، جن کو نصیب ہوجائے۔

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کا واقعہ

میں آپ کو اور ایسی بات سنادوں، مجھے یقین ہے کہ آپ نے پہلے نہیں سنی ہوگی: مجھے ایک مرتبہ کالج کے پرنسپل کی طرف سے خط ملا کہ فلاں تاریخ کو ہمیں ایک فنکشن کرنا ہے، اور آپ کو اس میں ''رول آف آنر'' پیش کرنا ہے، اس ''رول آف آنر'' پیش کرنے کے لیے

ہم نے ملک کے ایک نامور سائنس دان عبدالسلام خورشید کو بلایا ہے۔ میں اس وقت یونیورسٹی سے چھٹی لے کر کالج پہنچا، بہت بڑا فنکشن تھا۔ پرنسپل نے کہا: کہ ''اس بچے نے میرے کالج کا بہت اچھا ریکارڈ بنایا ہے، میں اس کے لیے فنکشن بھی شایان شان کروں گا''؛ چنانچہ اس نے عبدالسلام خورشید ''پرائزونر'' کو کالج میں بلایا۔ وہ بھی اس کالج سے پڑھے جس سے میں پڑھا۔ خیر عبدالسلام خورشید نے مجھے ''رول آف آنر'' پیش کیا۔ اس کے بعد چائے کی پارٹی میں اکٹھے ہوئے، آپس میں بات چیت ہوئی، ہمارے ایک پروفیسر نے عبدالسلام خورشید سے پوچھ لیا کہ آپ نوبل پرائزونر کیسے بنے؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا میں بہت محنتی ہوں۔ اس پروفیسر نے کہا کہ سائنس سٹوڈنٹس تو سارے ہوتے ہی محنتی ہیں، سارے ہی پڑھاکو ہوتے ہیں، سارے ہی کتابی کیڑے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں، میں زیادہ محنتی ہوں اس پروفیسر نے کہا: ڈاکٹر صاحب وہ کونسی محنت ہے جو دوسرے لڑکے نہیں کرتے؟ سب سائنس پڑھنے والے لڑکے بڑے ذہین ہوتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں؛ لیکن نوبل پرائزونر تو نہیں بنتے، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ نہیں میں بڑا محنتی ہوں پھر کہا میں ذہین اتنا نہیں ہوں، محنتی زیادہ ہوں۔

پروفیسر نے کہا کہ نہیں نہیں، آپ ذہین زیادہ ہوں گے، اس نے کہا میں کہہ رہا ہوں میں محنتی زیادہ ہوں، اس نے بڑی عجیب مثال دی؛ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے کہا کہ میں نے کیمسٹری کی ایک کتاب پڑھی وہ مجھے سمجھ میں نہیں آئی، میں نے پھر پڑھی مجھے سمجھ میں نہیں آئی، میں نے تیسری مرتبہ پڑھی، مجھے سمجھ میں نہیں آئی؛ حتی کہ میں نے اس کتاب کو تریسٹھ (۶۳) مرتبہ پڑھا وہ کتاب مجھے تقریباً حفظ ہوگئی!!۔ اس کی بات سن کر ہم حیران ہوئے کہ ایسا بھی کوئی بندہ ہوسکتا ہے، کہ جسے ایک کتاب سمجھ میں نہ آئی، تو وہ اس کتاب کو شروع سے لے کر آخر تک تریسٹھ مرتبہ پڑھتا ہے۔ واقعی جس کے اندر اتنی محنت کا شوق ہو تو وہ مستحق ہے کہ اُسے دنیا میں نوبل پرائز دیا جائے۔

محترم سامعین کرام! میں نے یہ آیت پڑھی تھی کہ **"وَاَنْ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی وَاَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی"**[1] "انسان کے لیے وہ کچھ ہے جو محنت کرتا ہے۔" سب طلباء اپنی زندگی بنانے کے ابتدائی دور میں ہیں، اس وقت جو محنت آپ کریں گے، معاشرے میں وہی مرتبہ آپ پائیں گے، اگر اس سنہری موقع کو آپ گنوا بیٹھے، تو میرے دوستوں! ساری عمر دھکے کھائیں گے؛ اس لیے اس موقع پر محنت کے عنوان پر میں نے چند باتیں حقیقی مثالوں کے ساتھ آپ کے سامنے عرض کردی ہیں؛ تاکہ آپ کے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہوجائے کہ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کو بنائیں گے، یا اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کو بگاڑیں گے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آپ کے اندر وحدتِ مطلب ہونی چاہیے؛ "وحدتِ مطلب" کیا ہے؟ "مطلب" کہتے ہیں مقصد کو اور "وحدت" کہتے ہیں "ایک کو"، اس سے مراد یہ ہے کہ طالب علم کا مقصد ایک ہونا چاہیے، مثلاً طالب علم پڑھنے کے لیے آیا ہے تو اسے چاہیے کہ ہر وقت پڑھنے کی فکر میں لگا رہے، یہ اس کا وحدت مطلب ہوگا۔ اگر یہ صفت طالب علم کے اندر ہے تو اس کا سبق کبھی قضا نہیں ہوسکتا اور وہ اپنے علم میں کبھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔

جو محنت آپ کریں گے، وہی بدلہ آپ کو ملے گا۔ اللہ ہم سب کو ایک متحرک زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے؛ تاکہ ہم اپنے لیے، معاشرے کے لیے، امتِ مسلمہ کے لیے؛ پوری دنیا کے لیے کام کرجائیں۔

یہ بات ذہن میں رکھیں! کہ جہالت کی وجہ سے مغلوبیت ہوتی ہے، آج ہم جانوروں پر کیوں غالب ہیں؟ اس لیے کہ ان کے پاس علم نہیں ہے، ہمیں اللہ نے علم دیا

---

(۱) پ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۳۹/ ۴۰

ہے، انسان ہاتھی پہ سوار، گھوڑے پر سوار گدھے پر سوار ہوتا ہے، حتی کہ شیروں کو بھی اپنے قابو میں کرلیتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں، جو قوم علم میں آگے بڑھ جاتی ہے، وہ پوری دنیا میں غالب آجاتی ہے۔

آج ہمارے نوجوانوں کے اندر اگر یہ شوق ترقی کرجائے، تو میرے دوستو! دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتی۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم محنت کو اپنائیں، تن آسانی کی زندگی کامیاب زندگی نہیں ہے۔ کامیاب زندگی ہمیشہ محنت، لگن اور مجاہدے کی زندگی ہوا کرتی ہے۔

ہماری ذات سے لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچ جائے؛ تا کہ یہ ہماری نجات آخرت کا ذریعہ بن جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ کوڑا کرکٹ، گندگی، پاخانہ اور فُضلہ؛ جب خشک ہوجائے، تو دیہاتی لوگ اسے کھیت میں ڈالتے ہیں، کہتے ہیں کہ جس کھیت میں یہ ڈال دیا جائے، تو یہ زرخیزی کا کام کرتا ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہو کہ ''اے انسان! سوچ تو سہی، ہم جسے نجاست، گندگی اور فضلہ کہتے ہیں، اس کو کسی کھیت میں ڈالا جائے تو وہ کھیتی کو فائدہ پہنچادیتی ہے، ہم اگر اپنے ساتھی کو فائدہ نہ پہنچا سکے، تو ہم اس سے بھی گئے گزرے ہوئے!! ہمیں زندگی گزارنی ہے، اپنی ذات کا فائدہ دیکھیں، اپنے دوست احباب، امتِ مسلمہ کا انسانیت کا فائدہ دیکھیں اور انسانیت کو ہم کچھ نہ کچھ دے کر جائیں۔

اللہ-رب العزت-فرماتے ہیں **إِنِّیْ لَآ أُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ أَوْ أُنْثٰی** (۱)
''اللہ-رب العزت- کا وعدہ ہے کہ مرد ہو یا عورت، میں تمہارے کئے ہوئے عمل کو کبھی رائیگاں نہیں جانے دوں گا''۔

آج محنت کا میدان ہمارے لیے وسیع کردیا گیا ہے، ہمارے اسلاف نے محنتیں کیں، اور ان کی محنتوں سے آج پوری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر ہم نے آج محنت کی تو

---

(۱) پ: ۴ سورہ آل عمران، آیت: ۱۹۵

اس کو بھی اللہ تعالی قبول فرمالیں گے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۱)

''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے، جس کے لیے وہ محنت کرتا ہے''

یہاں پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو وہی کچھ ملتا ہے، جس کے لیے وہ محنت کرتے ہیں؛ بلکہ انسانوں کی بات کی گئی ہے، جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کی بات کی گئی ہے؛ چنانچہ جب غیر مسلموں نے محنت کی، تو ان کی محنت کا بدلہ اللہ تعالی نے اسی دنیا میں دے دیا۔

عزیز طالب علمو! آج ہم ''پدرم سلطان بود'' کا نعرہ لگاتے ہیں، کہ ہمارے باپ دادا بڑی عزتوں والے تھے، تو یہ بھی تو بری بات ہے کہ ان کی اولاد کتنی نکھٹو ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جو سرمایہ ہمارے اسلاف نے ہمیں دیا تھا، ہم اسے لے کر آگے بڑھیں اور دنیا کو علم کے نور سے منور کریں۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کردے

---

(۱) پ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۳۹

حصولِ علم میں خشیت کا پہلو

قرآنِ مجید، فرقانِ حمید میں تین الفاظ بہت قریب المعنی استعمال ہوئے ہیں ؛ ایک ''خوف''، دوسرا ''خشیت'' اور تیسرا ''خشوع''۔

خوف، خشیت اور خشوع کی حقیقت

یہ تینوں اتنا قریب المعنی ہیں کہ اکثر وبیشتر طلباء ایک کی جگہ دوسرا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک باریک سا فرق ہے:

''خوف'' کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی غلطی کی وجہ سے سزا ملنے کا ڈر ہو، اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک طالب علم نے کام نہیں کیا، سوگیا۔ اب یہ ڈر رہا ہے کہ اگر استاذ نے میری کاپی چیک کرلی تو میری تو پٹائی ہوگی۔

ایک ہوتی ہے ''خشیت''، اس خشیت میں خوف کے ساتھ تعظیم بھی ہوتی ہے، محبت بھی ہوتی ہے۔

اور ایک تیسرا لفظ ہے ''خشوع''، خشوع: کسی کی عظمت کی وجہ سے، اس کا رعب دل پر طاری ہونا، اس کو خشوع کہتے ہیں، ایک خادم کو بادشاہ کے اختیارات کا پتہ ہوتا ہے، تو بادشاہ کی عظمت کی وجہ سے، اختیارات کی وجہ سے، اس کے دل پر ایک ہیبت ہوتی ہے۔

آپ کا مقام خشیت ہے

خوف کے مقام میں انسان شامل ہے، یہ میرے اور آپ کا مقام ہے، عوام الناس کا

مقام ہے، کیوں کہ ہمیں غلطیوں کا پتہ ہوتا ہے، اس لیے ڈر رہے ہوتے ہیں۔

اور مقامِ خشوع مقربین کے لیے ہے، اور مقام خشیت علماء کے لیے ہے علماء گناہوں سے بچتے ہیں، فرماں برداری کی کوشش میں لگے رہتے ہیں؛ مگر جانتے ہیں کہ ہمارے عمل بھی اس کی شان کے مطابق نہیں وہ پروردگار بے نیاز بھی بڑا ہے، پتہ نہیں یہ عمل قبول ہوں گے یا نہیں؟ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اپنی طرف سے شریعت وسنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ لیکن وہ اللہ کی شان بے نیازی کو جانتے ہیں، اور اس شان بے نیازی کی بناء پر وہ ڈرتے رہتے ہیں، کہ کہیں کوئی خفیہ تدبیر نہ ہوجائے، کہیں میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ پیش آئے کہ وہ مالک روٹھ جائے۔

علماء نے بلعم باعورا کا واقعہ پڑھا ہوتا ہے کہ تین سو سال عبادت کی؛ مگر انجام کیا ہوا؟!!

وہ جانتے ہیں کہ عبد اللہ اندلسی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟!!

تو اللہ کی عظمت اور بے نیازی کو سامنے رکھ کر، دل کے اندر جو کیفیت آتی ہے، اس کو علماء کی علامت بتلایا گیا ہے۔

ایک بات ذہن میں رکھنا، کہ ایک ہوتا ہے ''حزن'' اور ایک ہوتا ہے ''خوف۔''

جب انسان کے دل میں حزن بڑھتا ہے، تو اس کا کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے، جو طالب علم فیل ہوگیا، اس کا کھانے پینے کو دل نہیں چاہتا۔ تو جس طرح ''حزن'' کی وجہ سے کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے، ''خشیت'' کی وجہ سے اسی طرح گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے، ربیع بن انسؒ کا قول ہے۔

مَنْ لَمْ يَخْشَى اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، فَلَيْسَ بِعَالِمٍ

جس کے دل میں اللہ کی خشیت نہ ہو، وہ عالم ہی نہیں ہے۔(۱)

خشیت جتنی بڑھتی ہے، انسان اللہ کے اتنا قریب ہوتا ہے۔ اور جتنا علم بڑھتا جاتا

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن ۱۴/ ۳۴۳

ہے، یہ خشیت اتنی بڑھتی جاتی ہے، کیوں؟علم بڑھنے سے اللہ کی عظمت بڑھتی ہے،علم بڑھنے سے اپنے نقائص کھلتے ہیں،اب پتہ چلے گا، کہ میں اتنا ناقص بندہ اور میرا رب اتنے کمالات والا؛ چنانچہ ڈر بڑھ جائے گا کہ پتہ نہیں میرے ساتھ معاملہ کیا ہوگا؟تو خوف اگر محبت کے ساتھ ہو،تو یہ خشیت بن جاتی ہے۔

علم کے ساتھ خشیت نہیں،تو کہاں جارہے ہیں؟...

علم کا پڑھنا اور اس کا بڑھنا، بے فائدہ ہے، جب تک خوفِ خدا بھی نہ بڑھے۔اگر علم بڑھنے کے ساتھ خشیت نہ بڑھے،تو پھر سمجھ لیں کہ ہمیں محرومی ہورہی ہے،ہمیں علم حاصل نہیں ہورہا،معلومات حاصل ہورہی ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے ہیں: کہ آدمی کو ریل کا سفر کرنا ہوتا ہے،تو وہ درمیان میں دیکھتا رہتا ہے کہ اب کون سا اسٹیشن آیا؟اب کون سا اسٹیشن آیا؟ مثلاً ’’لاہور‘‘ سے ’’کراچی‘‘ کے لیے بیٹھا،تو راستے کے شہروں کو وہ دیکھتا جاتا ہے، کہ کس قسم کے اسٹیشن تھے، پہلے فلاں اسٹیشن آیا، پھر ’’خانیوال‘‘، پھر ’’ملتان‘‘ آیا ہے۔اس کو پتہ چلتا ہے کہ ہاں میں قریب ہورہا ہوں۔اور اگر وہ ’’لاہور‘‘ سے بیٹھے ’’کراچی‘‘ کی ٹرین پر اور راستے میں اس کو نظر آجائے ’’جہلم‘‘، ’’گجرانوالہ‘‘ اور ’’گجرات‘‘؛تو وہ پہچان لیتا ہے کہ میں تو دوسری سمت جارہا ہوں۔بالکل اسی طرح طلباء اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھیں؛ اگر خشوع کی علامات نظر آتی ہیں،تو گاڑی منزل کی طرف جارہی ہے۔اور اگر خشوع کی علامات نظر نہیں آرہی ہیں،تو معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کی بجائے ہم نفس کی رضا والی سمت کی طرف چل رہے ہیں۔پھر ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کہاں گڑبڑ ہورہی ہے؟تو اپنے آپ کو ٹٹولتے رہنا چاہیے، دیکھتے رہنا چاہیے؛ہاں اگر عقل ہی جواب دیدے،تو بات اور ہے، پھر تو وہ سِکھ والی بات ہوئی نا؟ کہ جانا تھا اسے ’’کراچی‘‘ کی ٹرین سے،اور غلطی سے بیٹھ گیا ’’پنڈی‘‘ کی ٹرین پر،تھکا ہوا تھا،اپنی سیٹ پر آکے سوگیا، جب سو کے اٹھا، نیچے سیٹ

والے لوگ باتیں کررہے تھے، پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ کہا کہ ''پنڈی'' جارہے ہیں، تو کہتا ہے کہ سائنس نے بڑی ترقی کرلی ہے، کہ نیچے والے ''پنڈی'' جارہے ہیں، اور اوپر والے ''کراچی'' جارہے ہیں۔

تو اگر ایسی عقل ہے، پھر تو گلہ نہیں ہے۔ اور اگر اللہ نے عقل کی رَتی دی ہے، تو انسان اپنی حالت کو دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ میں کس سمت میں جارہا ہوں۔

فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ

''تم کدھر جارہے ہو؟''(۱)

اگر ہمارے اعمال کے اندر اضافہ ہورہا ہے، ہماری نماز کی کیفیت پہلے سے بہتر ہورہی ہے، ہمیں تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے اللہ-رب العزت- کے تعلق کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، گناہ سے ہم اس طرح دور بھاگتے ہیں، جس طرح بچھو سے دور بھاگتے ہیں؛ تو یہ خشیت والی علامات ہیں۔ اور اگر آنکھ، اِدھر بھی اٹھ کر دیکھتی ہے، اُدھر بھی دیکھتی ہے، نماز کی پروا نہیں، غیبت آسانی سے کرلیتے ہیں، جھوٹ آسانی سے بول لیتے ہیں؛ تو پھر اس کا مطلب ہے اسٹیشن کوئی اور ہے، جس کی طرف ہم جارہے ہیں۔

مسروقؒ فرماتے تھے، کہ بندے کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ اس میں خشیت آجائے، اور بندے کے لیے اتنی جہالت کافی ہے کہ علم کے اوپر عجب کرنے لگے۔(۲)

خشیت کی کیفیت اللہ کو بہت پسند ہے، حدیث پاک میں فرمایا: جو بندہ اللہ کو یاد کرے کہ آنکھ سے آنسو نکل آئیں؛ (حتی کہ زمین پر آنسوں گر پڑے)، اللہ-رب العزت- اس بندے کو قیامت کے دن عذاب نہیں دیں گے۔(۳)

تو خشیت اللہ تعالی سے مانگنی چاہیے اللہ ہمیں بھی عطا فرمادے، دعا سکھائی:

---

(۱) پ: ۳۰ سورۃ التکویر، آیت: ۲۶ (۲) کتاب الزہد باب: ۱۹۳۶/ ۲۷۶ (۳) سنن ترمذی باب ماجاء فی فضل الغبار فی سبیل اللہ ۱/ ۲۹۲ رقم: ۱۶۳۳

اَللّٰهُمَّ أَقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِکَ مَا يَحُولُ بِهٖ بَيْنَنَاوَبَيْنَ مَعْصِيَتِکَ، وَمِنْ طَاعَتِکَ مَاتُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَکَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَاتُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا، وَاَبْصَارِنَا، وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا، وَلَاتَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَاتُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا۔[1]

کتنی خوبصورت یہ دعا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اسے زبانی یاد کریں، اور ہر نماز کے بعد اس کو مانگنے کا اہتمام کریں، تاکہ اگر اللہ نے علم دیا ہے، تو وہ علم خشیت کا پھل بھی لے آئے؛ ورنہ جس طرح پیپل کا درخت بے قیمت ہوتا ہے، انسان کا علم بھی اللہ کی نظر میں بے قیمت ہوجائے گا۔

ہمارے اکابر اہلِ علم میں خشیت

یہ خوف وخشیت ہوتا تھا ہمارے اکابر کے دلوں میں:

❊ امام اعظمؒ کے ایک شاگرد فرماتے ہیں: کہ وہ چھوٹی عمر میں امام صاحب کے گھر میں کبھی کبھی رہ جاتے تھے، کیوں کہ میرے والد، امام صاحب کے دوست تھے، انہوں نے کہا: کہ میں تہجد میں اٹھتا تھا، تو امام صاحب کو قیام میں تلاوت کے دوران ایسے روتے ہوئے دیکھتا تھا، کہ آنسوؤں کا گرنا یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے بارش کے قطرے گر رہے ہیں!! امام صاحب اتنی کثرت سے روتے تھے۔

❊ عطا اسلمیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ رات کو اٹھتے تھے، شیشہ دیکھتے تھے، بیوی نے پوچھا کہ رات کو شیشہ دیکھ رہے ہیں، فرمانے لگے: کہ میں شیشہ دیکھتا ہوں، کہ کہیں میری شکل کو مسخ تو نہیں کر دیا گیا!! خوف ہوتا تھا۔

یہ تو اللہ کے حبیب کی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ ہے، کہ اللہ نے اس امت کی شکلیں نہ بدلنے

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج: ۲ ص: ۱۸۸، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند الہند۔ رقم: ۳۵۰۲

کی دعا کو قبول فرمادیا کہ میں شکلیں نہیں بدلوں گا۔حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: کہ لیکن جو بھی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ اس کی باطنی شکل کو بدل دیتے ہیں، انسان اندر سے سوّر کی طرح ، اندر سے کتے کی طرح، اندر سے بندر کی طرح بن جاتا ہے؛ باطن کی شکل مسخ ہوجاتی ہے۔

جن کے دلوں میں خشیت ہوتی ہے، اُن کو اللہ کی رضا ملتی ہے، اس سے بڑا انعام کوئی نہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْ عَنْہُ، ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ(۱)

حضرت عمرؓ کا خوف

سیدنا عمرؓ جن کے اسلام لانے سے اسلام کو فتح نصیب ہوئی،

....جس راستے سے عمر گزرتا ہے، شیطان اس راستے کو چھوڑ جاتا ہے،(۲)

....نبی علیہ السلام نے فرمایا: میرے دنیا میں دو وزیر، ابو بکر اور عمر ہیں؛ (۳)جن کی اتنی شان تھی، ان کے خوف کا یہ حال تھا کہ آنسوؤں کے کثرت سے گرنے کی وجہ سے رخسار سے آنسوؤں کی لکیریں نظر آتی تھیں!!!(۴)

جب ان پر حملہ ہوا، اور مہلک زخم آئے، تو بیٹے کو بلایا، ''بیٹے! جو زخم مجھے لگا ہے، لگتا ہے کہ اب میری موت ہوجائے گی، مجھے جلدی کفنا دینا، اور جلدی تم دفن کر دینا۔'' تو ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ جی جلدی کریں گے۔ پھر دوبارہ بلا کر کہا: ''اچھا جی جلدی کریں گے۔'' جب دو تین مرتبہ کہا نا، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: ''ابّا جان! آپ اتنا بار بار کیوں اصرار کر رہے ہیں، کہ ہم جلدی کریں؟ عمرؓ نے عرض کیا: کہ ''بیٹے! میں جلدی کرنے کے لیے اس لیے کہہ رہا ہوں اگر اللہ مجھ سے راضی ہوجائے تو مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا، اور اگر مجھ سے ناراض ہوجائے، تو میرا بوجھ جلدی اپنے کندھوں سے اتار دینا، اور عمر کے معاملے کو تو اللہ بہتر جانتا ہے، کہ قیامت کے دن کیا ہوگا؟!!!

---

(۱) پ: ۳۰، سورۃ البینۃ، آیت: ۸ (۲) صحیح بخاری، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، ۱/۱۱۷ رقم: ۳۱۸۸ (۳) سنن ترمذی مناقب ابی بکر الصدیق، ۲/۲۰۹ رقم: ۳۶۸۰ (۴) حلیۃ الاولیاء ۱/۵۱

سید المحدثین کا خوف

ابو ہریرہؓ سید المحدثین، سید الحفاظ، امام المجتہدین، فقیہ؛ موت کے وقت رونے لگ گئے، کسی نے کہا: کہ آپ تو نبی -علیہ السلام- کے صحابی ہیں، اور اتنی کثرت سے روایت کی ہیں، آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمانے لگے:

أَصْبَحْتُ فِيْ صَعُوْدٍ مُهْبِطٍ عَلٰى جَنَّةٍ وَنَارٍ، لَاأَدْرِيْ أَيُّهُمَا يُؤْخَذُبِيْ (۱)

ایک گھاٹی کی طرف میں چڑھا ہوں، نیچے اتروں گا، یا جنت ہوگی، یا جہنم، تو مجھے نہیں پتہ میں کس طرف پہنچوں گا؟

یاد رکھنا! یہ معاملہ علام الغیوب کے ساتھ ہے، جب ہمارے دلوں میں گناہ کا خیال پیدا ہوا تو اللہ اس وقت بھی جانتے تھے، جب ہم نے گناہ کے لیے قدم اٹھایا، اللہ اس وقت بھی جانتے تھے، پھر جب ہم گناہ کر رہے تھے، اللہ اس وقت بھی دیکھ رہے تھے؛ اس پروردگار کے سامنے حساب کے لیے پیش ہوں گے، ہمارا کیا بنے گا؟

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَاتُخْفِي الصُّدُوْرُ (۲)

ہم گناہ کر کے بھول جاتے ہیں، نامۂ اعمال میں تو گناہ لکھے ہوتے ہیں، جب تک کہ توبہ نہ کی جائے۔

فرشتے ڈرتے ہیں پروردگار کی تدبیر سے اور ہم گناہ کر کے بھی نہیں ڈرتے۔

امام الانبیاء کا خوف

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں- پکے بندے ہیں کچی بات کرنے والے نہیں؛ اس لیے یہ بات نقل کر رہا ہوں-: نبی -علیہ السلام- نے فرمایا: کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے آخرت کے احوال سے اتنا ڈرایا، کہ میں رونے لگ گیا۔

میں نے کہا: ''اے میرے حبیب جبریل! کیا اللہ نے میرے اگلے پچھلے گناہوں کو

(۱) حلیۃ الاولیاء ۱/ ۳۶۹ (۲) پ: ۲۴، سورۃ المؤمن، آیت: ۱۹

معاف نہیں فرما دیا؟'' جبریلؑ نے کہا: ''قیامت کے دن آپ ایسے حالات کو دیکھیں گے، کہ آپ اپنی مغفرت کو بھول جائیں گے!!''

فَبَكىٰ رَسُوْلُ اللهِ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- حَتّٰى بَلَّتْ دُمُوْعُهٗ لِحْيَتَهٗ (۱) اللہ کے حبیب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- اتنا روئے کہ ریش مبارک سے آنسو نیچے آ گئے!!۔

رونا ضروری ہے

جو اللہ -رب العزت- کی عظمتوں کو جانتے ہیں، ان کے دل میں اتنی ہیبت ہوتی ہے کہ مالک الملک کے سامنے قیامت کے دن حاضری دینی ہے، لہٰذا وہ اس ڈر سے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

رونا تو پڑتا ہی ہے، آج اپنے گناہوں پر جی بھر کے رولیں، تاکہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف کردے۔ عمل تو ایک بھی زندگی میں نہیں، جو اللہ کے حضور پیش کرنے کے قابل ہو، بس اتنی بات کرتے ہیں کہ اللہ! بچپن میں ماں باپ انگلی پکڑے کے مسجد میں لے جایا کرتے تھے، اس عمر میں کلمہ پڑھا تھا، بال سفید کر بیٹھے، اللہ اِن بالوں کی لاج رکھ لیجیے!

اے میرے مالک! تیرے دربار میں صحابہ، تابعین، بڑے بڑے حضرات آپ کے سامنے خوف کھاتے تھے، میرے مولی ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟ ہماری اوقات ہی کیا ہے؟ ہمیں تو اپنے نامۂ اعمال میں گناہوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اے میرے مولی! ہم ناپ تول کے قابل نہیں ہیں، قیامت کے دن کے حساب سے بچا لیجیے گا رحمت فرما دیجیے گا۔

إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا شَابَتْ عَبِيْدُهُمْ
فِيْ رِقِّهِمْ أَعْتَقُوْهُمْ عِتْقَ أَحْرَارِ

---

(۱) حلیۃ الاولیاء ۱/ ۲۶۶ رقم: ۱۳۳۰

وَأَنْتَ يَاسَيِّدِىْ أَوْلٰى بِذَا كَرَمًا
قَدْ ثَبَتَ فِيَّ الرِّقُّ فَأَعْتِقْنِيْ مِنَ النَّارِ

یا اللہ! ہم نے دیکھا ہے بادشاہوں کو، جب اُن کے غلام خدمت کرتے کرتے بوڑھے ہوجاتے ہیں،تومیرے مولی!وہ ان بوڑھوں کو آزاد کردیتے ہیں،میرے مولی! ہمیں جہنم کی آگ سے آزاد کردیجیے! اللہ! جہنم کی آگ سے آزاد فرمادیجیے! اے اللہ! ہمارے دل سخت ہیں، ہمیں اپنے گناہوں پر رونا نہیں آتا، آنکھیں خشک ہوچکی ہیں۔ مالک! ہمیں چاہیے تھا، کہ یہ آنکھیں بہہ پڑتیں، یہ دل موم ہوجاتے اور ہم دل کی گہرائیوں سے معافی مانگتے۔ ربّ کریم! اس دل کی سختی کو آپ ہی دور کرسکتے ہیں۔ رحمت کا معاملہ فرمائیے۔ میرے مولی! آئندہ ہمیں نیکوکاری، پرہیزگاری کی زندگی عطا فرمادیجیے۔

ایک مثالی طالب علم

آج ایک ایسی شخصیت کی مثال آپ کے سامنے پیش کی جائے گی، جس کو اللہ -رب العزت- نے علم کی تڑپ اور طلب دی تھی، علم کی پیاس تھی، پوری زندگی انہوں نے طالب علم بن کر گزاری۔

خاندانی پسِ منظر اور پیدائش

چنانچہ ''حیران'' شہر میں ایک ترکی تاجر کا باغ تھا، یہ تاجر اللہ کے فضل سے خوب مالدار بھی تھا، دین دار بھی تھا، اس کو اللہ نے ایک چاند سی بیٹی عطا کی، جو نیک بھی تھی اور اپنی شکل وصورت میں رشکِ قمر بھی تھی، اس کے حسن و جمال کی، عورتیں ایک دوسرے کو مثال دیا کرتی تھیں۔ تاجر اس سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح کس سے کروں؟ بڑے بڑے امراء نے اس سے اپنے بیٹوں کے رشتے بھیجے؛ لیکن اس تاجر کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اس کا ایک خادم تھا، اس کے دل میں اتنا خوفِ خدا تھا، اتنا تقوی تھا، کہ کئی سال گزر گئے تھے، اس نے ایک انار بھی چکھا تک نہیں تھا، یہ بات تاجر کے دل کو لگ گئی؛ بالآخر اس ترکی تاجر نے اپنی اس نیک صورت، نیک سیرت بیٹی کا نکاح اس خادم کے ساتھ کردیا، اور اس کو باغ کا مالک بھی بنادیا۔ اس کا نام تھا ''مبارک''، مبارک کی شادی ہوگئی۔

اب خاوند بھی نیک، اور بیوی بھی نیک ۔ اللہ -رب العزت- نے انہیں ایک بیٹا عطا کیا،

جس کا نام انہوں نے ''عبداللہ'' رکھا، چنانچہ یہ بچہ ایک سو اٹھارہ ہجری میں پیدا ہوا۔

دل کی حالت کب اور کیسے بدلی؟...

انہوں نے اپنے بچے کی اچھی تربیت کرنے کی کوشش کی؛ مگر جب بچے ناز ونعمت میں پلتے ہیں، تو غفلت تو آ ہی جاتی ہے، لہو ولعب میں دل لگتا ہے؛ چنانچہ ''عبداللہ'' بھی اسی لائن میں چل نکلا، اس کا کام سارا دن نوجوانوں کے ساتھ کھیلنا، باتیں کرنا، دن رات اسی کام میں لگے رہنا۔ ماں باپ کا دل تڑپتا کہ ہمارا بچہ نیک بنے؛ لیکن جوانی دیوانی ہوتی ہے، کئی مرتبہ جب بندے کو اپنی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے، تو یہ آدھی سے زیادہ گزر چکی ہوتی ہے، عبداللہ بھی انہی لوگوں میں سے تھا، ماں باپ دعائیں کرتے، اللہ کے حضور مانگتے - ماں باپ کی دعائیں رائیگاں نہیں جاتیں - عین عالمِ جوانی میں ایک دن عبداللہ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے:

''اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ''(۱)

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا، کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے ڈر جائیں؟

یعنی وہ گناہوں سے باز آجائیں۔ آنکھ کھلی، تو دل کی حالت بدل گئی تھی؛ سوچا میں کب تک اپنے اللہ کی نافرمانی کروں گا؟ میں کب تک اپنے مالک کی نعمتوں کی ناشکری کرتا پھروں گا؛ چنانچہ دل میں سچی توبہ کی نیت کرلی؛ مگر اپنے والدین کو اس سے آگاہ نہیں کیا۔

طلب علم کے لیے اسفار

جب باپ نے دیکھا کہ بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں، تو اس نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! اب آپ پھر تجارت کرلو۔ اس کے والد نے پچاس ہزار درہم اپنے بیٹے کو تجارت کے لیے دیئے، بیٹے نے پچاس ہزار درہم لیے، اور علم حاصل کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے چل پڑا؛ چنانچہ مختلف اساتذہ کی خدمت میں یہ سفر کرکے پہنچا، علم حاصل کیا۔

---

(۱) پ:۲۷، سورۃ الحدید، آیت:۱۶

جب زادِراہ ختم ہوگیا،تو یہ واپس گھر لوٹا، باپ نے پوچھا: بیٹے تم نے کیسی تجارت کی؟ جواب دیا کہ ایسی تجارت جو دنیا میں بھی فائدہ دیتی ہے،اور آخرت میں بھی فائدہ دیتی ہے، ایسی تجارت جو **"تُنجِيكُم مِّنۡ عَذَابٍ أَلِيمٍ"** (دردناک عذاب سے نجات دیتی ہے) [1] باپ نے پوچھا، بیٹا کون سی؟اس وقت راز کھلا کہ سارا مال علم حاصل کرنے میں لگا دیا۔ باپ کو یقین نہیں آرہا تھا، کہ میرا بیٹا میرے سامنے یہ بات کہہ رہا ہے، اس کا تو خواب پورا ہوگیا، اس نے بیس ہزار درہم اور دیئے۔

عبداللہ بن مبارک پھر چلے، اور انہوں نے وہ بیس ہزار درہم بھی علم کی طلب میں خرچ کردیے۔ اتنا سفر کیا کہ شام،مصر، ایران، حجاز، اور یمن ان علاقوں کا کوئی نمایاں عالم ایسا نہیں تھا، جس سے انہوں نے علم حاصل نہ کیا ہو۔ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے، کہ انہوں نے اپنی زندگی میں چار ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے: کہ اپنے زمانہ میں علم کے حصول کے لیے سفر کرنے والا عبداللہ سے زیادہ اعلیٰ انسان کوئی نہیں تھا۔طلب علم میں اس قدر انہوں نے کوشش کی!!

وہ زمانہ تو تھا ہی فقہاء ومحدثین کا، جواُن کے نمایاں استاذ تھے وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ تھے، ان کی صحبت میں رہ کر انہوں نے دین میں تفقہ حاصل کیا فقیہ وقت بن گئے۔

چنانچہ سفیان ثوریؒ ،حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو مشرق ومغرب کا عالم کہا کرتے تھے۔ جب انہوں نے یوں علم حاصل کرنے میں اپنی محنت کھپادی، تو اللہ-رب العزت- نے انہیں بہت علم عطا کیا۔جیسے اسفنج پانی میں ڈال دیا جائے تو کیسے پانی چوس لیتا ہے؟ اس کی نَس نَس میں سماجاتا ہے، عبداللہ بن مبارکؒ کی بالکل یہی عادت تھی، جہاں جاتے تھے اپنے استاذ کے علم کو یوں حاصل کرلیا کرتے تھے۔واقعی علم ایک ایسی پیاس ہے، جو زندگی

(۱) پ:۲۸،سورۃ الصّف،آیت:۱۵

بھر کبھی نہیں بجھتی۔علم ایک ایسا روگ ہے،جس کا علاج علم کے سوا دوسرا کوئی ہے ہی نہیں،ایک نشہ ہے، یہ بندے کو جب لگ جاتا ہے،تو پھر اس کے اندر وحدتِ مطلب آجاتی ہے،وہ ہر طرف سے ہٹ کٹ کے علم کی طلب میں اپنا وقت گزارتا ہے۔ایک ایسا وقت آیا کہ لوگوں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا کہ آپ حدیث کا درس دیا کریں، پھر تو اللہ کے بندوں کا ایسا رجوع ہوا، ہزاروں لوگ ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کے اخلاق وعادات

اللہ رب العزت نے ان کو چند صفات سے نوازا تھا،طلباء کو چاہیے کہ وہ صفات کو ذرا توجہ سے سنیں اور اپنے اندر ان کو پیدا کرنے کی کوشش کریں:

(۱) دوسروں کا دل خوش کرنا

چنانچہ اللہ-رب العزت- نے ان کو تفقہ فی الدین عطا فرمایا؛مگر ان کے اخلاق کی ایک بڑی صفت یہ تھی ''کہ لوگوں کا دل خوش کیا کرتے تھے،کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے''۔

ایک مرتبہ اپنے ایک غلام کے ساتھ حج پر نکلے، راستہ میں دیکھا، کہ ایک چھوٹی عمر کی لڑکی ہے، وہ ایک مرے ہوئے پرندے کو اٹھا کر لے جا رہی ہے، بلا کر پوچھا کہ تم نے مرے ہوئے پرندے کو کیوں اٹھایا؟ اس لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے لگی: کہ میں ایک یتیم بچی ہوں، گھر میں کوئی مرد نہیں جو کما کر لے آئے، اور میں اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہوں، اور کئی کئی دن ہمارے فاقہ میں گزر جاتے ہیں، آج پانچواں دن ہے فاقہ کا، میں اسی پرندے کو اٹھا کے لے جا رہی ہوں، اس کا گوشت پکا کے کھائیں گے، کم از کم اپنا فاقہ تو ختم کریں گے۔یہ سن کر عبداللہ بن مبارکؒ کا دل تڑپ اٹھا، اپنے غلام سے پوچھا کہ بتاؤ! یہاں سے ہمیں گھر واپس جانے کے لیے کتنے خرچے کی ضرورت ہے؟اس نے کہا: بیس درہم۔فرمایا کہ بیس درہم اپنے پاس رکھ لو، اور باقی جتنا پیسہ ہے اس بچی کو دے

دو۔اس نے کہا: جی آپ نے توحج کاارادہ کیا تھا؟فرمایا:اس حاجت مند بچی کی ضرورت کو پورا کرنا میرے اللہ کے نزدیک حج کرنے سے زیادہ افضل ہے؛چنانچہ وہیں سے واپس آگئے۔

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص کسی مؤمن کے دل کو خوش کرتاہے،اللہ تعالی زندگی کے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔(۱)

کیاہم اپنے ماں باپ کا دل خوش کرتے ہیں؟ کیاہم اپنے اساتذہ کا دل خوش کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے ہمسایوں کا دل خوش کرتے ہیں؟ اپنے بڑوں کا، چھوٹوں کا دل خوش کرتے ہیں؟ اگراس بارے میں سوچیں گے،توشرم سے ہماراسر جھک جائے گا۔اللہ کے بندوں کودُکھ دیتے پھرتے ہیں،اللہ کے بندوں کے لیے وبالِ جان بنے پھرتے ہیں،بے سینگ کے جانور ہیں،اِسے ٹکر لگا دیتے ہیں،اُسے ٹکر لگا دیتے ہیں،ایسے لفظ بول دیتے ہیں کہ دوسرے کا دل ٹوٹتا ہےاور ہمیں پرواہ ہی نہیں ہوتی۔اسلام ہمیں کسی اور چیز کی تعلیم دیتاہے؟۔

(۲)شوق عبادت

عبادت کا اتنا شوق تھا کہ انھوں نے اپنے پورے سال کو تین حصوں میں تقسیم کرر کھا تھا؛ سال کا کچھ حصہ حدیث پاک کے پڑھنے اور پڑھانے میں لگادیتے تھے،سال کا ایک حصہ حج کے سفر میں لگادیتے تھے، سال کا تیسرا حصہ یہ اللہ کے راستے میں جہاد میں لگادیا کرتے تھے۔سفیان ثوریؒ جو اپنے وقت کے اتنے بڑے فقیہ تھے،فرمایا کرتے تھے: کہ ''کاش میری پوری زندگی عبداللہ بن مبارکؒ کے تین دن کے برابر ہوجاتی''۔انھوں نے حدیث پاک میں اتنا کمال حاصل کیا، کہ اکیس ہزار حدیثیں ان سے روایت ہوئی ہیں۔

انھوں نے کوفہ میں ایک چھوٹا سا مکان لیا اور بس وہیں رہتے تھے،صرف نماز

(۱)مفہوم حدیث المعجم الکبیر ۳/ ۸۳رقم:۲۷۳۱

کے لیے نکلتے اور پھر اسی مکان میں آجاتے ،اور اتنا روشنی کا انتظام بھی نہیں تھا۔کسی نے پوچھا کہ اتنے چھوٹے سے مکان میں رہ کرآپ کا دل نہیں گھبراتا؟تو جواب میں کہنے لگے کہ ''سبحان اللہ!جو شخص ہر وقت نبی علیہ السلام کی مجلس میں وقت گزارتا ہو، بھلا اس کا دل کیسے تنگ ہوسکتا ہے؟''یعنی حدیث پاک پڑھنے اور یاد کرنے کو انہوں نے ان الفاظ سے کہا: کہ میں تو ہر وقت نبی علیہ السلام کی مجلس میں وقت گزارتا ہوں۔اب جس کے دل میں حدیثِ پاک کی ایسی عظمت ہو، نبی علیہ السلام کے ساتھ ایسی محبت ہو،تو پھر اس کو باہر کی دنیا میں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں رہتی؛اسی لیے لوگوں نے انہیں ''امام المسلمین'' اور ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کے الفاظ سے یاد کیا۔

(۳)وقت کے امراء سے بے نیازی

اپنے وقت کے جو امراء تھے ان سے بڑا بے نیازی کا سلوک کرتے تھے،وقت کے حاکموں کے دروازہ پر نہیں جاتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ کچھ فتنے ایسے ہیں، جو امیروں کے دروازوں پر قدم جمائے ہوئے ہوتے ہیں،جو انسان ان کے دروازوں پر چکر لگاتا ہے، وہ ان فتنوں میں گھر جاتا ہے؛ چنانچہ اسماعیل ان کے ایک دوست تھے،انہوں نے حکومتِ وقت میں کوئی عہدہ قبول کرلیا،تو انہوں نے ان سے ملنا ہی چھوڑ دیا۔اس نے کہا کہ کیا بات ہے کہ پہلے اتنی دوستی تھی ،اب ملتے ہی نہیں؟فرمایا کہ مجھے تیرے ایمان کا ہی ڈر رہتا ہے کہ پتہ نہیں کہ کہیں وہ بھی نہ سلب ہوجائے؛اس لیے کہ تم لوگوں پر کہیں ظلم کرنے والے نہ بن جاؤ۔اس بات کو سن کر اسماعیل توبہ تائب ہوئے اور انہوں نے پھر علم کی خدمت میں وقت گزارا۔

اخفاء اعمال

ان کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ یہ اپنے اعمال کو چھپایا کرتے تھے۔آج کے طلباء ذرا اس پیمانہ پر تو اپنے کو تول کے دیکھیں ،کیا ہمارا کوئی ایسا عمل ہے، جو ہم نے اتنا

اللہ کے لیے خالص ہوکر کیا ہو، کہ کسی کو پتہ ہی نہ ہو، کہ ہم نے کیا کیا؟ اول تو ایسے اعمال کرتے نہیں اور کرتے ہیں تو دوسروں کو بتاتے پھرتے ہیں۔

ایک مرتبہ پانی کی ایک ''سبیل'' لگی ہوئی تھی اور پینے والوں کا رش تھا؛ کیوں کہ گرمی کا موسم تھا، یہ بھی لائن میں کھڑے ہو گئے۔ عجیب اللہ کی شان کہ جب دھکا لگا، تو یہ بھی نیچے گر گئے، نیچے گر کر جب اٹھے تو اللہ کا شکریہ ادا کیا، کہ- الحمدللہ- میرے اس علم کے باوجود مجھے ایسی گمنامی کی زندگی عطا کی کہ مجھے کوئی پہنچانتا ہی نہیں ہے۔ جب بندہ کے دل میں یہ نیت ہونا کہ اپنے آپ کو ایسے مٹادوں کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے، تو پھر اللہ تعالی ایسے بندوں کو آسمانِ شہرت کا ستارہ بنا کر چمکا دیا کرتے ہیں، اللہ ان کے تذکرے دنیا میں پھیلا دیتے ہیں۔ آج تو جس بندے کو دیکھو اس کو چَھپنے کا شوق ہے، جب کہ ہمارے بزرگ چُھپنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ تو ہم ایسے اعمال کریں جو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہوں۔ کیا کوئی طالب علم ایسا ہے جو کسی معذور کی خدمت کرتا ہو؟ کسی نادار کی خدمت کرتا ہو؟ محتاج کی خدمت کرتا ہو؟ اور اس کا یہ عمل اس کے اور اللہ کے درمیان ہو؟ اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ ہو؟ عزیز طلباء! اس کو زندگی کا نصب العین بنائیے کہ اس طرح ہمیں نیکی اور عبادت کرنی ہے، کہ کسی دوسرے کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔

زندگی امیروں کی طرح، موت مساکین کے ساتھ

عبداللہ بن مبارکؒ اس علم کے ساتھ تجارت بھی کیا کرتے تھے، اور اللہ- رب العزت- نے ان کی تجارت میں خوب برکت عطا فرمائی تھی؛ چنانچہ عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے محدث اور عالم ہیں اور پھر بھی تجارت کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں میں چاہتا ہوں کہ زندگی امیروں کی طرح استغناء کے ساتھ گزاروں؛ مگر اللہ مجھے موت مساکین کے ساتھ دے دے؛ کیوں کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

''اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِيْ مِسْکِیناً وَّ اَمِتْنِيْ مِسْکِیناً وَّ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ'' (۱)

(۵) خوف خدا

ایک بڑی صفت اللہ تعالی نے عبداللہ بن مبارکؒ کوعطافرمائی تھی وہ تھی ''خوفِ خدا۔''
خوفِ خدا کا یہ عالم تھا، ایک مرتبہ شام کے سفر پر گئے، اور لکھنے کے لیے کسی سے قلم لیا، اب قدرتاً وہ قلم ان کے پاس رہ گیا، جب یہ واپس اپنے وطن پہنچے، تو خیال آیا کہ اوہو! یہ قلم تو میں نے کسی سے مانگا تھا، اور میرے ساتھ ہی آ گیا، اس کی تو مجھے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کئی سو کا میل سفر صرف اس لیے کیا کہ واپس جا کر اس بندے کو اس کا قلم واپس کرسکوں!!

آپ سوچیں! کہ آج ہمارا عمل اس کے مطابق ہے؟ طلباء جہاں رہتے ہیں، بغیر اجازت ایک دوسرے کی چیزوں کو استعمال کرنا معمولی بات سمجھتے ہیں، کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں، تو دینے کا نام ہی نہیں لیتے کتاب پڑھنے کو مانگتے ہیں، تو جب کوئی لے جائے، تو آپ سمجھ لیں کہ بس یہ کتاب گئی۔ اکثر یہ بیماری دیکھی گئی، کہ بڑی لجاجت سے مانگیں گے کہ پڑھ کر واپس کردوں گا، ایسا لگتا ہے اس ہاتھ سے لے کر پڑھیں گے، اور دوسرے ہاتھ سے پڑھ کر واپس کردیں گے؛ لیکن لینے کے بعد بھول جاتے ہیں، واپس کرنی یاد ہی نہیں رہتی، مہینوں گزر جاتے ہیں۔ بلکہ طلبہ میں لطیفہ مشہور ہے: کہ ''وہ شخص بڑا بےوقوف ہے جو دوسرے کو پڑھنے کے لیے اپنی کتاب دیدے، اور اس سے بڑا بیوقوف وہ ہے، جو کتاب لے کے، اس کو واپس کردے۔''

عبداللہ بن مبارکؒ نے سینکڑوں میل کا سفر ایک قلم واپس کرنے کے لیے کیا اور اس زمانہ میں اونٹوں پر سفر ہوا کرتا تھا، ایک دن میں بیس میل سے زیادہ سفر کر ہی نہیں سکتے تھے، کتنا وقت لگا ہوگا؟ کتنی مشقت اٹھائی ہوگی؟ مگر قلم کو واپس کیا، تب اپنے ملک واپس آئے۔

---

(۱) سنن ترمذی، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنياءهم ۲/ ۶۰ رقم: ۲۳۵۲

عبداللہ بن مبارکؒ کے دل میں اللہ کا خوف بہت زیادہ تھا، اس خوفِ خدا کی یہ حالت تھی کہ جب عبداللہ بن مبارکؒ کی وفات کا وقت قریب آیا، شاگرد پاس تھے، شاگردوں سے فرمایا: کہ ''مجھے چارپائی سے اٹھا کے نیچے زمین پر لٹا دو!'' پہلے تو شاگرد تھوڑا حیران ہوئے، نیچے قالین تو نہیں بچھے ہوئے تھے، مٹی تھی۔ دوبارہ کہا: چارپائی سے اٹھا کر زمین پر لٹا دو! شاگردوں نے اس پر عمل کیا۔ جیسے ہی زمین پر لٹایا گیا، تو یہ دیکھ کر طلبہ کی چیخیں نکل گئیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ اپنے رخسار کو زمین پر رگڑنے لگے اور اپنی داڑھی کو پکڑ کر روتے ہوئے کہنے لگے: ''اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما'' اللہ اکبر! جس نے ساری زندگی حدیث پڑھائی اس نے یہ نہیں کہا: میں نے چالیس چالیس ہزار طلباء کو حدیث پڑھائی، میری وجہ سے اتنے لوگ نیکی پر آئے، اللہ! مجھ سے ایک بندے نے حدیث کا سوال پوچھا تھا، اور حدیث پر گفتگو کرتے کرتے اسی میں فجر کی اذان ہوگئی تھی؛ کوئی عمل اپنا اللہ کے سامنے پیش نہیں کیا۔ جانتے تھے، ہمارے عمل اللہ کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں، صرف روکر اتنی بات کہی: ''اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما'' وہ اپنے سفید بالوں کو پیش کرتے تھے کہ اے اللہ! کوئی عمل ایسا نہیں جو آپ کے سامنے پیش کرسکیں!!

سلمان بن یسارؒ اپنے وقت کے محدث ہیں، فرماتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مبارکؒ کی زندگی کو کئی سال قریب سے دیکھا، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان میں اور صحابہؓ کرام میں ایک فرق تھا، کہ صحابہ نے نبی علیہ السلام کا دیدار کیا تھا، جب کہ ان کو یہ سعادت نہیں ملی تھی، اس کو سوا مجھے ان کی زندگی میں اور صحابہ کی زندگی میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آیا۔ جس بندے کی زندگی ایسی ہو، وہ اپنے آخری وقت میں اللہ سے روکر دعا کر رہا ہے: ''اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما'' اللہ کی عظمتوں کو جانتے تھے۔

عزیز طلباء ہم بھی اب دل لگا کے پڑھیں اور عبداللہ بن مبارک جیسے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں، اللہ کی خشیت پیدا کریں اور خلوت وجلوت میں گناہوں سے بچیں۔ اور اللہ کے

حضور اپنا عمل تو پیش نہیں کر سکتے، بالآخر یہی کہیں گے، کہ مولی! بس تو اپنا فضل فرما دے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی عبداللہ بن مبارکؒ جیسی خشیت عطا فرمائے، اپنا خوف عطا فرمائے، علم کا شوق عطا فرمائے، ہمارے سینوں کو علم نافع کے نور سے بھر دے۔

علم کے اثرات تزکیۂ نفس کے ساتھ

استعداد اور صفات کے خزانوں کی کان

محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفی، احمد مجتبی -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے ارشاد فرمایا: **اَلنَّاسُ مَعَادِنُ** ''انسان کانیں ہیں۔'' (۱) نبی -علیہ السلام- نے یہ بہت ہی قیمتی بات ارشاد فرمائی ہے۔ لوگ تو دنیا میں کسی اچھی بات کو سن کر کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نے تو لاکھ روپے کی بات کہی؛ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی -علیہ السلام- کے فرمان کو اس سے تشبیہ دی ہی نہیں جاسکتی؛ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کو ملین اور بلین ڈالر سے بھی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

نبی -علیہ السلام- نے انسانوں کو کانوں کے ساتھ اس لیے مشابہت دی کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالی نے استعداد اور صفات کے خزانے رکھ دیئے ہیں۔ جیسے کانوں میں سے چیز خود نکالنی پڑتی ہے، اسی طرح انسان اپنی محنت سے، ان چھپی ہوئی صفات اور صلاحیتوں کو بیدار کرسکتا ہے۔

یہ صلاحیتیں تب بیدار ہوتی ہیں، جب ان کو نیک صحبت مل جائے، اور کوئی اچھا استاذ اور مُربی مل جائے۔ ہم ان صلاحیتوں کو بیدار نہیں کرتے اس لیے کنگال زندگی گزار رہے

(۱) صحیح بخاری باب:۱۱۹/ ۳۴۷

ہوتے ہیں، ان خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہے۔

پروردگار عالم نے ہر انسان کو دو خاص نعمتوں سے نوازا ہے، ایک ''پھڑکتا ہوا دماغ''، اور دوسرا ''دھڑکتا ہوا دل۔'' پھڑکتا ہوا دماغ علمِ الٰہی کا برتن ہے، اور دھڑکتا ہوا دل محبت الٰہی کا برتن ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ ان دونوں برتنوں کو بھرا رکھے۔

علمِ الٰہی کا برتن کیسے بھرے گا؟

اللہ تعالی نے اپنا پیغام انبیاء کرام کے دلوں پر نازل فرمایا؛ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: **فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ** (بے شک اس نے قرآن کو نازل کر دیا، آپ کے قلب پر) (۱) تو وحی کا تعلق، دل کے ساتھ ہوتا ہے، عقل کے ساتھ نہیں ہوتا۔ جو علوم انسان کو قلب کے ذریعے سے ملتے ہیں، وہ پختہ ہوتے ہیں، اور جو علوم انسان کو عقل کے ذریعے ملتے ہیں وہ پختہ نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ علوم صداقتوں اور سچائیوں پر مبنی ہیں جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں۔ ان الہامی علوم سے فائدہ اٹھانے کے لیے انسان کو اپنے آپ کو ستھرا کرنا پڑتا ہے؛ تا کہ گناہوں کی میل کچیل اُتر جائے، جب تک انسان کا مَن ستھرا نہ ہو، یہ علوم فائدہ نہیں دیتے، چنانچہ جب نبی -علیہ السلام- تشریف لائے، تو آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا: **وَيُزَكِّيهِمْ** (اور آپ ان کو ستھرا فرمائیں گے) (۲) اسی حکم کی بناء پر نبی -علیہ السلام- نے صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- کا تزکیہ فرمایا۔ یہ تزکیہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ جب انسان کا تزکیہ ہو جاتا ہے، تو پھر یہ علوم انسان کے اندر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں:

....قلب کے اندر ایمان بڑھتا ہے۔

....محبت الٰہیہ بڑھتی ہے۔

....خوفِ خدا بڑھ جاتا ہے۔

---

(۱) پ:۱ سورۃ البقرۃ آیت: ۹۷ (۲) پ: ۲۸ سورۃ الجمعۃ آیت: ۲

اور اس کا دل سنور جاتا ہے، ایسا ہی انسان کامیاب زندگی گزارتا ہے۔

کیا علم کے اثرات ہمیں حاصل ہیں؟

قرآن مجید کی آیت میں ایمان والوں کی دو نشانیاں بتائی گئی ہیں، اب ہم ان نشانیوں کو اپنی زندگی میں تلاش کریں، پہلی نشانی: ارشاد باری تعالی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ

بے شک ایمان والے بندے وہ ہیں، کہ جن کے سامنے اللہ-رب العزت-کا تذکرہ کیا جائے، تو ان کے دل پھڑک اُٹھتے ہیں (۱)

جیسے محبوب کا نام سن کر بندہ متوجہ ہوتا ہے، اور اس کی کیفیت بدل جاتی ہے، اسی طرح مومن بھی اللہ-رب العزت-کا نام سن کر پھڑک اٹھتا ہے۔

اک دم بھی مَحبت چھپ نہ سکی، جب تیرا کسی نے نام لیا۔

دوسری نشانی: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً

''اور جب ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔'' (۱)

کیا یہ کیفیت بھی ہمیں حاصل ہے، کہ جب ہم قرآن پاک کی آیات پڑھیں، یا سنیں تو ہمارے اوپر بھی یہ اثرات ہوں؟

رحمت کے جُھرمَٹ میں رحمت سے محرومی

یہ بات بڑے افسوس سے کہہ رہا ہوں کہ ایک قاری صاحب اپنے حالات بتاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ''حضرت! جب میں بچوں کو پڑھا رہا تھا، تو عین سبق سننے کی حالت میں، میری شہوت بھری نظر، ایک بچہ پر پڑ رہی تھی!!'' آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کیوں

(۱) پ:۹ سورۃ الانفال آیت:

ہو رہا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالی تو فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن پڑھا جائے، وہاں رحمت اُترتی ہے۔اب وہ بندہ جس نے فجر سے پہلے کلاس لینی شروع کی، اور پھر فجر کے بعد سے لے کر عشاء تک مختلف وقفوں سے بچوں کو اللہ کا قرآن پڑھایا، خود بھی پڑھا، بچوں سے بھی سُنا، اور ایک وقت میں درجنوں بچوں کی قرآن پڑھنے کی آواز اس کے کانوں میں جاتی رہی؛ تو وہ تو دن کے بارہ چودہ گھنٹے اللہ کی رحمتوں کے جُھرمَٹ میں بیٹھا رہا، ایسے بندے کا دل تو بالکل دُھل جانا چاہیے تھا، اس پر نفس وشیطان نے غلبہ کیوں کیا؟ اور اس پر قرآن مجید کی تلاوت کا اثر کیوں نہ ہوا؟ ہمارے مشائخ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اللہ کی رحمتوں کے اُترنے میں تو کوئی شک ہی نہیں؛ مگر اس کا دل ان رحمتوں کو جذب نہیں کر رہا ہوتا، قرآن مجید کے انوارات ثقیل ہیں، اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: **إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا** ''ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات نازل کریں گے۔'' (۱) اس لیے اس کے انوارات کو برداشت کر لینا ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں: کہ ذکر اللہ کے انوارات بہت لطیف ہوتے ہیں، لہٰذا جو بندہ اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے، اس کا قلب گناہوں کے میل کی وجہ سے جتنا بھی گندہ ہو، ذکر کے انوارات قبول کر لیتا ہے۔اس ذکر اللہ سے اس کے قلب کی نورانیت بڑھتی رہتی ہے، حتی کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا قلب ''لا الہ الا اللہ'' کے انوارات قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر کرتے کرتے انسان کی ایک ایسی کیفیت بن جاتی ہے کہ وہ قرآن مجید کے انوارات سے بھی فیض پانا شروع کر دیتا ہے، اب اس کے قلب کی روحانیت اتنی بن چکی ہوتی ہے، کہ یہ قرآن سن کر پھڑک اُٹھتا ہے۔

ہمارے مشائخ کے کانوں میں جب قرآن کی تلاوت کی آواز آجاتی تھی، تو ان کی کیفیت بدل جاتی تھی، وہ آیات سُن کر پھڑک اُٹھتے تھے۔کئی تو ایسے حضرات بھی تھے، کہ

---

(۱) پ:۲۹ سورۃ المزمل آیت:۵

وہ یہ دعائیں مانگتے تھے، کہ اللہ! ہم ''سورہ زلزال'' پوری سُن سکیں۔ ابھی شروع کی جاتی تھی، تو چند آیات کے بعد اُن پر بے ہوشی طاری ہوجاتی، وہ غش کھا کر، گر جاتے تھے اور کئی دنوں کے بعد انہیں ہوش آتا تھا۔

اتنا خوف خدا.....!!!

نبی -علیہ السلام- نے ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں ایک آیت پڑھی۔

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالاً وَّ جَحِيماً ● وَّ طَعَاماً ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَاباً أَلِيماً ●

''البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں، اور آگ کا ڈھیر، اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک''(۱)

آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے پیچھے عمران بن حصین -رضی اللہ عنہ- کھڑے تھے، انہوں نے یہ آیت سُنی، اور اُسی وقت گر کر اپنی جان دیدی۔ اِن حضرات کو اتنا خوفِ خدا ہوتا تھا!!

وہ حضرات قرآن مجید کے انوارات سے فیض پاتے تھے، پھر ان کے آنسوں جاری ہوجاتے تھے، کیا آج ہماری بھی یہ کیفیت ہوتی ہے؟ اگر یہ ہماری کیفیت نہیں ہے، تو یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ ہمیں ابھی محنت کرنے کی ضرورت ہے، اگر قرآن پڑھتے سنتے ہوئے ہمارے اندر سے شہوت زائل نہیں ہورہیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمیں ابھی دل صاف کرنے کی ضرورت ہے، کسی روحانی ڈاکٹر سے اپنا ''چیک اپ'' کروانے کی ضرورت ہے۔ اگر نہیں کروائیں گے، تو ان نجاستوں کو اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں گے۔

علماء کرام علوم نبوی کے وارث ہیں، اور مشائخ حضرات کیفیات نبوی کے وارث ہیں، مثلاً اگر کسی نے نبی -علیہ السلام- کا توکل دیکھنا ہو، تو وہ کتابوں سے تھوڑا ملے گا، اس کو مشائخ کی زندگی میں دیکھنا پڑے گا۔ اگر ''زہد'' کو دیکھنا ہوں، ''انقطاع عن المخلوق'' کو دیکھنا ہو، اگر محبت الٰہیہ کی کیفیت کو دیکھنا ہو، اگر نبی -علیہ السلام- کے قلب اطہر کی کیفیات

(۱) پ: ۲۹، سورۃ المزمّل، آیت: ۱۲ / ۱۳

کا کوئی نمونہ دیکھنا چاہے گا؛ تو اُسے مشائخ کی صحبت اختیار کرنی پڑے گی۔ کچھ ایسے خوش نصیب حضرات ہوتے ہیں، جو علوم کے بھی وارث ہوتے ہیں، اور کیفیات کے بھی وارث ہوتے ہیں، اللہ تعالی ان کو حامل کامل بنادیتے ہیں، ہمیں ایسا بننا ہے؛ تاکہ ہمیں بھی نبی-علیہ السلام- کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، انابت الی اللہ کی کیفیت نصیب ہوجائے، یہ محنت کرنی ہمارے لیے ضروری ہے۔ہم جو مدارس میں آئے ،تو ہمارا اصل مقصد یہی ہے ہمیں یہاں سے فقط الفاظ پڑھ کر نہیں جانا؛ بلکہ اس علم پر عمل کی بات ہے، اور عمل پر اخلاص کی بات ہے، تب جا کر علم کا مقصود حاصل ہوتا ہے، اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب ہم اساتذہ کے سامنے پڑھنے بیٹھیں ،تو اس نیت سے بیٹھیں کہ ہمیں جو کچھ پڑھنا ہے، اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے، ہم جو کچھ آج سُنیں گے، اس پر عمل کریں گے۔ یہ نہیں کہ ہم سارا علم پڑھ کر عالم بن لیں اور پھر اکٹھا عمل کریں گے۔ اگر یہ نیت کرلیں گے، تو شیطان کے بہکاوے میں آجائیں گے، اور پھر شیطان عمل کی توفیق نہیں ہونے دے گا۔

حضرت نانوتوی کو بڑا مرتبہ کیسے ملا؟

کسی شخص نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی-رحمۃ اللہ علیہ- سے سوال پوچھا، حضرت! دین کی جو کتابیں آپ نے پڑھیں، وہی کتابیں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پڑھیں؛ لیکن اللہ تعالی نے جو مرتبہ آپ کو دیا ہے، وہ کسی اور کو نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے عجیب جواب دیا: کہ میرے ساتھیوں نے قرآن مجید کو اس نیت سے پڑھا، کہ ہم معارفِ قرآن کو جان لیں ،اور حقائقِ قرآن مجید سے واقف ہوجائیں، اس لیے ان کو وہ حقائق تو مل گئے ؛مگر وہ نعمت نہ ملی جو اللہ نے مجھے عطا کردی۔ اس نے پوچھا، حضرت! آپ کو یہ نعمت کیسے ملی؟ فرمانے لگے: میں نے جب بھی قرآن کو پڑھا، ہمیشہ اس نیت سے پڑھا کہ ''اے اللہ! تیرا غلام حاضر ہے، تیرا حکم جاننا چاہتا ہے کہ جس کو یہ اپنی زندگی میں عمل میں لے آئے۔'' سبحان اللہ! یہی چیز صحابہ کرام

-رضی اللہ عنہم- میں تھی؛ سیدنا صدیق اکبر-رضی اللہ عنہ- نے اڑھائی سال کے اندر ''سورہ بقرہ'' مکمل کی، حالانکہ عربی زبان تو ان کی مادری زبان تھی؛ اس لیے کہ ان کو تو ''صرف ونحو'' کی ضرورت ہی نہیں تھی، پھر اڑھائی سال کیسے لگے؟ معلوم ہوا کہ وہ حضرات ایک ایک آیت پڑھتے تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے، اِدھر ان کی سورہ مکمل ہوتی تھی، اور اُدھر ان کا عمل اس سورۃ پر مکمل ہوتا تھا۔ کیا کبھی ہم نے اس نیت سے قرآن مجید کو کھولا؟ اس محنت کو کرنا چاہیے، اس محنت کو کئے بغیر کمال حاصل نہیں ہو سکے گا، جو ہمارے اسلاف کو حاصل تھا۔ زندگی کے اندر یہ نعمتیں حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا تزکیہ اور احسان کی محنت کہلاتا ہے۔

بڑے بڑے مشائخ کو اپنی تربیت کی فکر

بڑے بڑے مشائخ نے اپنے آپ کو تربیت کے لیے پیش کیا:

حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوری -رحمۃ اللہ علیہ- مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث تھے، وہاں بخاری شریف پڑھاتے تھے، بخاری شریف پڑھانے میں اتنا بڑا شہرہ تھا کہ لوگ ہزاروں میل دور سے ان کے پاس بخاری شریف پڑھنے کے لیے مظاہر العلوم میں جاتے تھے؛ عین اسی وقت جب کہ وہ بخاری شریف کے استاذ تھے، انہوں نے حضرت اقدس تھانویؒ کو خط لکھا، اور اپنے آپ کو بیعت کے لیے پیش فرما دیا۔ آخر کوئی نعمت تو تھی، جس کی تلاش میں ان کو بھی اپنے آپ کو پیش کرنا پڑا۔

حضرت سلیمان ندویؒ بہت بڑے عربی داں تھے؛ لیکن وہ بھی حضرت اقدس تھانویؒ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔

حضرت مفتی محمد حسن امرتسری -رحمۃ اللہ علیہ- نے دار العلوم دیوبند سے پڑھا، اور دار العلوم دیوبند میں ہی پڑھانے میں لگ گئے، مفتی اور استاذ حدیث تھے؛ مگر محسوس کرتے تھے کہ جو کیفیات اندر ہونی چاہیں، وہ نہیں ہیں، چنانچہ اسی فکر کے ساتھ حضرت

اقدس تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے انہوں نے بیعت کی اور اجل خلفاء میں سے ہوئے۔

خود حضرت اقدس تھانویؒ کی سینکڑوں کتابیں ہیں، ان کی یہ کتابیں علمی اعتبار سے ایک مقام رکھتی ہیں۔ حضرت انور شاہ کشمیری -رحمۃ اللہ علیہ- اپنے شاگردوں کو منع فرمایا کرتے تھے، کہ اردو زبان کی کتابیں مت پڑھا کرو؛ کیوں کہ ان میں علم نہیں ہوتا؛ بلکہ عربی کے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا کرو ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی نظر سے گزری، تو آکر درس میں اپنے طلبہ کو فرمایا: کہ میں اب تک تمہیں اردو زبان میں لکھی ہوئی کتابوں سے منع کرتا تھا؛ کیوں کہ ان میں اتنا علم نہیں ہوتا؛ بلکہ اصل ماخذ اور مراجع کی طرف رجوع کیا کرو!؛ لیکن میں نے جب سے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا ہے، تب سے پتہ چلا ہے کہ اردو زبان میں بھی علم موجود ہے۔ ان کی کتابوں میں ایسا علم تھا، کہ جس کی تصدیق حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فرمادی؛ حضرت اقدس تھانویؒ اتنے کمالات کے باوجود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی -رحمۃ اللہ علیہ- کی خدمت میں وہ کیفیات اور واردات حاصل کرنے کے لیے گئے، جن سے انسان کے اندر ایمان بڑھتا ہے، اور اس کے دل میں اللہ -رب العزت- کی محبت ٹھاٹھیں مارتی ہے، اسی کا نام تربیت ہے۔

تو اگر ہم بھی ان نعمتوں کو چاہتے ہیں، تو ہمیں بھی اپنے آپ پر محنت کے لیے کچھ وقت گزارنا پڑے گا۔

اللہ والے بن جاؤ

علماء اور طلباء کو خاص طور پر ان مشائخ کی صحبت میں رہ کر تربیت پانی چاہیے؛ کیوں کہ اللہ -رب العزت- ارشاد فرماتے ہیں: **كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا**

كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ''تم بن جاؤ رب والے ؛ کیوں کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو، اور درس وتدریس کا کام کرتے ہو''[1]

یہ **کونوا** امر کا صیغہ ہے، گویا اللہ تعالی حکماً ارشاد فرما رہے ہیں: کہ اے میرے قرآن پڑھنے والوں! اے میری کتاب کے وارث بننے والوں! تم اللہ والے بن جاؤ۔

معلوم ہوا کہ، درس وتدریس کا کام کرنے والو کو بہت زیادہ اس کی محنت کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ پروردگارِ عالم نے ان کو مخاطب کر کے حکم دیا ہے، کہ تم اللہ والے بن جاؤ، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کرلیں، اور ہم اپنے علم کا رنگ اپنے اوپر چڑھالیں تا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا، وہ چیز ہمارے اوپر اپنا رنگ ڈال دے، اور ہم اللہ کے رنگ میں رنگ جائیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع کریں، اور یہ رجوع بے اختیار ہونا چاہیے، جیسے چھوٹے بچے کو ماں مارے، تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر اُسے کوئی غیر مارے، تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر وہ گر پڑے، تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، جیسے اس بچے کے ذہن میں ''ماں'' کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ وہ ہر غم اور خوشی میں اپنی ماں کو یاد کرتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ، اس کا اللہ رب العزت کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ، وہ ہر خوشی اور غمی میں ہر قدم اور موڑ پر، اس کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہوں، اور وہ ہر وقت اپنے رب کی طرف رجوع کر رہا ہو۔

---

(۱) پ: ۳، سورۂ ال عمران، آیت: ۷۹

علم نافع حاصل کیوں نہیں ہوتا؟

قران مجید میں اللہ-تعالی-فرماتے ہیں:

"ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا"

''پھر ہم نے اپنی کتاب کا وراث ان لوگوں کو بنا دیا، جو ہمارے بندوں میں سے چُنے ہوئے بندے تھے''(۱)

گو یا اللہ-رب العزت-علم کی نعمت ان لوگوں کو عطا فرماتے ہیں، جِن کو وہ چُن لیتے ہیں۔

ابوالحسن جو بصرہ میں شعوانہ کے غلام تھے، کہتے ہیں: **جَاءَ رَجُلٌ إِلَى سَهْلِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، وَبِيَدِهِ مِحْبَرَةٌ وَكِتَابٌ، فَقَالَ لِسَهْلٍ: جِئْتُ أَنْ أَكْتُبَ شَيْئًا يَنْفَعُنِيَ اللهُ بِهِ، فَقَالَ: أُكْتُبْ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَلْقَ اللهَ وَبِيَدِكَ الْمِحْبَرَةُ والْكِتَابُ، فَافْعَلْ.**

''ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں دوات اور کتاب تھی (جس سے وہ لکھتا تھا) کہنے لگا: کہ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ کچھ لکھوں جس سے اللہ تعالی مجھے نفع دے۔ تو انہوں نے فرمایا: لکھو اور اگر ممکن ہو کہ تم اللہ سے اس حال میں ملو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات اور کتاب ہو، تو تم ایسا کر گزرنا۔

(۱) پ:۲۲ سورہ فاطر، آیت:۳۲ (۲) تلبیسِ ابلیس مع ترجمہ اردو تجنیسِ تدلیس ص:۴۵۵

سبحان اللہ! اس علم کی کیا شان ہے! کہ استاذ شاگرد کو سمجھا رہے ہیں کہ اگر یہ ممکن ہو کہ تم اللہ کے سامنے اس حال میں پیش ہو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات ہو، تاکہ پتہ چلے کہ تم طالب علم ہو تو پھر ایسا کر گزرنا۔ ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کو دیکھیں کہ انہوں نے پوری زندگی علم حاصل کرنے میں اور علم کی خدمت کرنے میں گزار دی۔

❊ عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کی زندگی کی حسرت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ میری حسرت یہ ہے کہ میں زندگی کے آخری دن میں بھی علم کو حاصل کروں۔ گویا علم حاصل کرتا کرتا، میں اللہ رب العزت کے حضور پہنچ جاؤں۔

❊ امام ابو یوسفؒ کا جب آخری وقت آیا، تو علماء موجود تھے، انہوں نے مسئلہ پوچھا: کہ بتائیں، جب شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ پیدل چلتے ہوئے مارنا افضل ہیں، یا سواری پر سوار ہو کر مارنا افضل ہیں؟ کچھ شاگردوں نے جواب دیا کہ وہ **ماشیًا** (پیدل چلتے ہوئے) مارنا افضل ہے، اور کچھ نے کہا کہ **رَاکبًا** (سواری پہ سوار ہوکر) مارنا افضل ہے، تو اس پر حضرت نے فرمایا کہ نہیں؛ انہوں نے پھر اس کی تفصیل سمجھائی کہ پہلے دو جمروں کو تو پیدل مارنا افضل ہے، اور تیسرے کو جس کے بعد دعا نہیں مانگتے، سواری پر مارنا افضل ہے۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہو گیا، تو علماء چلے کہ ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، ابھی وہ دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ امام صاحب کی آواز آئی: **لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ**، جب واپس آکر دیکھا تو امام صاحب، اللہ-رب العزت-کو پیارے ہو چکے تھے۔ [1] گویا زندگی کے آخری لمحے تک علم سیکھا اور سکھایا!!۔

❊ ابوزرعہ محدث-رحمۃ اللہ علیہ-مشہور محدث گزرے ہیں، اُن کے آخری وقت میں طلبہ نے چاہا کہ ہم اپنے استاذ کو کلمہ کی تلقین کریں؛ لیکن کیسے کریں؟ طلبہ نے وہ حدیث مبارک پڑھنی شروع کی جس میں کلمہ کا ذکر ہے، ابھی انہوں نے چند راویوں کے نام لیے

---

(۱) قیمۃ الزمن عند العلماء ص: ۵۶

تھے، کہ ابوزرعہ -رحمۃ اللہ علیہ- نے محسوس کرلیا کہ یہ فلاں حدیث پڑھ رہے ہیں، چنانچہ حضرت نے وہ حدیث ان کے ساتھ ہی پڑھنی شروع کردی۔ حدیث کے الفاظ ہیں: **مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، دَخَلَ الْجَنَّةَ** ''جس نے آخری الفاظ **"لا الہ الا اللہ"** کہے وہ جنت میں داخل ہوگیا''[1] چنانچہ حدیث پڑھتے پڑھتے جب انہوں نے یہ الفاظ کہے: **مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ** تو انہی الفاظ پر اُن کی روح قبض ہوگئی اور وہ عملاً جنت میں داخل ہوگئے۔ کتنی خوبصورت موت ہے!

❋ فقیر ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن کے حالاتِ زندگی پڑھ رہا تھا، اُن میں لکھا تھا: کہ جب اُن کا آخری وقت آیا تو اس وقت بھی اُن کے سینے کے اوپر ایک کاغذ رکھا تھا، جس پر فتوی لکھا ہوا تھا، کسی نے مسئلہ پوچھا تھا: اس کو پڑھتے پڑھتے وہ کاغذ ہاتھ سے چھوٹا، سینے پر گرا، اور اس حالت میں اُن کی روح قبض کرلی گئی!!!

آخر یہ لوگ کون تھے کہ آخری لمحے تک ان کو علم کی خدمت کے لیے اللہ نے قبول فرمایا؟ یہ وہ لوگ تھے جن کو علم نافع نصیب تھا، آج چوں کہ علم نافع نصیب نہیں ہوتا، اس لیے ہم علم پڑھ تو لیتے ہیں؛ لیکن علم کا رنگ ہمارے اوپر نہیں چڑھتا، علم کے ثمرات ہمیں نصیب نہیں ہوتے، علم کی وجہ سے جو بلندیاں ملنی چاہئیں، وہ نہیں ملتیں۔

اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم نافع حاصل نہ ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟ تو آج کی اس مجلس میں یہ عاجز وہ پانچ وجوہات بتائے گا، جس کی وجہ سے انسان کو علم نافع نصیب نہیں ہوتا:

پہلی وجہ: علم سیکھتے ہیں، عمل نہیں کرتے

سب سے پہلی چیز ہے علم پر عمل نہ کرنا؛ یعنی انسان کو پتہ ہو کہ شریعت کے یہ احکام ہیں، پھر اس کے باوجود انسان شریعت کو چھوڑ کر رسومات، بدعات پر عمل کرے، تو اس سے

---

(۱) سنن ابی داؤد باب فی التلقین ۲/ ۴۴۴ رقم: ۳۱۱۶

علم کے نور سے محروم ہوجاتا ہے، فرمایا: ”اَلْعِلْمُ بِلَاعَمَلٍ کَشَجرۃٍ بِلَاثَمَرَۃٍ[1]“ علم بغیر عمل کے ایسے ہوتا ہے، جیسے کوئی درخت بغیر پھل کے ہوتا ہے۔ اور جو شخص علم پر عمل کرتا ہے، اللہ اس کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے، جو اس کے پاس نہیں ہوتا“۔

جس طرح چراغ جلے بغیر روشنی نہیں دیتا، اسی طرح علم بھی، عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔ حضرت علی -رضی اللہ عنہ- فرمایا کرتے تھے: کہ عالم بے عمل کی مثال اس اندھے کی سی ہے، جس نے چراغ اٹھا رکھا ہے، لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں؛ مگر وہ خود اپنی روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہے۔

قرآن مجید میں ایسے شخص کو جو علم پر عمل نہیں کرتا، گدھے کی مثال دی گئی۔

اس لیے ایک بزرگ فرمارہے تھے: مجھے دو چیزوں پر بہت تعجب ہوتا ہے، ایک عالم ہو پھر بے عمل ہو، اور دوسرا فاسق ہو، اور اس کی قبر خوبصورت ہو۔

دوسری وجہ: اہل اللہ کی نصیحت سنتے ہیں، پیروی نہیں کرتے

دوسری وجہ جس سے انسان کا علم، نافع نہیں بنتا، وہ یہ ہے کہ وہ فقراء کی، اہل اللہ کی نصیحت سنتے ہیں؛ مگر پیروی نہیں کرتے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ ”اللہ والوں کی بات کو سننا اور اس کو پلّے باندھنا“ یہ علم نافع کے حصول کا سبب بنتا ہے۔ کئی مرتبہ دیکھا کہ طلباء اور علماء اہل اللہ کی مجلس میں تو آتے ہیں، اور اُن کے کیمیا اثر کلام کو سنتے ہیں؛ مگر اس کی پیروی نہیں کرتے، اس کے مطابق زندگی کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے؛ بلکہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ذکر فکر کرنے والے لوگ ہیں، ان کو علم سے کیا واسطہ؟ لہٰذا اس وجہ سے وہ علم کی حقیقت سے خود محروم ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی -رحمۃ اللہ علیہ- نے علامہ کشمیری -رحمۃ اللہ علیہ- سے پوچھا: کہ حضرت! آپ کو یہ علم کیسے ملا؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ میں نے رازی اور

---

(۱) مقولۃ عبد اللہ ابن المعتز۔ اقتضاء العلم والعمل ص: ۳۷

غزالی -رحمۃ اللہ علیہم- دیکھیں ہیں۔تو انہوں نے پوچھا: کہ وہ کیسے؟ تو انہوں نے اپنے اساتذہ کے نام بتائے، کہ ان کو میں نے دیکھا ہے، یہ میرے لیے رازی اور غزالی کی مانند تھے۔

❋ حضرت اقدس تھانویؒ سے کسی نے کہا: کہ حضرت! آپ جو اتنی تصانیف لکھتے ہیں، تو لگتا ہے کہ آپ بہت کتب بینی کرتے ہیں، یعنی بہت کتابیں پڑھتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں؛ میں ''کتب بینی'' نہیں کرتا، میں ''قطب بینی'' کرتا ہوں- یہ ''قطب'' اولیاء کا ایک مقام ہوتا ہے- انہوں نے فرمایا: کہ کیا مطلب؟ تو فرمایا: کہ میں نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی -رحمۃ اللہ علیہ- کو دیکھا اور میں نے حضرت مولانا یعقوب نانوتوی -رحمۃ اللہ علیہ- کو دیکھا، یہ وہ حضرات تھے، جو اپنے وقت کے قطب تھے، میں نے ان کی زندگیوں کو دیکھا۔ تو میں نے تو قطب بینی کی ہے، تو اس سے اللہ نے مجھے یہ درجہ عطا کیا ہے۔

ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی ہے

ہم اپنی زندگی میں کئی مرتبہ اہل اللہ کے قریب وقت گزارتے ہیں، دیکھتے بھی ہیں، کس طرح وہ غیبت سے بچتے ہیں؟ کس طرح وہ اللہ کے شکر گزار بندے ہوتے ہیں؟ کس طرح اُن میں صبر ہوتا ہے؟ کس طرح حلم ہوتا ہے؟ کس طرح درگزر ہوتی ہے؟ کس طرح وہ دوسرے کے احسان کا بدلہ چکاتے ہیں؟ کس طرح اُن کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں؟ مگر ساری چیزوں کو دیکھنے کے باوجود آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی ہے، ہم یہی سمجھتے ہیں، کہ ہم تین ہیں، تو تین کے ساتھ چوتھے یہ بھی ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ نے ان کو وہ دل عطا کیا ہے، جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور ان کا دل کبھی بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔ اس لیے حضرت تھانوی -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے تھے: ''اے اللہ! تو جس پر احسان کرتا ہے، اُسے اپنے اولیاء کی پہچان دے دیتا ہے، اور جس سے تو ناراض ہوتا ہے، اولیاء کی پہچان

اُس سے چھین لیتا ہے‘‘۔

چنانچہ ساتھ رہتے ہوئے بھی، ان کو عام بندہ سمجھ کر ان کی بات پر عمل نہیں کرتے جس کی وجہ سے علم کے رنگ سے محروم ہوجاتے ہیں۔

تیسری وجہ: گناہ کرتے ہیں، استغفار نہیں کرتے

علم نافع سے محرومی کا تیسرا سبب ہے، کہ گناہوں پر استغفار نہ کرنا۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: میں روزانہ بارہ ہزار (12000) مرتبہ استغفار کیا کرتا تھا!!۔[۱] اور آج کل استاذ حدیث اور شیخ الحدیث بارہ سو (1200) مرتبہ بھی نہیں کرتے ہوں گے-اِلا ماشاء اللہ- اور طالب حدیث تو سو مرتبہ بھی نہیں کرتے ہوں گے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا قول ہے: کہ جو شخص دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے، ہر مرتبہ استغفار کرے، تو اس بندے کو ’’مُصر‘‘ نہیں کہتے، کیوں کہ اس نے توبہ کرلی۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ زبان سے استغفار کرنے والا اور گناہوں پر اصرار کرنے والا، اللہ -تعالی- سے مذاق کرتا ہے۔ صدیق اکبر-رضی اللہ عنہ- کا قول اللہ کی رحمت کے زیادہ قریب ہے۔ **اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ** ’’اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے زیادہ قریب ہوتی ہے‘‘[۲]، لہذا ہمیں چاہیے کہ اول گناہوں سے بچیں، اور اگر سرزد ہو جائے، تو استغفار جلدی کریں؛ چنانچہ قرآن مجید میں فیصلہ فرمادیا: **وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا**[۳] جب اللہ- رب العزت- نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ میں اتنے گناہوں کو معاف کروں گا، اس سے زیادہ نہیں اتنی مرتبہ توبہ قبول کروں گا، اس سے زیادہ توبہ قبول نہیں کروں گا، جب اللہ تعالی توبہ قبول کرتے نہیں تھکتے، تو ہم توبہ کرتے کیوں تھک جاتے ہیں؟

---

(۱) حلیۃ الاولیاء ۱/ ۳۶۸ رقم: ۱۳۲۸ (۲) پ: ۸ سورۃ الاعراف، آیت: ۵۶ (۳) پ: ۵، سورۃ النساء، آیت: ۱۱۰

اللہ تعالیٰ کے حلم کا تو اس سے اندازہ لگائیں، کہ جن نصاریٰ نے کہا: **إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ**،[1] اور پھر یہود جنھوں نے کہا: **يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ** ''اللہ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں''[2] ان کے بارے میں فرماتے ہیں: **أَفَلَا يَتُوْبُوْنَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ** وہ بھی اگر توبہ کرتے، اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتے، میں اُن کی توبہ کو بھی قبول کرلیتا۔[3] اس لیے ہمیں چاہیے کہ، ہم اپنے گناہوں پر استغفار کریں۔

چوتھی وجہ: نعمتیں مانگتے ہیں، شکرادا نہیں کرتے

(علم نافع حاصل نہ ہونے کا) چوتھا سبب ہے: نعمت کا شکرادا نہ کرنا۔عزیز طلباء! یاد رکھیے کہ جس طرح آسمان کے ستارے بے شمار ہیں، ہم پر اللہ رب العزت کے احسانات بھی بے شمار ہیں؛ بلکہ عاجز تو کہتا ہے کہ آسمان کے ستاروں کو پھر بھی گِنا جاسکتا ہے، اللہ کے احسانات کو ہم شمار ہی نہیں کرسکتے۔ ہمیں اللہ رب العزت کی ان نعمتوں کا احساس ہی نہیں ہوتا؟ اس لیے شکرادا کرنے کی توفیق بھی نہیں ملتی۔

ایک مرتبہ میں گاڑی میں سفر کررہا تھا، ایک چوک میں گاڑی رُکی، میں اپنی آنکھیں بند کیے کچھ مصروف تھا، اچانک کسی نے شیشہ کھٹکھٹایا، اچانک آنکھیں کھلیں، تو میں نے دیکھا کہ ایک جوان لڑکی دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور اس نے بھیک مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے، میں نے آنکھیں تو بند کرلیں؛ مگر میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ یااللہ! یہ بھی تو کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی بہن ہوگی؟ کسی کی بیوی ہوگی؟ کسی کی تو ماں ہوگی؟ اس گرمی کے موسم میں یہ دروازے کھٹکھٹا رہی ہے، محرم غیر محرم سے بھیک مانگ رہی ہے، اور پھر جاکر یہ بے چاری شام کو کھانا کھائے گی، اللہ ہمارے گھر کی عورتیں کتنی خوش نصیب ہیں!!۔

---

(۱) المائدۃ، آیت: ۷۳ (۲) المائدۃ، آیت: ۶۴ (۳) پ:۶، سورۃ المائدۃ، آیت: ۷۴

نبی-علیہ السلام-نے فرمایا: کہ ''سبحان اللہ'' پڑھنے سے آدھا میزان بھر جاتا ہے، اور ''الحمد للہ'' پڑھنے سے بقیہ آدھا بھی بھر جاتا ہے۔[1]

اب طلبہ غور فرمائیں کہ آج کل ہماری گفتگو میں ''سبحان اللہ'' ''الحمد للہ'' کے الفاظ بہت کم استعمال ہوتے ہیں۔

طلبہ یہ بات پلّے باندھ لیں کہ ہمیں اپنی روزانہ کی گفتگو میں ''سبحان اللہ'' ''الحمد للہ'' کے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے چاہئیں۔

پانچویں وجہ

اور پانچویں اور آخری بات کہ میت کو دفن تو کرتے ہیں؛ مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کتنے جنازے اپنے کندھے پر اٹھائے، کیا قبرستان سے لوٹتے ہوئے یہ نیت کر کے آئے کہ آج کے بعد ہم گناہوں کو چھوڑ دیں گے؟ ہمیں بھی اسی طرح ایک دن قبر میں آنا ہے، ہم بھول جاتے ہیں۔

اللہ اکبر!! حسن بصری-رحمۃ اللہ علیہ-فرماتے تھے: کہ ''جو نوجوان اپنے باپ کا جنازہ اپنے کندھے پر اٹھائے، پھر اپنی زندگی کو نہ بدلے، وہ سمجھے کہ میرے دل کے اوپر مہر لگ چکی ہے۔'' ہم نے تو اپنے قریبی عزیزوں کو دفنایا، کسی نے اپنے استاذ کو، کسی نے کسی پیارے کو؛ اپنے ہاتھوں قبرستان میں دفن کر بیٹھے، تو ہماری اپنی زندگی کب بدلے گی؟ سوچیں کہ ایک دن آنے والا ہے، ہمیں بھی بالآخر قبر میں جانا ہے، اس دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ

''اے میرے محبوب! آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی کے لیے ہمیشہ رہنا نہیں لکھا۔''

---

(۱) کنز العمال کتاب الاذکار، قسم الاقوال ۱/ ۴۲۳ رقم: ۲۰۱۴ (۲) پ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت: ۳۴

جب اللہ کے محبوب بھی اس دنیا سے پردہ کرکے تشریف لے گئے، ہمیں بھی تو بالآخر ایک دن جانا ہے، کیوں نہ ہم اس کی تیاری کرلیں؟ کیوں نہ اس کے لیے آج اپنے آپ کو سنوارلیں؟ اپنے وقت کو قیمتی بنالیں؟ اللہ تعالی ہمیں ان سب باتوں پر عمل کی توفیق عطافرمائے؛ تاکہ ہمارا علم صحیح معنوں میں علم نافع بن جائے، اور اللہ تعالی زندگی کے آخری لمحے تک ہمیں اپنے عبادت گزار، شکرگزار، دین کا کام کرنے والے بندوں میں شامل فرمائے۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

اللہ کے لیے یہ کام مشکل نہیں [1]

---

(۱) پ:۱۳ سورۃ ابراہیم آیت:۲۰

علم، ادب اور محبّت اِلٰہی

طالب علم کا مقام

اللہ -رب العزت- کے یہاں علم کی بڑی فضیلت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے، کہ جب کوئی طالب علم اپنے استاذ کے پاس چل کر جاتا ہے، تو زمین کے جن ٹکڑوں پر اس کے قدم لگتے ہیں، زمین کے وہ ٹکڑے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کوئی پتھر، درخت اور ڈھیلا ایسا نہیں ہوتا کہ جن سے وہ گزرے اور وہ اس کے لیے استغفار نہ کرے۔ (۱)

❊ فرمایا: کہ ”جو آدمی طلبِ علم کے لیے نکلا، اس کے بدن پر جو غبار پڑتی ہے، وہ غبار اور جہنم کا دھواں، یا جہنم کی آگ: یہ دونوں کبھی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے“۔ (۲)

اللہ -رب العزت- نے سیدنا سلیمان کو یہ اختیار دیا تھا، کہ آپ چاہیں تو آپ کو ہم علم دیں، یا آپ کو شاہی عطا کر دیں؟ یا آپ کہیں، تو ہم آپ کو مال عطا کر دیں، انہوں نے اللہ رب العزت سے علم مانگا، اللہ تعالیٰ نے علم کی برکت سے ملک اور مال ان کو خود عطا فرما دیا۔ (۳)

بلکہ علماء نے کتابوں میں لکھا ہے: کہ روزانہ -اللہ رب العزت- کی ایک ہزار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جن میں سے نوسو ننانوے علماء اور طلباء کو دی جاتی ہیں، اور باقی عوام الناس

---

(۱) مستفاد: مجمع الزوائد باب فی من یخرج فی طلب العلم والخیر ۲ / ۶۳ رقم: ۵۶۰ (۲) (الحدیث) سنن ترمذی باب ماجاء فی فضل الغبار فی سبیل اللہ ۱ / ۲۹۲ رقم: ۱۶۳۳ (۳) کنز العمال کتاب العلم، قسم الاقوال ۱۰ / ۶۶

میں تقسیم کی جاتی ہیں۔

اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے؛تم عالم بنو، یا طالب علم، یا ان کی باتیں، سننے والا، یا ان سے محبت رکھنے والا بنو، کوئی اور چیز مت بننا۔ [۱]

عمل ضروری ہے

تاہم جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے، اس بے عمل کے لیے یہ بشارتیں نہیں، علم پر عمل کا ہونا ضروری ہے، ''علم وہ نور ہے، کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔'' اگر یہ کیفیت ہے، تو علم ہے؛ ورنہ تو وبالِ جان ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے، جہنم کے فرشتے اللہ تعالی سے شکوہ کریں گے کہ اے اللہ! دو چیزوں کی بدبو نے بہت پریشان کیا ہوا ہے؛ ایک کفار کے جسموں سے جو بدبو آرہی ہے، اور دوسری علماء کے پیٹ سے جو بدبو آرہی ہے، اس نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ [۲]

ابن سیرینؒ کے سامنے کسی نے خواب بیان کیا، کہ میں خنزیر کے گلے میں موتی ڈال رہا ہوں، آپ نے فرمایا: کہ تم نااہلوں کو علم مت سکھایا کرو، ناقدروں کو یہ چیز نہ دیا کرو، یہ قدر کرنے والی چیز ہے۔ [۳]

علم کے ساتھ ادب کی ضرورت

علم ہو؛ مگر ادب نہ ہوں، تو رنگ نہیں چڑھتا، سینہ روشن نہیں ہوتا، انسان **ضَرَبَ یَضْرِبُ** کی گردانیں کرتا رہتا ہے، اور اس کو پتہ نہیں ہوتا، کہ شیطان مجھ کو ٹکّے مار رہا ہے، اس کو پتہ نہیں ہوتا، کہ شیطان مجھے کہاں کہاں بھٹکا رہا ہے؟ وہ اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہے، اور خواہشات کو بھی دین کا رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔

اس لیے حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا: کہ عالم کا شیطان بھی عالم، اور مفتی کا

---

(۱) مجمع الزوائد، باب فی فضل العالم والمتعلم، ۲/ ۲۴ رقم: ۵۰۲ (۲) مستفاد: احیاء علوم الدین، آفات العلم ۱/ ۶۹ (۳) قال رسول اللہؐ: واضع العلم عند غیر اهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب، ابن ماجہ ص: ۲۰ رقم: ۲۲۴

شیطان بھی مفتی ہوتا ہے، بڑی تاویلیں سکھاتا ہے۔ جاہل گناہ کرے گا، تو احساس ندامت کے ساتھ کرے گا؛ لیکن عالم گناہ کرے گا، تو کسی تاویل کے ساتھ جس کی وجہ سے پھر توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔

اس لیے جہاں فضائل بہت ہوتے ہیں، وہاں پھر احتیاط بھی بڑی کرنی پڑتی ہے، ہیرے اور موتی کی قیمت بڑی ہوتی ہے، اس لیے کتنی احتیاط سے رکھتے ہیں۔ تو علم انسان حاصل کرے، عمل کی خاطر اور عمل کے ساتھ ادب بھی اللہ۔ رب العزت۔ سے مانگے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ادب

اگر کسی انسان کے اندر علم کی کمی ہوگی، تو وہ ادب سے پوری ہو جائے گی، مگر ادب کی کمی علم کی وجہ سے پوری نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ بے ادبی معاف نہیں فرماتے، بڑے غیور ہیں، ادب کا وہ اتنا لحاظ فرماتے ہیں کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا احادیث لکھ رہا تھا، قلم نہیں چل رہا تھا، تو میں نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے، اس قلم کو ذرا درست کیا، تو سیاہی لگ گئی۔ اسی حال میں مجھے تقاضا محسوس ہوا بیت الخلاء جانے کا۔ جب میں وہاں بیٹھنے لگا، تو بیٹھتے ہی میری نظر انگوٹھے پر پڑی، تو میں نے سیاہی دیکھی، تو دل میں خیال آیا کہ اگر تقاضے سے فارغ ہوا، تو ہاتھ دھوئیں گے اور پانی کی وجہ سے یہ سیاہی جو میں لکھنے میں استعمال کرتا ہوں اس گندے پانی میں شامل ہوگی، جو کہ ادب کے خلاف ہے، میں نے تقاضے کو دبایا، اور بیت الخلاء سے باہر آیا، اور آ کر میں نے سیاہی کو صاف جگہ پر دھویا۔ جیسے ہی دھویا اُسی وقت الہام ہوا کہ ''احمد سرہندی! ہم نے جہنم کی آگ کو تیرے اوپر حرام کر دیا۔''

تو علم بھی ہو، ادب بھی ہو، پھر ''نور علی نور'' ہوا کرتا ہے۔

ادب کی برکت سے جلدی حفظِ قرآن

میں نے ایک کتاب میں واقعہ پڑھا کہ ایک دوست فرماتے تھے، کہ میرے دو طالب

علم تھے، اور دونوں قرآنِ پاک یاد کرنے والے تھے، ایک کی نشست ایسی تھی کہ اس کا رُخ قبلہ کی طرف تھا، اور دوسرے کی پیٹھ قبلے کی طرف تھی، وہ فرماتے ہیں کہ جس کا رُخ قبلے کی طرف تھا، وہ دوسرے سے ایک سال قبل قرآن پاک کا حافظ بن گیا؛ اسی لیے ہمارے مشائخ بھی اپنے رُخ کو قبلے کی طرف رکھنے کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ ہر جگہ ممکن نہیں ہوتا؛ لیکن جہاں ممکن ہو، انسان کوشش کرے۔

ادب حاصل کرنے کا طریقہ

انسان ادب خود بخود نہیں سیکھ سکتا؛ بلکہ کسی کی صحبت میں آکر، کسی کے پاس بیٹھ کر کسی کی ڈانٹ کھا کر، اور تربیت پا کر؛ پھر انسان کو یہ حاصل ہوتا ہے۔ تو آپ جو تشریف لائے، اس لیے نہیں آئے کہ آپ کی تعریفیں کی جائیں؛ بلکہ اس لیے آئے کہ آپ کی اصلاح کی جائے، تو اصلاح کے لیے محبت پیار بھی ہوتا ہے، اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی ہے، اور اس سے انسان کو ادب ملتا ہے۔ تو اللہ۔رب العزت۔ سے جہاں اور دعائیں مانگیں، تو وہاں یہ بھی دعا مانگیے۔ عجیب بات ہے کہ آج کے دور میں یہ دعا مانگنے والے بھی کم ہیں کہ اللہ! ہمیں ادب سکھا، اور ادب عطا فرما! نبی کریم –صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم– فرماتے ہیں: **اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ، فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبِيْ**، میرے رب نے مجھے ادب سکھایا، اور بہترین ادب سکھایا۔[1] اور ہمارے مشائخ نے فرمایا:

اَدِّبُو النَّفْسَ أَيُّهَا الأَصْحَابُ!
طُرُقُ العِشْقِ كُلُّهَا آدَابٌ

''اے دوستوں! اپنے نفوس کو ادب سکھاؤ! اس لیے کہ عشق کے جتنے بھی راستے ہیں، وہ سب آداب ہی ہیں۔''

علم کے ساتھ محبت الٰہی کا جوڑ

علم کے تین حروف ہیں: ع سے ''علیین'' کہ جب اللہ۔رب العزت۔ کے پاس جائے گا،

(۱) کشف الخفاء ۱/ ۷۲رقم: ۱۶۶

تو اس کی برکت سے اللہ تعالی اس کو ''علیین'' میں مقام عطا فرمائیں گے۔

اور دوسرا حرف ''ل'' لام سے لطافت کہ علم کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے، سوچ میں لطافت آجاتی ہے، کثافت ختم ہو جاتی ہے۔

تیسرا حرف ''م'' میم سے ''معرفت اور محبت'' کہ جتنا علم ہوگا اللہ تعالی کی معرفت کا۔ اتنا پھر اس کے اندر اللہ-رب العزت-کی محبت زیادہ ہوتی ہے، تو علم وہ ہے کہ جس سے انسان کے اندر لطافت پیدا ہو، اللہ تعالی کی محبت پیدا ہو، اور جب وہ دنیا سے جائے تو اللہ تعالی اس کو ''مقام علیین'' عطا فرمائیں۔

''علم'' اور ''محبت الٰہی'' یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتے ہیں۔

اگر محبت الٰہی نصیب ہو جائے، تو کیا کہنے، دل میں اللہ بس جائے دل میں اللہ آجائے، دل میں اللہ سما جائے، کاش کہ اللہ-رب العزت-دل میں چھا جائے، یہ کیفیت نصیب ہو، تو زندگی کا لطف آجائے۔

اللہ کی محبت میں فنا ہونے کا مقام

دوستوں! اگر ہمیں پتہ چل جائے، کہ اللہ-رب العزت-کی معرفت میں کیا مزہ ہے، تو پھر ہمیں اپنے آپ پر افسوس ہونے لگے، کہ ہم اس کے مقابلے میں دنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتے پھرتے ہیں۔ جس کو ذکر میں فنائیت نصیب ہو جاتی ہے، تو پھر محبت الٰہی اس کے دل میں ایسی رچ بس جاتی ہے، کہ دنیا کی چیزیں اس کی نظر میں ہیچ ہو جایا کرتی ہیں۔ یقین کیجیے! کہ اللہ والوں کی نظر میں زُلفِ فتنہ گر بھی دمِ خَر بن جایا کرتی ہے۔ اللہ-رب العزت-جس سالک کو فنائیت کا مقام عطا فرماتے ہیں، وہ دنیا کے حسینوں کی طرف تھوکنا بھی پسند نہیں کرتے، جی ہاں! محبت الٰہی دل میں سما چکی ہوتی ہے، سینہ روشن ہو چکا ہوتا ہے، اور دل میں ایسی آگ لگ چکی ہوتی ہے، جو دنیا سے انسان کو بے زار کر دیتی ہے۔

محبت الٰہی سے رات کے آخری پہر اُٹھنا آسان ہوجاتا ہے، خود بخود آنکھ کھلتی ہے، گھڑی کے الارم نہیں لگانے پڑتے، وہ دل کی گھڑی خود بتادیتی ہے۔ محبت کی وجہ سے انسان راتوں کو جاگتا ہے، **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا**، (١) ان کے پہلواُن کے بستروں سے جدا رہتے ہیں، اللہ-رب العزت-کی یاد میں مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپتے رہتے ہیں۔

سلف صالحین کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہوا ہے: کہ وہ رات کے اندھیرے کا اس طرح انتظار کرتے تھے ،جس طرح کوئی دلہا اپنی دلہن سے ملنے کے لیے رات کے اندھیرے کا منتظر ہوا کرتا ہے۔ یہ انتظار کس لیے ہوتا تھا؟ اس لیے کہ ہم اللہ کے ساتھ بیٹھ کر راز و نیاز کی باتیں کریں گے، وہ اللہ کی محبت میں سسکیاں لے لے کر رو رہے ہوں، ان کے دل میں محبت الٰہی اتنی رچ بس چکی ہو، کہ انہیں یادالٰہی کے سوا اور کسی چیز کے اندر لطف اور سکون ہی نہ آتا ہو۔

ہماری زندگیاں کیسی ہیں؟

ایک کمرے میں یا تو روشنی ہوتی ہے، اور اگر روشنی نہ ہو، تو اندھیرا ضرور ہوگا۔ اسی طرح انسان کے دل میں یا تو اللہ رب العزت کی محبت کی روشنی ہوگی، یا نفسانی، شہوانی محبتوں کا اندھیرا ہوگا۔ افسوس! کہ دنیا کی رنگینیوں میں لگ کر ہم اکثر غلط سودا کر بیٹھتے ہیں۔ افسوس! کہ، آج کا انسان اپنے گھر کو چمکا کر رکھتا ہے، گھر کے بیت الخلاء کو چمکا کر رکھتا ہے، جوتے کی نوک کو چمکا کر رکھتا ہے؛ اس کو اپنے دل کو چمکانے کی کوئی فکر نہیں!! ساری دنیا کو اپنے قمقموں سے روشن کرنے والا اپنے مَن میں اندھیرا لیے پھرتا ہے!!

صاحب ''اِکمالُ الشِّیَم'' فرماتے ہیں: کہ جب تک دل نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئے اس میں دقائق واسرار سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔

---

(١) پ:٢١، سورة السجدة، آیت:١٦

ہماری زندگیاں قدرے مختلف ہیں، ہمارے دل میں محبت الٰہی بھی ہے، اور غیر اللہ کی محبتیں بھی ہیں۔ دنیا کی محبت کی وجہ سے آج ہمارا مزاج خراب ہوگیا ہے۔ یہ محبت وخلوص ایسی نعمت ہے، کہ نصیب ہوجائے، تو زندگی کا مزہ آجائے؛ لیکن یہ نصیب ہوتی ہے اللہ والوں کی صحبت میں اگر اِن کی صحبت نصیب نہ ہو، تو ذکر اللہ کی کثرت سے محبتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے، اور یہ نعمت ایسی ہے کہ اگر نصیب ہوجائے تو دل کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ نے اپنے ملفوظات میں یہ بات لکھی: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے زندگی کے تہتر سال اس طرح گزارے کہ میرے دل میں تیرے سوا اور کوئی نہیں تھا۔'' اللہ اکبر کبیرا!!

اس فقرے کو پڑھ کر دل کی عجیب حالت ہوئی، پورے دن یہ کیفیت رہی۔ ایسے پاکیزہ حضرات تھے، ایسی مقبول ہستیاں تھیں۔ کاش! اِس مجمع میں ہم بھی اللہ۔رب العزت۔ سے یہ نعمت مانگیں۔

آج ان دلوں میں کیسے وہ جذبہ آئے گا؟ کیسے وہ اللہ کی محبت بھڑکے گی؟ کیسے وہ شمع روشن ہوگی، جو ہمیں اللہ۔رب العزت۔کا قرب حاصل کرنے کے لیے برانگیختہ کردے؟ دن میں بھی ہم اسی دھن میں لگے ہوئے ہوں، اور راتیں بھی ہماری اسی شوق میں بسر ہورہی ہوں، آج سینے کے اندر وہ انگیٹھی وہ آگ ٹھنڈی ہوچکی، آج وہ جذبہ ختم ہوگیا، کہاں گئے وہ نوجوان جو رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے؟ ''لا الہ الا اللہ'' کی ضربیں لگاتے تھے، اپنے سینے کو روشن کرتے تھے، آج کیا دورنگی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں، نام خدا کا لیتے ہیں، اور دل میں مخلوق بھری پڑی ہے۔

اللہ عشق کا ساغر پلا دیجیے!

اے اللہ! آپ ہمیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل فرما لیجیے! ہمیں بھی اپنی محبت والی نعمت عطا فرما دیجیے!۔

اللہ! ہماری محنتیں اس قابل نہیں ہیں، ہمارے اندر صلاحیتیں نہیں ہیں، میرے مولا! کوئی استعداد نہیں ہے؛ ہاں بس ترے کرم پر نظر رکھ کر آتے ہیں، اور ترے محبوب بندوں کی اس جگہ پر حاضر ہوتے ہیں۔

اللہ! یہاں پہلے بھی ساغر پلائے جاتے تھے۔ اللہ! آپ تو وہی ہیں اور ساغر (پیالے) بھی وہی محبت کے چاہتے ہیں، اللہ! آج اس مجمع کو یہ ساغر پلا دیجیے!

میرے مولا! اس مجمع میں کتنے نوجوان ہیں، رات کو توبہ کرتے ہیں، صبح کو توڑ بیٹھتے ہیں، صبح کو توبہ کرتے ہیں، رات کو توڑ بیٹھتے ہیں!!

اللہ! یوسف علیہ السلام کے لیے تو ایک زلیخا تھی، ان کے پیچھے تو درجنوں زلیخائیں ہوتی ہیں، میرے مولی! یہ اس گرد سے نکل کر تیری تلاش میں یہاں آتے ہیں، مولی! اگر آپ نے خالی لوٹا دیا، یہ جوانیاں ضائع ہوجائیں گی، نفس وشیطان بہکادیں گے۔

اے رب کریم! ہمارے پاس خالی دامنی کے سوا کچھ بھی نہیں، بس دامن پھیلا دیے ہیں، تیری رحمت پر نظر جمادی ہے، اللہ! کرم کی نظر فرما دیجیے کہ

تری اک نگاہ کی بات ہے، میری زندگی کا سوال ہے

اللہ! ہم نے یہ سنا ہے: ”جو دنیا میں آپ سے محبت کرے گا، آپ کی رحمت سے بعید ہے کہ آپ قیامت کے دن، اپنے دشمنوں کی قطار میں اُسے کھڑا فرما دیں، لہذا اللہ! اپنی رحمت کردیجیے، اور ہمیں اپنی محبت کی نعمت یہاں عطا فرما دیجیے، دلوں کو محبت سے بھر دیجیے۔
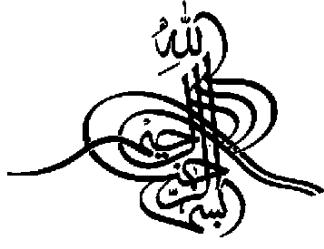
طلبِ علم میں ادب اور تقوی کا پہلو

ایک نکتے کی بات ہے، علم، غنی کی صفت ہے، اس کے اپنے اندر بھی غناء ہے؛ لہذا جو علم کو حاصل کرنا چاہے، اسے جھکنا پڑے گا، اسے طلب ظاہر کرنی پڑے گی، یہ نہیں ہوسکتا کہ **اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ**(۱) ہم ہدایت تمہارے ساتھ چپکا دیں، تمہارے دل کو علم سے بھر دیں اور تمہیں اس کی پرواہی نہ ہو؛ یہ نہیں ہوسکتا، اس لیے علم کے لیے جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں۔

تاہم دو باتیں اہم ہیں، ان کا خیال رکھا جائے، تو علم میں بہت جلدی اضافہ ہوتا ہے: ایک کو کہتے ہیں، ''ادب'' یہ جو ادب ہے اور نیاز مندی، اس سے توفیق مل جاتی ہے۔ تو جو بندہ چاہے کہ مجھے ''کثرت مطالعہ'' اور ''عمل'' کی توفیق ملے، تو وہ نیاز مندی کو اپنائے، اس پر اللہ -رب العزت- اسے عمل کی توفیق دے دیتے ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ درس دے رہے تھے، تو انہوں نے طلبہ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ! حضرت کشمیری -رحمۃ اللہ علیہ- ''علامہ کشمیری'' کیسے بنے؟ تو جن طلبہ کو تفسیر کے ساتھ ذوق تھا، انہوں کہا: کہ جی بڑے اچھے مفسر تھے۔ جن کو حدیث پاک کے ساتھ ذوق تھا، انہوں نے کہا: کہ جی بڑے اچھے محدث تھے، اور جن کو شاعری کے ساتھ دلچسپی تھی، انہوں نے کہا: کہ جی اُن کا کلام بڑا اعلی ہے، عربی میں اشعار بھی لکھے ہیں۔ تو اس پر حضرت

(۱) پ: ۱۲، سورہ ہود، آیت: ۲۵

مفتی کفایت اللہ -رحمۃ اللہ علیہ- نے فرمایا: کہ کسی نے یہ سوال خود علامہ کشمیری -رحمۃ اللہ علیہ- سے پوچھا کہ حضرت! آپ علامہ کشمیری کیسے بنے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں ادب کی وجہ سے بنا، میں اساتذہ کا بھی ادب کرتا تھا، کتب کا بھی ادب کرتا تھا۔ پوچھا کہ کیسے؟ فرمانے لگے: کہ میں نے کبھی بے وضو علمی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا، میں اتنا ادب کرتا تھا، کہ بخاری شریف کا جب مطالعہ کرتا تھا، اور کرتے کرتے جب حاشیہ دیکھنا ہوتا، تو کتاب کو اپنے تابع نہیں کرتا تھا، خود کتاب کے تابع ہوتا تھا، اٹھ کر دوسری طرف آکر پھر حاشیہ پڑھتا تھا۔ اور میں نے کبھی قرآن مجید کے اوپر حدیث کی کتاب نہیں رکھی حدیث کے اوپر فقہ کی کتاب نہیں رکھی، اور فقہ کے اوپر تاریخ کی کتاب نہیں رکھی، میں کتابوں کے رکھنے میں بھی اُن کے درجات کا خیال رکھتا تھا۔ جب اتنا ادب ہوگا، تو یقینی بات ہے کہ دل منور ہوگا۔ تو ادب سے توفیق ملتی ہے، اور بے ادبی سے توفیق چھن جاتی ہے۔ کتنے طلبہ ایسے تھے جو اساتذہ کی خدمت کرنے کی وجہ سے مقبول ہوگئے، حالانکہ ان کی علمی استعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔

چنانچہ تین نوجوان صحابہ نبی -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے، ایک دوسرے سے آگے بڑھتے تھے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی -علیہ السلام- اُن کے لیے تہجد کے وقت میں نام لے لے کر دُعا فرمایا کرتے تھے، دعا کیا لگی کہ اللہ -رب العزت- نے ان تینوں کو علم میں نمایاں مقام عطا فرمادیا، تینوں کا نام عبداللہ۔ یہ عجیب عبادُ اللہ، کہ ان میں سے ایک عبداللہ بن عباس، ''امام المفسرین'' بنے۔

ایک عبداللہ بن عمر ''امام المحدثین'' بنے۔

ایک عبداللہ بن مسعود ''امام الفقہاء'' بنے۔

ایک بات یہاں واضح کرنا ضروری ہے: ایک ہوتا ہے دعائیں کروانا، ایک ہوتا ہے، دعائیں لینا۔ دعائیں لینا بڑا عمل ہے، کہ ایسے کام کریں جس کو دیکھ کر منھ سے دعائیں

نکلیں۔آج دعائیں کروانے والے بہت ہیں، اور دعائیں لینے والے بہت کم ہیں!!۔

دعائیں لینے والے...

☼ حضرت شیخ الہندؒ کے ایک شاگرد تھے، ان کا نام تھا ''غلام رسول۔'' آپ اتنے بڑے نحوی تھے، کہ'' خیر المدارس کا'' سالانہ جلسہ ہوا اور اس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے مشاہیر علماء تشریف لائے، مفتئ اعظم پاکستان اور دوسرے حضرات، بڑے بڑے شیوخ الحدیث اور مفسرین قرآن؛ سب تشریف لائے۔اس وقت حضرت مولانا خیر محمد، جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ بھی تھے اور بہت بڑے عالم بھی تھے اور اس مدرسے کے بانی بھی تھے، انہوں نے اسٹیج پر کھڑے ہوکر حضرت غلام رسول پونٹویؒ کو بلایا اور اعلان فرمایا: شمس النحاۃ غلام رسول پونٹوی دامت برکاتہم تشریف لائیں۔اب جس کو پورے ملک کے علماء کے سامنے شمس النحاۃ کہا جارہا ہو، وہ کتنے بڑے عالم ہوں گے!! کسی نے ان سے پوچھا، کہ حضرت! اللہ تعالی نے آپ کو بہت عزتوں سے نوازا آخر آپ کو یہ علم کیسے ملا؟ فرمایا: مجھے اپنے استاذ کے ادب اور دعا کی وجہ سے ملا۔حضرت! استاذ کا ادب تو سارے ہی بچے کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، میں شیخ الہندؒ سے جب بخاری شریف پڑھتا تھا، تو حضرت کو اپنے کمرے سے دارالحدیث میں چل کر آنا ہوتا تھا، تو میں استاذ کی محبت میں رات کو طلبہ سے چھپ کر اس راستے کو صاف کیا کرتا تھا، کہ میرے شیخ الحدیث ہیں، مجھے ان سے علم حاصل کرنا ہے۔اور فرمایا: کہ ایک دن جھاڑو نہیں تھی، تو میں نے اپنے عمامے کو اتارا اور پگڑی سے اس راستے کو صاف کیا۔اللہ کی شان کہ اسی رات شیخ الہندؒ نے کھڑکی سے جھانکا اور ان کی نظر پڑ گئی، انہوں نے بلا لیا۔غلام رسول! کیا کر رہے ہو؟ بات کھولنی پڑ گئی کہ حضرت! آپ اس راستے سے حدیث کا درس دینے آتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس راستے کو صاف کردوں۔بس یہ سنتے ہی استاذ کے دل میں محبت آئی اور استاذ نے دعا دی۔ قبولیت کا لمحہ ''ایک لمحہ میں اللہ تعالی وہ درجے طے کروادیتا ہے، جو انسان سالوں کی محنت

سے حاصل نہیں کرسکتا‘‘ ان کی دعا کام آگئی اور اللہ تعالی نے ان کو ’’شمس النحاۃ مولانا نور محمد پونٹوی‘‘ بنادیا۔ یوں طلبہ اپنے اساتذہ سے دعائیں لیتے تھے۔

اکابر علماء دیوبند کے جو شیخ ہیں، حضرت مولانا مملوک -رحمۃ اللہ علیہ- یہ مولانا یعقوب نانوتوی -رحمۃ اللہ علیہ- کے والد تھے، یہ استاذ الکل کہلاتے ہیں (سب کے استاذ) یہ اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک عام طالب علم تھے۔ اساتذہ سمجھتے تھے، یہ بہت غبی ہے؛ لہذا ’’صرف ونحو‘‘ میں ان کا دماغ نہیں چلتا تھا، تو استاذ بھگادیتے، آج اِس کے پاس پڑھتے، تو کل کسی اور کے پاس پڑھنے جاتے؛ کوئی پڑھانے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک ایسا وقت آیا کہ مایوسی طاری ہونے لگی، کہ مجھے کوئی استاذ پڑھانے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ اسی غم اور مایوسی کے عالم میں یہ حضرت شاہ عبدالعزیز -رحمۃ اللہ علیہ- کے پاس چلے گئے، ان کو جا کر کہا: کہ حضرت! میرا یہ حال ہے کہ میں پڑھنا تو چاہتا ہوں، مجھے کوئی استاذ پڑھانے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب نے بچے کے اندر طلب دیکھی، تو رات تہجد میں دعا بھی کی اور اگلے دن ان کو ’’صرف ونحو‘‘ کا سبق پڑھایا، اور ساتھ تقوی کی تلقین بھی فرمائی۔ اُس ایک درس کے پڑھنے کے بعد فرماتے ہیں ’’میں جہاں بھی گیا، میں اپنے استاذ کی آنکھ کا تارہ بن کر رہا۔ پھر اللہ نے اتنا علم دیا، کہ حضرت نانوتوی -رحمۃ اللہ علیہ- اور حضرت گنگوہی -رحمۃ اللہ علیہ- نے ان سے علم حاصل کیا۔

لہذا نکتہ کی بات ہے کہ قابل بننے کی کوشش کم کرو، مقبول بننے کی کوشش زیادہ کرو، استاذ کی نظر میں مقبول ہوگئے تو اللہ تعالی علم سے سینے کو بھر دیں گے۔

خرد کے پاس عقل کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

توکسی کی نگاہ میں رہنے کی توفیق ہوجائے، دیکھیں حالت کیا ہوتی ہے؟

اور یہ ذہن میں رکھنا کہ اس علم کے اندر ترفع ہے، بلندی ہے، اس لیے اللہ تعالی نے

انسان کے جسم کے اندر مختلف اعضاء بنائے؛ لیکن ان میں علم کے اعضاء کو اونچا مقام عطا کیا، دماغ کہاں ہوتا ہے؟ سب سے اونچی جگہ پر، آنکھیں کہا ہوتی ہیں؟ چہرے پر، کان چہرے پر، زبان چہرے پر؛ یہ سب اعضاء علم ہیں، اب علم کے اعضاء کو اللہ نے اونچا مقام دیا اور ہاتھ، پاؤں، معدہ؛ جو مزدور قسم کے اعضاء ہیں ان کو نیچے کا مقام دیا۔ علم کے اندر تعلّی ہے، بلندی ہے؛ مگر حاصل کرنے کے لیے جُھکنا پڑتا ہے جتنا جُھکے گا، تواضع اختیار کرے گا، اتنا علم زیادہ ملے گا۔

امام ابو یوسف -رحمۃ اللہ علیہ- کا ایک عجیب قول ہے فرمایا:

اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِیْهِ یَحْصُلُ بِذُلٍّ لَا عِزَّ فِیْهِ

''علم میں ایسی عزت ہے کہ جس میں ذلت نہیں اور یہ حاصل ہوتا ہے، پستی سے کہ جس میں عزت نہیں ہوتی۔''[1]

علم پست ہونے سے حاصل ہوتا ہے، اس میں کوئی عزت نہیں ہوتی، جُھکنا پڑتا ہے۔ ارواح ثلاثہ میں لکھا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں حیدرآباد کے دو نواب زادے پڑھنے کے لیے آئے ہوئے تھے، حضرت کبھی کبھی ان سے پاؤں دبواتے تھے، ایک بار فرمایا: مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان سے پاؤں دبواؤں؛ مگر علم اسی طرح آتا ہے۔

تقوی

چنانچہ ایک تو علم بڑھتا ہے ادب سے اور دوسرا بڑھتا ہے، تقوی سے۔ جو بندہ تقوی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالی اس کو علوم و معارف عطا فرماتے ہیں۔ طلبہ متوجہ ہوں! کہ اگر آپ کا دل چاہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہمیں اسرار و رموز ملیں؛ ہمارے دل میں معارف اتریں، تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے، کہ گناہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیں۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے، قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَ اتَّقُوا اللّٰهَ، وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ**

(۱) تعلیم المتعلم ص: ۱۱۳

''تقویٰ اختیار کرو گے، تو اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا، اللہ تمہیں علم پڑھائے گا۔''[1] تو جو انسان ورع اور تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے براہ راست علم عطا فرماتے ہیں، اس کو ''علم لدنی'' کہتے ہیں۔

یہ معرفت کا علم اللہ-رب العزت-سینوں میں اتار دیتے ہیں، اور یہاں فرق پڑتا ہے ہم میں اور ہمارے اکابر کی زندگیوں میں، کہ ہماری زندگی عام لوگوں والی اور اکابر کی زندگیوں میں تقویٰ ہوتا ہے، تو ان کو اللہ-رب العزت-خاص علم عطا فرماتا ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی – رحمۃ اللہ علیہ-فرماتے ہیں : کہ احوال، میراثِ اعمال ہیں؛ عمل ہوگا، تو احوال بھی ہوں گے، معارف بھی ہوں گے۔

چنانچہ اعمال، موقوف علی العلم ہیں، اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے، تحصیلِ علم، اور استعمالِ علم۔ آج طلبہ تحصیل علم کی محنت تو کر لیتے ہیں؛ استعمالِ علم کی محنت نہیں کرتے، اور یہ مجالس اس لیے ہیں کہ ہمارے دل میں استعمالِ علم کا شوق پیدا ہو جائے، کہ جو اللہ نے ہمیں علم دیا، ہم اس کو استعمال کرنے بھی لگ جائیں، صحابہ-رضی اللہ عنہم-کے بارے میں فرمایا: **كَانُوا يَتَعَلَّمُونَ الهَدْيَ كَمَا يَتَعَلَّمُونَ العِلْمَ** ''کہ جیسے وہ علم سیکھتے تھے، ایسے ہدایت بھی سیکھتے تھے۔''[2]

تو معلوم ہوا کہ، تحصیلِ علم ایک الگ محنت ہے، اور استعمالِ علم الگ محنت ہے، یہ استعمالِ علم کیسے حاصل ہو؟ اس کا نام تربیت ہے، اور اسی کے لیے یہ مجالس منعقد کی گئی ہیں، کہ ہمارے دل میں اپنے علم پر عمل کرنے کا، اپنے علم کو استعمال کرنے کا ایک شوق، ایک محبت، ایک جذبہ اور ایک ولولہ پیدا ہو جائے۔

چنانچہ حضرت قاری طیب – رحمۃ اللہ علیہ-فرماتے ہیں: کہ ہم نے بعض ایسے اکابر کو دیکھا کہ ظاہری علم اُن کے پاس نہیں تھا؛ اور اُن سے بڑے بڑے اکابر، علم سیکھا کرتے

---

(۱) پ:۳ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۲ (۲) الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱/ ۷۹ رقم: ۹

تھے، بڑے بڑے جبالِ علم اُن سے سیکھا کرتے تھے، کسی نے کہا: کیسے؟ تو فرمانے لگے: کہ حضرت نانوتوی-رحمۃ اللہ علیہ-کے ایک خادم تھے، ان کا نام تھا ''امیر شاہ خان''-یہ حضرت نانوتویؒ کے خادم تھے-؛ مگر طبیعت نیکی والی تھی، تقوی تھا؛ اس وجہ سے ان کی زبان سے معارف نکلتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت کشمیری-رحمۃ اللہ علیہ-کبھی عقائد کے مسئلے میں پھنس جاتے تھے؛ کیوں کے عقائد کے معاملہ میں بہت گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے، تو فرماتے: چلو! امیر شاہ خان کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس آکر حضرت بات چھیڑ دیتے تھے، اور ان کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا تھا، جس سے علامہ انور شاہ کشمیری-رحمۃ اللہ علیہ-کو روشنی مِل جاتی تھی!!

چنانچہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی-رحمۃ اللہ علیہ-خاتم العلوم والبرکۃ، ایک مرتبہ فرمانے لگے: کہ لوگ تو حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) سے بیعت ہوئے ان کے تقوی کی وجہ سے اور میں بیعت ہوا اُن کے علم کی وجہ سے۔ طلبہ حیران ہوئے کہ حضرت نے کیا بات کردی؟ تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت! وہ کیسے؟ فرمایا: کہ حاجی صاحب اگرچہ ''کافیہ'' تک کتابیں پڑھے ہوئے تھے؛ مگر استعداد ایسی تھی، کہ مولوی محمد جالندھری صاحب ''مشکاۃ شریف'' کا درس دیتے تھے، اور حضرت ان کے درس میں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد جالندھری کو ''مثنوی شریف'' میں ایک شعر کے معانی کرنے میں اختلاف رائے ہوا، تو مولوی محمد صاحب نے فرمایا: کہ نہیں جو میں کہہ رہا ہوں، وہ ٹھیک ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی طبیعت بحث والی نہیں تھی، خاموش ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد جب انہوں نے مثنوی کا درس خود دینا شروع کیا، تو اس شعر تک پہنچ کر اس کا وہی ترجمہ کیا، جو حاجی صاحب کہہ رہے تھے۔ حاجی صاحب کمرے میں تھے، باہر نکلے، اور مولانا محمد صاحب کو مسکرا کر کہا: کہ بات تو وہی کی جو میں نے کی تھی؟ پھر انہوں نے تسلیم کیا کہ آپ اس شعر کے مفہوم کو صحیح سمجھتے تھے مجھے اب سمجھ میں بات آئی۔

چنانچہ جتنا طالب علم میں تقویٰ زیادہ ہوگا، اتنا علم میں گہرائی، عُمق زیادہ ہوگا۔اب ہم جانتے تو ہوں، عمل نہ کرتے ہوں، تو ہم نے علم سے فائدہ تو نہ اٹھایا۔تو اس لیے تقویٰ اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔ کہنے والے نے کہا۔

فَإِنْ كُنْتَ لَاتَدْرِیْ فَتِلْکَ مُصِيبَةٌ

اگر تو نہیں جانتا، تو یہ ایک مصیبت ہے

وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَاالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

اگر تو جانتا ہے، عمل نہیں کرتا، تو سب سے بڑی مصیبت ہے [1]

آج ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں، آج جس سے بات کرو، وہ کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں۔بھئی جانتے تو ہیں؛ مگر جاننے پر عمل کتنا کرتے ہیں؟ اور عجیب بات کہ قیامت کے دن سوال بھی یہی ہوگا کہ تم نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ چنانچہ بہت سارے طلبہ کو دیکھا، بڑی تحقیق ہوتی ہے **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** [2] جی ''قد'' تحقیق کا ہے ''اَفلَحَ'' ماضی کا صیغہ ''مَن'' اسم موصولہ اور پھر ''تزکّٰی'' فعل ماضی؛ اب آپس میں جوڑتے ہیں اسم موصول کو ملا کر، اور نتیجہ کیا نکالتے ہیں کہ جی جملہ فعلیہ ہوا۔بھئی! جملہ فعلیہ کی تحقیق تو آپ نے کر لی؛ مگر یہ سوچا کہ **قد افلح من تزکی** میں اللہ کی منشا کیا ہے؟ ہمیں حاصل کیا کرنا چاہیے؟ ادھر دھیان نہیں ہوتا، تو ''فلاح'' کو اللہ نے ''تزکیہ'' کے ساتھ منتھی کیا ہے، جب تک ہم اپنا تزکیہ نہیں کریں گے، فلاح نہیں پائیں گے۔عمل ضروری ہے، اسی عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے یہ مجالس کی جاتی ہیں، وہ جذبہ کیسے پیدا ہو؟ وہ آگ کیسے لگے؟ ان مجالس سے وہ تیلی لگتی ہے، آگ لگ جاتی ہے، اندر بے قراری رہتی ہے۔علم انسان کو بے قرار رکھتا ہے، جب تک کہ انسان اس پر عمل نہ کر لے؛ اس لیے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں علماء یہود کے بارے میں فرمایا: **لو کانو ایعلمون** [3] اگر وہ جانتے'' اس کا مطلب ہے

---

(۱) ہذا بیت من قصیدۃ طویلۃ للامام ابن القیم فی وصف الجنۃ (۲) پ:۳۰ سورۃ الاعلی آیت: ۱۴ (۳) البقرۃ، آیت: ۱۰۲

کہ ان کے علم کو اللہ نے علم ہی نہیں سمجھا، حالاں کہ وہ کتاب تو بڑی پڑھتے تھے، **وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ۔**[1] اس لیے محض علم کے اوپر کفایت کرلینا، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ نہ ہو کہ سُن سُن کے ''سُن'' ہوجائیں، سُنتے سُنتے ''سُن'' ہوجاتے ہیں، کسی کام کے نہیں رہتے۔ ''جو جتنا زیادہ جانتا ہے، وہ اتنا زیادہ بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے، اور یہ بوجھ جس نے گردنوں کو توڑا ہوا ہے، قریب ہے کہ بندہ اس بوجھ کے نیچے دب جائے۔ دل میں یہ عہد ہو کہ جو سنیں گے، اُس پر عمل کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہوگی۔

مولانا رومؒ نے عجیب بات کہی، فرماتے ہیں ؎

علم رسمی سربسر قیل است وقال
نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال
علم چہ بود آں کہ رہ نمایدت
زنگ گمراہی زدل بروایدت

علم وہ ہے جو دل سے گناہوں کی گندگی کو نکال دیتا ہے۔

ایں ہوَسہا از سرت بیروں کند
خوف وخشیت در دلت افزوں کند

یہ علم وہ نور ہے، جو تیرے سر سے دنیا کی ہوس کو نکال دے گا، اور اللہ کا خوف اور اللہ کی خشیت تیرے اندر بڑھا دے گا۔

تو ندانی جز یَجُوز ولایَجُوز
خود ندانی کہ حوری یا عَجُوز

تو نہیں جانتا سوائے اس کے کہ یہ جائز ہے، یا ناجائز، تمہیں نہیں پتہ کہ تو حور ہے، بُڑھیا ہے کچھ نہیں پتہ۔ بقول شاعر ؎

---

(۱) البقرۃ، آیت: ۴۴

علم نبود غیر علم عاشقی
مابقی تلبیس ابلیس شقی

علم نہیں جس کے اندر عشق کا علم نہ ہو، جو عشق کے علاوہ علم ہے، وہ تو ابلیس کی تلبیس ہے۔

علم چوں بر دلِ زنی یارِ بود
علم چوں بر تن زنی مارے بود

جب علم دل میں اتر تا ہے، تو یار بن جاتا ہے۔ علم جب جسم پر رہتا ہے، تو اس وقت یہ سانپ کی مانند ہوتا ہے۔ لہذا وہ علم جس پر عمل نہ ہو وہ جہالت کی مانند ہے۔ تو اس عمل کے جذبے کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں علم کے ساتھ ساتھ اعمال کی، اور ادب اور تقوی کی بھی توفیق عطا فرمائے؛ تاکہ ہمارا علم، صحیح معنوں میں علم بن سکے۔

مدارس میں زندگی گزارنے والوں! نبی علیہ السلام کی سنتوں کو سینے سے لگا لیجیے!

ہر کام کو نبی علیہ السلام کی سنت کے مطابق کرنا، انسان کو اللہ-رب العزت-کا محبوب بنا دیتا ہے؛ چنانچہ ہم اپنے اکابرین کو دیکھیں تو ان کا ایک ایک عمل سنت کے مطابق ہوتا ہے، صحابۂ کرام میں سے ایک ایک صحابیؓ، نبی علیہ السلام کی سنت کا نمونہ تھا۔

صحابہ کرام کا تو یہ حال تھا کہ ایک صحابی تھے حبشہ کے-اور جو حبشی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سر پر جو بال ہوتے ہیں، وہ چھوٹے ہوتے ہیں- جب وہ نہا کے آئینہ میں چہرہ دیکھتے، ان کا جی چاہتا کے میرے سر میں بھی مانگ اسی طرح نظر آئے، جیسے نبی علیہ السلام کی نظر آتی ہے۔ تو کنگھے سے اپنی مانگ بنانے کی کوشش کرتے تھے، مانگ بنتی نہیں تھی، انہیں اپنا سر اچھا نہیں لگتا تھا، محبت میں ایک دن، لوہے کی ایک گرم سلاخ تھی وہ انہوں نے آگ میں سے نکالی، اور اپنے سر پر پھیر لی۔ زخم ہو گیا، علاج معالجے سے ٹھیک ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سر کو جلا لیا، اتنی تکلیف کیوں پہنچائی؟ فرمانے لگے: تکلیف تو بالآخر ختم ہو گئی، آئندہ میرا سر مانگ کی وجہ سے نبی علیہ السلام کے مبارک سر سے مشابہت پا گیا۔ کیا محبت ہو گی ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ!!

سیدنا حذیفہؓ فارس کی طرف گئے، دستر خوان پر کھانا کھا رہے ہیں، لقمہ نیچے گر گیا، انہوں نے اٹھایا دستر خوان سے اور صاف کر کے کھالیا۔ ساتھ والے نے کہا: کہ یہاں والے لوگ اس چیز کو پسند نہیں کرتے۔ جیسے یہ کہا حذیفہ بن یسارؓ نے فرمایا:

اَاَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِیْبِیْ لِهٰئُولَاءِ الْحُمَقَاءِ (1)

''کیا ان احمقوں کی خاطر میں اپنے محبوبؐ کی سنت کو چھوڑ دوں؟''

کتنی محبت ہوگی سنت سے؟!! آج نوجوان طلبہ کو معاشرہ کے کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں: ڈاڑھی رکھ لی، ملّا بن گیا، ملوٹا بن گیا؛ جو بھی ایسی بات کرے دل میں کہہ دیا کرو:

اَاَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِیْبِیْ لِهٰئُولَاءِ الْحُمَقَاءِ

لوگ کہتے ہیں، کہ او جی یہ لوگ چلتے پھرتے آثارِ قدیمہ نظر آتے ہیں۔ ٹھیک ہے، بھئی! تمہیں آثار قدیمہ نظر آتے ہیں؛ مگر یہ آثار آج سے چودہ سو سال پہلے کے ہیں، قیامت کے دن اللہ -رب العزت- کو جب یہ آثار نظر آئیں گے، تو اللہ -رب العزت- اس بندے سے محبت فرمائیں گے، یہ دنیا میں چلتا پھرتا میرے محبوب کی سنتوں کا نمونہ تھا۔

اکابر علماءِ دیوبند کی اتباعِ سنت

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ صحابہ تو صحابہ تھے بڑی شان والے لوگ تھے، تو سنیے! ان کی روحانی اولاد، ان کے جانشین، ان کے وارثین؛ وہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی سنتوں پر اسی طرح محبتوں کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اگر قریب کے زمانے میں دیکھنا ہے، تو اکابر علماءِ دیوبند کی اتباعِ سنت کو دیکھ لیجیے! کہ اللہ -رب العزت- نے ان کو یہ صفت دی تھی، جلال شاہی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، سنت کو پیٹھ نہ دکھانا اور الفت کے ساتھ اطاعت کا پیکر بن جانا؛ یہ ان کی شان ہوا کرتی تھی۔ کچھ مثالیں دیکھیں: آیئے اس قافلے کے امام حضرت مولانا قاسم نانوتوی -رحمۃ اللہ علیہ- کی زندگی کو دیکھیے:

---

(1) لباس الرسول والصحابۃ والصحابیات مع نبذۃ من عیش النبیؐ وصحابتہ الکرام ص: ۱۶۱

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ عاشق رسول تھے اتنی محبت تھی نبی علیہ السلام سے، کہ جب ''حرمین شریفین'' کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، تو ''بیر علی'' سے سواری سے اتر کر، جوتے اتار کر، پیدل چلنا شروع کردیا۔ نازک بدن تھا، پاؤں زخمی ہونے کا ڈر تھا، قریب کے ساتھیوں نے کہا کہ حضرت! کیوں آپ اس طرح ننگے پاؤں چل رہے ہیں؟ فرمایا: کہ ''جس زمین پر میرے آقا کے نقش قدم لگے ہوں، قاسم نانوتوی کو زیب نہیں دیتا کہ جوتوں کے ساتھ اس زمین پر اپنے قدم رکھے''۔

....ایک شخص نے سبز رنگ کا جوتا پیش کیا، آپ نے ادب کی وجہ سے نہیں پہنا، اس نے پوچھا: حضرت! اتنا قیمتی جوتا تھا آپ نے پہنا نہیں؟ فرمایا: ''میرے دل نے گوارہ نہیں کیا، کہ میرے محبوب کے گنبد کا رنگ بھی سبز ہو اور میں اس سبز رنگ کا جوتا اپنے پاؤں کے اندر پہن لوں۔ اتنا ادب کا خیال کرنے والے بزرگ تھے۔

....فرنگی نے پولیس پیچھے لگادی کہ پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دیا جائے، تین دن آپ روپوش رہتے ہیں، اور تین دن کے بعد پھر باہر آجاتے ہیں۔ لوگوں نے کہا، حضرت! جان کا معاملہ ہے، چھپ جایئے! فرمانے لگے: میں نے اپنے آقا کی مبارک زندگی پر نظر دوڑائی، تو مجھے غارِ ثور میں تین دن رات روپوشی کے نظر آتے ہیں، میں نے سنت پر عمل کرلیا، اب اگر کوئی پکڑ کر پھانسی بھی چڑھا دے گا تو قاسم کی جان حاضر ہے۔

❊ آیئے! اس قافلہ کے ایک اور بزرگ جو اپنے وقت کے فقیہ تھے، گنگوہ میں رہنے والے، حضرت گنگوہی کی زندگی کو دیکھیے! آخری وقت میں ''موتیا بند'' آنے کی وجہ سے بینائی چلی گئی؛ مگر اس کے باوجود رات کو سرمہ لگارہے ہیں، کسی نے کہا کہ سرمہ تو بینائی کے لیے لگایا جاتا ہے، کہ تیز ہوجائے؟ تو فرمایا کہ آپ بینائی تیز کرنے کے لیے لگاتے ہوں گے، میں تو سنت سمجھ کر لگا رہا ہوں؛ اگرچہ بینائی سے محروم ہوں مگر میں سرمے کی سنت پر عمل تو کرلوں گا۔

✵ ایک اور بزرگ جن کو اللہ تعالی نے اپنے حبیب کی مسجد میں بیٹھ کر ایک واعظ اور خطیب کے طور پر قبولیت عطا فرمائی ،جنہوں نے اٹھارہ سال مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس دیا اور حدیث پڑھتے وقت فرمایا کرتے تھے: **"قَالَ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ ﷺ"** ان کی مبارک زندگی کو دیکھیے! کہ وہ اپنی ریش سے روضۂ انور کے باہر کی جگہ پر جھاڑو دے رہے ہیں، کہ جس کی یہ سنت ہے اسی کی حرمت پر میں یہ قربان کررہا ہوں!! یہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں ۔تو اللہ -رب العزت- نے ان کو عشق رسول میں ایک خاص شان عطا فرمائی تھی، ایک ہاتھ میں یوں سمجھیے توحید تھی، اور دوسرے ہاتھ میں ان کے عشق رسالت ؎

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق

✵ حضرت شیخ الہندؒ جب عشاء کے وتر پڑھ لیتے، تو بعد کے نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ایک عالم نے کہا: حضرت! بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب آدھا اور کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کا ثواب پورا؟ حضرت نے فرمایا: ہاں میں آدھا ثواب قبول کرلوں گا؛ مگر اسی طرح کروں گا، جس طرح میرے آقا نے کیا۔ سنت کے عاشق تھے۔

✵ حضرت مدنیؒ فجر کی نماز طوال مفصل کے ساتھ پڑھاتے تھے، کہ نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ لوگوں نے کہا: کہ جی دارالعلوم میں پھول لگواؤ! فلاں لگواؤ! علماء نے کہا، تو بہت سارے لوگوں کی فرمائش پر یہ چیزیں لگوادیں۔ حضرت نے کہا کہ کیکر کا درخت لگواؤ! اب علماء کو سمجھ میں نہ آئے، بھائی زیبائش کے لیے خوبصورت درخت ہیں، پھل دار دخت ہیں، پھول دار درخت ہیں، کیکر سے تو کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ملتا، اور حضرت نے فرمایا کہ دارالعلوم کے اس گلستان میں ''کیکر'' کا درخت لگاؤ؟ کسی نے پوچھا کہ حضرت! ''کیکر'' کا درخت کیوں؟ فرمایا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے، کہ نبی علیہ السلام نے بیعتِ رضوان کیکر کے درخت کے نیچے لی تھی؛ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس درخت کو دیکھوں، مجھے محبوب کا عمل یاد آجائے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے اکابر ہر ہر عمل میں کیسے سنت کا خیال کرتے ہوں گے۔ اللہ اکبر کبیرا!!! سنت کا لحاظ کرتے تھے، ایک ایک کام میں بھی چاہے چھوٹا، ہو یا بڑا؛ چنانچہ حضرت مولانا یحیٰؒ ایک بات کہا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ''سنت کے مطابق پاخانہ کرنا، نفلی عبادتوں سے اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے''۔

تو ان اکابر کے اندر سنت کی اتباع تھی، ہم بھی اپنے اندر اسی اتباع کو پیدا کریں اور مدرسے میں رہتے ہوئے یہی عمل ہمیں سیکھنا ہے، ہمارا ہر قول ہر فعل نبی علیہ السلام کی سنت کے مطابق ہو۔

وہی سمجھا جائے گا شیدائے جمالِ مصطفیٰ
جس کا حال، حالِ مصطفیٰ ہو، قال، قالِ مصطفی

قول اور فعل نبی علیہ السلام کی سنت کے بالکل مطابق ہو۔

دو طالب علموں نے تحصیلِ علم کے لیے سفر کیا۔ جب دو سال بعد واپس آئے، ایک فقیہِ کامل تھا اور دوسرا علم و کمال سے خالی تھا۔ شہر کے علماء نے غور کیا، تو معلوم ہوا کہ جو فقیہِ کامل بنا، وہ اتباعِ سنت کا زیادہ اہتمام کرتا تھا۔

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں۔

''ہمارے سالک کا سلوک، اتباع سنت کے ذریعہ سے طے ہوتا ہے۔''

''امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سنت کے اتباع کے بارے میں فرماتے ہیں:

دو پہر کے وقت سنت قیلولہ کی نیت سے تھوڑی دیر سو جانے پر وہ اجر ملتا ہے، جو ہزار سال کی نفلی شب بیداریوں پر نہیں مل سکتا۔''

سبحان اللہ! ان حضرات کے دل میں سنت کی کیا ہی قدر و منزلت تھی، دیکھیں! اُدھر شب بیداری ہے، اور اِدھر نیند ہے، مگر اس نیند کو چوں کہ نبی علیہ السلام کی نیند کے ساتھ ایک نسبت حاصل ہو جاتی ہے؛ اس لیے ہزاروں نفلی شب بیداریوں سے زیادہ مقام پالیتی

ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: کہ اگر ساری دنیا کی کرامتیں ہم سے چھین لیں، اور اتباع سنت ہمیں دیدیں، تو خوش نصیبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اگر ساری دنیا کی کرامتیں دیدیں اور اتباع سنت چھین لیں، تو ساری دنیا کی بدبختی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایک کتاب میں تو عجیب بات پڑھی، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے:

''جو میرے بس میں سنتیں تھیں، میں نے ان پر عمل کرلیا، ایک سنت کو پورا کرنے کی تمنا تھی، وہ کیا؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے، ان کو نبی علیہ السلام نے اٹھایا ہوا تھا، اور آپ پر حسن رضی اللہ عنہ نے پیشاب کردیا، اس سے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے گیلے ہوگئے (1)؛ چنانچہ فرماتے تھے کہ اللہ نے بیٹی تو دی ہے؛ مگر نواسہ نہیں ہے، بڑی تمنا تھی کہ میں بھی اسے اٹھاتا، اور میرے بھی کپڑے گیلے ہوتے؛ مگر نواسہ نہ ہوا، چنانچہ وصیت فرمائی: 'اگر میرے مرنے کے بعد اللہ تعالی میری بیٹی کو بیٹا عطا کرے، تو اس بچے کو میری قبر پر بٹھا دیا جائے؛ یہاں تک کہ وہ وہاں پر پیشاب کردے''۔

یہ ہے سنت سے محبت، اور واقعی جو انسان دنیا میں ایسا سنت کا شیدائی ہوگا، اگر اس سے کوئی خطا بھی ہوئی ہوگی، تو پھر قیامت کے دن نبی علیہ السلام کی شفاعت کا بھی وہی حقدار بنے گا۔

اور جو سنت کا استخفاف کرے گا، اس کو تو موت کے وقت کلمہ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اگر سنت پر کوئی عمل نہ کرسکے، تو اپنے آپ کو مجرم سمجھے تاویل نہیں کرنی چاہیے۔

خلافِ سنت کام سے نبی علیہ السلام کو تکلیف پہنچتی ہے

سنت کے ٹوٹنے سے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے، اگر ہم سنت کے خلاف کام کریں گے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائیں گے۔

---

(1) شرح معانی الآثار باب حکم بول الغلام والجاریۃ قبل ان یاکل الطعام ۱/ ۷۴

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے، روزانہ ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھ کر نبی علیہ السلام کو ہدیہ بھیجتے تھے، یہ ان کا معمول تھا، ایک رات ان کو نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی، انہوں نے دیکھا اللہ کے نبی سامنے ہیں؛ مگر آپ کے سینۂ مبارک پر کچھ زخم کے نشانات ہیں، حیران پریشان! اے اللہ کے نبیؐ! یہ آپ کے سینہ انور پر نشان کیسے؟!! نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ میری سنتوں کو توڑتے ہیں، میرے سینہ پر زخم لگاتے ہیں، اور مجھے دکھ پہنچاتے ہیں، میری سنت کو توڑ کر میرے سینے کو زخم لگاتے ہیں''۔

نبی علیہ السلام کو کافروں نے بھی تکلیف پہنچائی؛ مگر وہ تو پرائے تھے، وہ تو کافر تھے، ہم تو نبی علیہ السلام کے امتی ہیں، اپنے سمجھے جاتے ہیں، اپنے جب تکلیف پہنچاتے ہیں تو، انسان کو دکھ زیادہ ہوتا ہے، کہنے والوں نے کہا: ؎

کہ تم تو غیروں کی بات کرتے ہو
ہم نے تو اپنے بھی آزمائے ہیں
لوگ کانٹوں سے بچ نکلتے ہیں
ہم نے پھولوں سے زخم کھائے ہیں

آپ سوچیے تو سہی! طالب علم ہو، حدیث پڑھنے والا ہو، حدیث پڑھانے والا استاذ ہو اور پھر سنت کو نظر انداز کردے؛ تو اللہ کے پیارے حبیب کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟ اگر کل قیامت کے دن اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھ لیا: کہ مجھے تکلیف کافروں نے بہت پہنچائی، مجھے طائف کا دن یاد ہے، جب وہ اپنے شہر میں کھڑا نہیں ہونے دیتے تھے، میں زخموں سے چور تھا، اور تھک کر بیٹھ گیا تھا، نو سال کے بعد عائشہ صدیقہ نے پوچھا تھا تو میں نے بتایا تھا کہ حُمَیراء! اس دن کی تکلیف مجھے آج بھی محسوس ہو رہی ہے، مجھے تکلیف تو یاد ہے؛ مگر وہ کافروں نے پہنچائی تھی، یہ تکلیف تو مجھے اپنوں نے پہنچائی، جو میرا نام لے کر دنیا میں کھانے والے، میرا نام لے کر دنیا میں عزتیں پانے والے، اگر وہ سنت کو

نظر انداز کریں، تو پھر اللہ کے حبیب کے ساتھ ہم نے کیا معاملہ کیا!

لہٰذا اگر قیامت کے دن نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ غیر جب اپنی چیزوں کو متعارف کرار ہے تھے-آج کفر نے سیل فون بنا کر ہر کچے اور پکے مکان میں پہنچا دیا، تاجر سے لے کر بکریاں چرانے والے تک پہنچا دیا، مسجد سے لے کے بیت اللہ کے دروازے تک پہنچا دیا، آج بیت اللہ کے دروازے پر دعا مانگنے کھڑے ہوں، آپ کو وہاں بھی کسی نہ کسی سیل فون کی رِنگ سنائی دے گی-اللہ کے نبی پوچھیں گے، جب کافروں نے اپنی چیزوں کا تعارف اتنا کروایا تھا، بتاؤ تم نے میرے اسلام کا تعارف کروایا؟ میری سنت کا تعارف کروایا؟ لوگوں کے ہاتھ میں تانبا تھا، انہوں نے تانبے کو سونا بنا دیا، تمہارے ہاتھ میں تو سونا تھا، تم نے سونے کو کیوں نہ لوگوں کے سامنے پیش کیا؟ میری سنت کا غم کیوں نہ کھایا؟ اگر نبی علیہ السلام نے یہی سوال کر دیا کہ بتاؤ میں عرفات میں رویا، منٰی میں امت کے لیے رویا، مزدلفہ میں امت کے لیے رویا، حطیم میں امت کے لیے رویا، میں غلاف کعبہ کو پکڑ کر امت کے لیے رویا، میں اتنی لمبی اللہ کی عبادت کرتا تھا۔

"حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاهُ"

''یہاں تک کہ قدموں پر ورم آجاتا تھا''(۱)

پھر اس کے بعد دعائیں مانگتا تھا، میری ریش تر ہو جاتی تھی، میں امت کے لیے رویا، میرے امتیو! تم نے میرے ان آنسوؤں کی کیا قدر کی؟ تم اپنے ہاتھوں سے میری سنتوں کو توڑ دیتے تھے، آج میں تمہاری شفاعت کیسے کروں؟ سوچو تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ ہمیں واقعی اس کا احساس کرنا چاہیے، اپنے ہر عمل کو سنت کے مطابق کرنا چاہیے۔اللہ پوچھیں گے، بتاؤ تم نے سنت سے ایسی محبت کیوں نہ کی؟ اس پر نبی علیہ السلام فرمائیں گے: قرآن کے حافظو! قاریو! اے علماء! تم تو میرے وارث کہلاتے تھے، بتاؤ تم نے میری سنت پر کتنا غم

---

(۱) صحیح بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱/ ۲۳۰ رقم: ۱۱۸

کھایا؟ میری سنت پر کتنا عمل کیا؟ بتائیں ہم اس وقت کیا جواب دے سکیں گے؟ اللہ کے نبی علماء سے فرمائیں گے، تمہیں وفا کرنی تھی، تم زندگی میں جفا کر کے آئے، اور جسے جفا کرنی تھی، وہ مجھ سے وفا کر کے آئے، تو واقعی بات ایسی ہی ہے، کہنے والے نے کہا۔

کسی غم گسار کی محنتوں کا، یہ عجیب میں نے صِلہ دیا
جسے میرے غم نے گھلا دیا، اسے میں نے جی سے بھلا دیا

نبی علیہ السلام ہمارے غم میں گھل جاتے تھے، آج ہم ان کو بھول جاتے ہیں، ہمیں نہ کھاتے ہوئے سنتیں یاد ہوتی ہیں، نہ لباس میں، بلکہ فیشنوں کے دلدادہ، اور کفار اور فرنگیوں کے طریقوں کو اپنانے کے لیے خوش ہوتے ہیں، آج امت کا اکثریت کا حصہ اسی طرح کی زندگی گزار رہا ہے۔ ایسے میں مدارس میں زندگی گزارنے والے نوجوان بچوں پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے، یہ نبی علیہ السلام کی ایک ایک سنت کو اپنی نواجذ کے ساتھ پکڑلیں۔

"عَضُّوْا عَلَيْهِ بِالنَّوَاجِذِ"[(۱)]

دانتوں سے جیسے کسی چیز کو پکڑ لیتے ہیں، یہ نبی علیہ السلام کی سنت کو سینے سے لگالیں آپ کے طریقوں کو اس طرح پکڑلیں تا کہ کل قیامت کے دن نبی علیہ السلام خوش ہوں کہ یہ میرے طریقوں پر چلنے والا، میری سنت پر چلنے والا ہے۔

اور اگر ہم نے آج سنت کو چھوڑ دیا، تو نبی علیہ السلام فرمائیں گے: کہ تم میں اور کافروں میں اتنا فرق تھا کہ کافر میرے مجسمے بناتے تھے، تصویریں بناتے تھے، کارٹون بنا کر میرا مذاق اڑاتے تھے، اور تم میری سنت کا مذاق اڑاتے تھے، فرق تو تھوڑا ہی تھا۔

آج وقت ہے اللہ کے نبی سے وفا دکھانے، کا ان کی شفاعت کا سہارا ہے، اگر انہوں کہہ دیا:

---

(۱) سنن ابی داؤد ۲ / ۵ ۶۳ رقم: ۴۶۰۷

"یَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْراً"[1]

تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ ہم اپنے سراپا کو نبی علیہ السلام کی مبارک سنت کے مطابق بنالیں؛ تاکہ اگر "ملک الموت" آئے، ہمارے اعضاء کوٹٹولے سنتِ نبوی سے مزین نظر آئیں، ہمارے دل کوٹٹولے، عشقِ نبوی سے بھرا نظر آئے، اور ہم کل قیامت کے دن محبوب کے سامنے حاضر ہوں تو اللہ کے نبی مسکرا کر دیکھیں، ہاں میری سنت کا شیدائی، میرے طریقوں کو اپنانے والا، میرے نقشِ قدم پر چلنے والا، آج آ گیا ہے۔ اللہ کے حبیب اپنے ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام عطا فرمائیں۔ اللہ کے سامنے جب حاضری ہو، ہم اس وقت اللہ سے یہ کہہ رہے ہوں ؎

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اِس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

اے کریم آقا! آج ہمارے پاس صورت ہے، اس کو حقیقت بنالیجیے، ہمارے سینوں کو اپنے محبوب کی محبت سے بھر دیجیے! اور ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمالیجیے! قیامت کے دن کی کامیابی اور دنیا کی عزتیں اسی سنت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کی سچی محبت نصیب فرمائے، ہماری زندگی کا آخری حصہ سنت کے مطابق بن جائے، جو اللہ کو پسند آئے۔

---

[1] پ:۱۹ سورۃ الفرقان، آیت: ۳۰
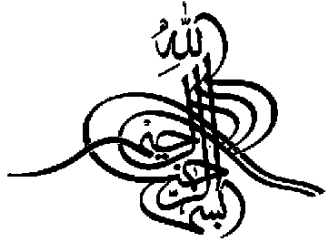
پُر جوش طالبِ علم بنیں

جب انسان کی زندگی میں تقوی ہوتا ہے، تو پھر اللہ تعالی اس کو علم کا تاج پہنا دیتا ہے، پھر اللہ تعالی اس کو غربت سے نکالتا ہے، اور لوگوں کا سردار بنا دیتا ہے، وہ اسے فرش سے اٹھاتا ہے، اور اس کو عرش پر پہنچا دیتا ہے۔ آپ تاریخ پڑھ کر دیکھیے، جب مسلمانوں کی عظمت کا سنہرا دور تھا، اس وقت گیارہ صوبے تھے اور ہر صوبے کا چیف جسٹس ''غلام'' تھا، مولی (آزاد کردہ) یعنی کسی کا غلام تھا اور اس نے آزاد کرا دیا۔ اب سوچیے! کہ غلام کی معاشرہ میں کیا حیثیت ہوتی ہے؛ لیکن وہ غلام اس علم کو حاصل کرنے کے راستہ پر نکلے، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالی نے ان کو فرش سے اٹھا کر، تخت کے اوپر بٹھا دیا۔ پورے صوبے میں ان کا فتوی چلتا تھا، وقت کا بادشاہ ان کے سامنے کئی مرتبہ مُلزم کی طرح کھڑا ہوتا تھا۔

سچی بات یہ ہے کہ علم گرے ہوئے لوگوں کو اٹھاتا ہے، اور اللہ تعالی کا قرب عطا کر دیتا ہے، ذلت اور رسوائی کے گڑھوں میں پڑے ہوؤں کو عزتوں کے تاج پہنا دیتا ہے؛ لیکن اس عزت کو حاصل کرنے کے لیے طالب علم کو حصول علم میں پر جوش بننا پڑتا ہے۔

اس کے لیے انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے، چکی پیسنی پڑتی ہے، اس کو پیسے بغیر کسی کا فیض جاری نہیں ہوا، آپ کسی بھی بزرگ کے حالات زندگی پڑھ کر دیکھ لیجیے! جتنا مجاہدہ زیادہ کیا ہوگا، اللہ -رب العزت- نے اتنا فیض زیادہ جاری کیا ہوگا۔ مثل مشہور ہے: کہ ''جتنا گڑ

ڈالیں گے اتنا ہی میٹھا ہوتا ہے۔''اسی طرح اس راہ میں جتنا مجاہدہ کریں گے، اپنی آسائش اور آرام کو دین کے تقاضوں پر قربان کریں گے، اتنے ہی اس کے ثمرات ملیں گے۔

عام طالب علم اور پر جوش طالب علم

ایک ہوتا ہے''عام طالب علم''اور ایک ہوتا ہے''پر جوش طالب علم''دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔''طالب علم''ہر اس لڑکے کو کہتے ہیں جس نے ماں باپ کے کہنے پر داخلہ لے لیا؛ مگر بعض اوقات اس کا اپنا میلان بہت تھوڑا ہوتا ہے۔اس کو پڑھائی کے سوا باقی ہر چیز اچھی لگتی ہے، دوستیاں لگاتا ہے، کھیلنے کا شوق ہے، جب نتیجہ امتحان کا نکلتا ہے، مشکل سے پاس ہوتا ہے، پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتا؛ یہ ہے عام طالب علم۔

اور ایک ہوتا ہے''پر جوش طالب علم''، یہ وہ نوجوان ہے، جس کے اپنے اندر علم کو حاصل کرنے کا شوق ہے، اس کو علم کی ایک نہ بجھنے والی پیاس، نہ ختم ہونے والی بھوک ہوتی ہے، یہ متلاشی ہے، جیسے گم شدہ چیز کو کوئی تلاش کرتا ہے، یہ علم کی باتوں کو ایسے تلاش کرتا ہے۔حالات سازگار نہیں ہوتے، وسائل نہیں ہوتے، مجبوریاں ہوتی ہیں، رکاوٹیں ہوتی ہیں؛ مگر یہ علم حاصل کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا، ایسے طالب علم ہوتے ہیں، ایسے ہی طلبہ ہوتے ہیں جن کو اللہ-رب العزت-عزتیں دیا کرتے ہیں، فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا کرتے ہیں۔

گلہ بانی سے، حرم کی پاسبانی تک

ہمیں ایک مرتبہ ایک واقعہ خود پیش آیا''مسکین پور شریف''کچھ عرصہ جا کر رہنے کا موقع ملا، تو وہاں ایک طالب علم تھا، قرآن یاد کرنے والا، اس کی عجیب کہانی تھی؛ وہ دیہات کا رہنے والا غریب ماں باپ کا بیٹا تھا، ماں باپ نے اس کو پچاس ساٹھ بکریاں لے کر دیں کہ بیٹا! انہیں چراؤ، ان کے دودھ اور گوشت سے ہمارا گزارا چلے گا، اب وہ بچہ جنگل میں بکریوں کو چرانے کے لیے نکلتا، اکیلا بچہ پچاس ساٹھ بکریوں کو چَراتا۔جون، جولائی،

اگست کی گرمی میں تو تنگ ہو جاتا، پسینہ سے شرابور ہو جاتا، پینے کو ٹھنڈا پانی تو کیا سرے سے وہاں ملتا ہی نہیں تھا۔ یہ بچہ اتنی مشقت برداشت کر کے شام کو آتا، سارا دن دھوپ میں رہنے کی وجہ سے رنگ کالا ہو گیا۔ ایک دفعہ اس کو ایک دوست ملا، دونوں ہم عمر تھے، اس نے پوچھا سناؤ کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ بس ماں باپ نے بکریاں مجھے لے کر دی ہیں، صبح ہوتی ہے، میں لے کر نکلتا ہوں کوئی بکری ادھر بھاگتی ہے، کوئی ادھر اور ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر میرا تو حال برا ہے، گرمی اوپر سے، روٹی خشک ہوتی ہے، پینے کو پانی نہیں ہوتا، میں تو ایسی مشقت کی زندگی گزارتا پھرتا ہوں۔ دوسرے نے کہا: اچھا! میں تو بڑے مزے میں ہوں میرے ماں باپ نے مجھے ایک مدرسہ میں داخلہ دلوایا ہے، وہاں تو بجلی بھی ہے، پنکھے بھی ہیں، سارا دن چھت کے نیچے سائے میں بیٹھنا ہوتا ہے، صبح کو ناشتہ ملتا ہے، دوپہر کو کھانا ملتا ہے، رات کو کھانا ملتا ہے، ہم تو سارا دن قرآن پڑھتے ہیں۔ اب اس بچے کا دل للچایا کہنے لگا کہ بھئی! مجھے بھی لے جاؤ۔ اس نے کہا کہ آنا۔

چنانچہ اگلے دن یہ بچہ ماں باپ سے بھاگ کر اس کے ساتھ مدرسے چلا گیا، اس نے جا کر مدرسہ کے مہتمم کو کہا کہ یہ میری بستی کا بچہ ہے، اس کو داخلہ دے دیں، تو انہوں نے اعتماد کرتے ہوئے اس کو داخلہ دے دیا۔ اب اس بچے نے جس نے سکول کا منہ نہیں دیکھا تھا، جس کو گنتی نہیں آتی تھی، ''الف، بے'' نہیں آتا تھا، بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا؛ مگر اس کے دل میں ایک شوق تھا، ایک لگن تھی، اشتیاق تھا۔ اتنے اچھے طریقہ سے اُس نے قرآن پاک یاد کرنا شروع کیا، کہ اس بچے کو ہمیشہ سو میں سے ایک سو پانچ نمبر ملا کرتے تھے۔ میں نے استاذ سے پوچھا کہ جناب! سو میں سے ایک سو پانچ کیسے؟ وہ کہنے لگے: اس کے اچھا پڑھنے کے سو میں سے سو اور اس کو نہ تو سبق سناتے ہوئے غلطی لگتی ہے، نہ متشابہ لگتا ہے، نہ اٹکن لگتی ہے، یہ روانی کے ساتھ ایسے پڑھتا ہے جیسے پانی بہہ رہا ہو، اس بچے کو اضافی طور پر پانچ نمبر اور دیدیتے ہیں۔ اس بچے نے جتنا عرصہ پڑھا ہر امتحان میں سو میں سے

ایک سو پانچ نمبر لیے اور پھر اللہ نے زبان پر قرآن کو جاری کر دیا۔

کیا کویل کی آواز تھی جو اس کو ملی، اتنے سوز سے وہ قرآن پڑھتا تھا، بندے کا دل موہ لیتا تھا۔ آج بھی مجھے یاد ہے، عصر کی نماز کے بعد کمرہ میں بیٹھا مراقبہ کر رہا تھا، اس کی قرآن پاک پڑھنے کی آواز آئی، ایسی کشش تھی کہ مراقبہ کرنا مشکل ہو گیا، مراقبہ ختم کر کے میں اٹھا کہ میں جا کر بچے کا قرآن سنتا ہوں۔ جب باہر گیا تو عجیب حال دیکھا، پانچ چھ کلاسیں مسجد کے صحن میں لگی ہوئی تھیں، سارے بچے کھڑے ہو کر سن رہے ہیں، اور بچے نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں، اور سورۂ یوسف پڑھ رہا ہے، کیا اس نے سورۂ یوسف پڑھی! بڑے عجیب لمحات تھے زندگی کے کہ قرآن سینوں میں اترتا چلا جا رہا تھا، ایسی آواز سے وہ بچہ پڑھ رہا تھا۔

اس بچہ نے قرآن یاد کر لیا، تو اب اس کو علم پڑھنے کا شوق ہوا، اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ عالم بھی بن گیا۔ پھر جو بندہ قرآن سے محبت کرتا ہے، قرآن گرے پڑوں کو اٹھانے کے لیے آیا ہے، یہ پس ماندہ لوگوں کو اللہ کے قریب کرنے کے لیے آیا ہے، جو دنیا میں کمزور ہوتے ہیں، ان کو عزتیں دینے کے لیے آیا ہے؛ کیوں کہ اخلاص کے ساتھ اس نے قرآن پڑھا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ ایک مرتبہ کہیں قرآت کانفرنس ہوئی اور اس کانفرنس میں انعام رکھا گیا: کہ جو سب سے اچھا قرآن پڑھے گا، تو ہم اس کو عمرہ کا ٹکٹ انعام میں دیں گے۔ ملک کے طول وعرض سے قراء آئے، قرآن پڑھنے کے لیے، انہوں نے عرب کے ایک شیخ جو بڑے عالم تھے، ان کو بطور جج بلایا کہ آپ فیصلہ کریں گے کہ کون اول نمبر پر آیا؟ سب نے قرآن پڑھا، اس بچے نے بھی قرآن پڑھا؛ مگر اس کا قرآن تو ایسا تھا، کہ کوئی آنکھ نہیں تھی، جس میں آنسو نہ بہہ رہا ہو۔ ایک قرآن کی اپنی مقناطیسیت اور اس کے اوپر اس بچے کا اخلاص، نورٌ علٰی نورٌ ہو گیا، مجمع عجیب کیفیت میں آ گیا؛ چنانچہ جب رزلٹ نکلا، تو عرب نے اس وقت کہا کہ آج بچے کو دو انعام ملیں گے: ایک انعام جو مسجد کمیٹی والوں کو دینا

ہے ’’عمرہ کا ٹکٹ‘‘ وہ ملے گا اور دوسرا انعام اپنی طرف سے دوں گا۔ اب مجمع حیران تھا، اس نے کہا: کہ کیا یہ قاری صاحب انعام لینے کے لیے تیار ہوں گے؟ تو قاری صاحب کھڑے ہو گئے کہ جی ہاں۔ اس نے پوچھا کہ اپنی بیٹی سے اجازت لے کر آیا ہوں، میں اپنی بیٹی کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ مجمع میں قاری صاحب کا اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر دیا گیا۔ اللہ نے مہربانی کی یہ یہاں سے گیا، ’’اقامہ‘‘ بھی مل گیا۔ وہ بچہ جو کبھی دھوپ کے اندر بکریوں کے پیچھے بھاگتا تھا، آج حرم کے اندر طواف کرتا ہے، زبان پر اللہ کا قرآن ہوتا ہے!!۔

یوں علم غلاموں کو گلہ بانی سے نکال کر، حرم میں کھڑا کر دیتا ہے، اگر ہم اپنی زندگیوں کے اندر پریشان حال ہیں، پریشانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، تو حصول علم کی ایسی سچی تڑپ پیدا کر لیجیے، عبادات کے راستے سے علم کو حاصل کر لیجیے پھر دیکھنا اللہ۔ رب العزت۔ کیسے عزتوں کے تاج پہناتے ہیں۔

بھکاری کے روپ میں علم دین کا ایک پر جوش طالب علم

بیس اکیس سال کی عمر جوانی مستانی کی عمر ہوتی ہے، نوجوان طلبہ کے لیے وساوسِ نفسانی و شہوانی سے بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اس عمر کے اندر دین کی طلب کا ہونا عجیب نعمت ہے؛ چنانچہ ’’اندلس‘‘ کے علاقے کے بقیع الدین ابن مخلدؒ ایک نوجوان ہیں ۲۰۱ سنہ ھ میں پیدا ہوئے ۷۵ سال کی عمر پا کے ۲۷۶ سنہ ھ میں وفات ہوئی۔ ۲۱ سال ان کی عمر تھی۔ اس واقعہ کو امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء کے اندر نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کا نام سن رکھا تھا، دل میں بڑی خواہش ہوئی کہ میں ان کے پاس جاؤں اور حدیث کا علم پڑھوں۔ لیکن راستے میں سمندر پڑتا تھا، ایک جہاز تھا، بڑی کشتی تھی، اس کے کیپٹن سے بات کی، اور سفر پہ نکل پڑا۔ اللہ کی شان کئی مہینے سفر کرنا پڑا اور درمیان میں کشتی راستہ بھی بھول گئی، تو سفر اور زیادہ لمبا ہو گیا۔ پھر اس سفر کے اندر ایسا وقت بھی آ گیا، جب سمندر کے

اندر طوفان ہوتا ہے، High tied ہوتی ہے، اس وقت کشتی لنگر انداز ہوجاتی ہے، کیوں کہ اگر چلتی رہے گی تو الٹ جائے گی، بندے ڈوب جائیں گے، تو لنگر ڈال دیتے تھے۔ ایک ایک ہفتہ طوفان رہتا، کشتی ایک ہی جگہ پر پڑی رہتی اور صرف جھٹکے لگتے، اس سے بیماری ہوجاتی تھی، ابکائیاں آتی تھیں، پیٹ کی بیماریاں ہوجاتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ میں اتنا بیمار ہوگیا، کہ میری Dehydration (جسم میں پانی کی کمی) ہونے کے قریب ہوگئی۔ قسمت سے طوفان کم ہوا، ہم آگے چلے اور بالآخر زمین پر آئے۔ وہاں سے میں نے پیدل سفر کرنا شروع کیا اور میرا سفر بھی سیکڑوں میل کا سفر تھا، میرے کپڑے گندے، کھانے پینے کا سامان کچھ نہ بچا اور میں اپنے سامان کو کمر پر رکھے چل رہا تھا، نقاہت کی وجہ سے میں گرنے لگتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ وقت آیا کہ میں بغداد کے قریب پہنچا۔ جب سامنے بغداد کا شہر نظر آیا، تو اتنا تھکا ہوا تھا کہ میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا، نیند آگئی۔ جب آنکھ کھلی تو اس وقت میں نے بغداد شہر کی طرف چلنا شروع کیا، مجھے راستے میں ایک آدمی آتا ہوا ملا سلام دعا ہوئی، میں نے پوچھا سنائیں امام احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میں ایک طالب علم ہوں، ان سے پڑھنے کے لیے ہزاروں میل کا سفر کر کے آیا ہوں، دھکے کھائے ہیں۔ اس نے میرا چہرہ دیکھا، کہنے لگا اے طالب علم! افسوس ہے کہ تیری یہ حسرت پوری نہیں ہوسکتی۔ کہنے لگے میرے لیے یہ Shocking news (اچانک صدمہ والی خبر) تھی، میری حسرت پوری نہیں ہوسکتی؟!!! اس نے کہا ہاں، حاکم وقت کسی بات پہ امام احمد بن حنبل سے ناراض ہوگیا، اس نے جامع مسجد میں ان کا درس بھی موقوف کر دیا، اور گھر میں نظر بند کر دیا، نہ وہ لوگوں سے مل سکتے ہیں، نہ لوگ ان سے مل سکتے ہیں، تم علم حاصل نہیں کر سکتے۔ کہنے لگے کہ میرے لیے یہ خبر عجیب تھی؛ لیکن ہمت نہیں ہاری، شہر میں گیا، ایک سرائے کے اندر کمرہ کرایہ پر لے لیا، اور میں نے وہاں رات گذاری، تھکاوٹ کی وجہ سے نیند گہری آئی۔ دوسرے دن میرے ذہن میں خیال آیا

کہ کسی کا تو درس ہوتا ہوگا، میں نے سرائے والے سے پوچھا: کہ شہر میں کسی کا درس ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یحی بن معین کا - جو جرح اور تعدیل کے امام تھے، ان کا - مسجد میں عصر کے بعد درس ہوتا ہے۔ میں عصر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ یحی بن معینؒ نے تھوڑی دیر حدیث پاک کا درس دیا، پھر اس کے بعد سوال وجواب کا سلسہ تھا، لوگوں نے سوال پوچھنے شروع کردیے، ایک نے سوال پوچھا، دوسرے نے پوچھا تو اتنے میں میں بھی کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ مجھے ہشام بن عمارؒ کے بارے میں بتائیں؟ انہوں نے کہا: کہ وہ اتنے ثقہ ہیں کہ ان کی چادر کے نیچے عُجب بھی آجائے، تو ثقاہت میں فرق نہیں پڑتا۔ میں نے کہا کہ مجھے دوسرا سوال پوچھنا ہے، تو ساتھ والے لوگوں نے میرے کپڑے کھینچنے شروع کردیے، انہوں نے کہا کہ تو نووارد نظر آتا ہے، اس مجلس کا دستور ہے کہ ہر بندہ ایک سوال پوچھ سکتا ہے، ایک بندہ سارے سوال پوچھے تو باقی کیسے پوچھیں گے؟ تو ایک سوال پوچھ چکا لہذا بیٹھ جا۔ میں نے کہا میں مسافر ہوں اور غریب الدیار ہوں اور میرا حال تو دیکھ ہی رہے ہیں، اصل سوال تو مجھے اور پوچھنا تھا، یہ تو میں ایسے ہی پوچھ بیٹھا، پتہ ہوتا تو میں وہی سوال پوچھ لیتا۔ میں نے تھوڑی منت سماجت کی تو لوگوں کو مجھ پر ترس آیا، کہنے لگے: کہ پوچھو!، کہتے ہیں کہ میں نے یحی بن معینؒ سے سوال پوچھا کہ آپ امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ میرے سوال پہ سناٹا چھا گیا۔ مقامی لوگ حیران تھے کہ بادشاہ ان کا اتنا خلاف اور یہ اس مجمع میں اس نے سوال پوچھا۔ یحی بن معینؒ نے تھوڑی دیر سر جھکایا، پھر سر اٹھا کے کہنے لگے کہ امام احمد بن حنبلؒ تو امام المسلمین ہیں۔ یہ الفاظ کہے، کہنے لگے کہ میرے دل میں یہ بات رچ گئی، اب جو مرضی ہو، جو قربانی دینی پڑے، میں امام احمد بن حنبلؒ سے علم حاصل کرکے رہوں گا۔ کہنے لگے میں گھر آیا، راستے میں میں نے ایک بندے سے کہا کے مجھے امام احمد بن حنبل کا گھر دکھا سکتے ہو؟ اس نے کہا: بھائی! وہ پولیس والے دیکھیں گے تو مجھے بھی سزا دیں گے تجھے بھی۔ میں نے کہا کہ تم سامنے سے گذر

جانا اور آنکھ کے اشارے سے کہہ دینا کہ یہ ان کا دروازہ ہے؛ پھر تم آگے چلے جانا، میں جانوں میرا کام جانے۔ وہ اس بات پہ آمادہ ہوگیا، اس نے مجھے گھر دکھا دیا۔ کہتے ہیں کہ میں سرائے میں واپس آیا۔ اب میں ساری رات سوچ رہا ہوں کہ میں امام احمد بن حنبل سے کیسے علم حاصل کروں؟ کہتے ہیں کہ ساری رات سوچتے سوچتے میرے ذہن میں ایک خیال آیا، اگلے دن میں اٹھا تو میں نے ایک کشکول بنالیا اور میں نے اپنے گھٹنے کو ایک کپڑے سے باندھ لیا اور نکلا اور میں نے ہاتھ آگے کر کے فقیر کی طرح بھیک مانگنی شروع کردی- اس زمانے میں جو مانگنے والے سائل ہوتے تھے، وہ پیسہ نہیں مانگتے تھے، صرف اتنا کہتے تھے، **"اَجْرُ کُمْ عَلَی اللّٰہِ"** اور ان کی اس بات کو سن کے دینے والے ان کو دے دیا کرتے تھے- کہتے ہیں: جب میں نے یہ کہنا شروع کیا، تو کچھ لوگ مجھے غور سے دیکھتے، کہ نوجوان ہے کیوں نہیں محنت مزدوری کرلیتا؟ میں نے ان کی ترش نگاہیں بھی برداشت کرلیں اور میں ہر ایک کے سامنے اپنے آپ کو پامال کرتا۔ میں سارا دن بغداد کے مختلف راستوں پر بھیک مانگتا رہا اور مجھے اندازہ تھا کہ ظہر کے بعد کا جو وقت ہوتا ہے، تو قیلولہ کے لیے لوگ گھروں میں آجاتے ہیں، آمدورفت کم ہوتی ہے۔ وہ وقت نوٹ کر کے میں امام احمد بن حنبل کے دروازے پر پہنچا، بڑی زور سے آواز لگائی **"اَجْرُ کُم عَلَی اللّٰہِ، اَجْرُ کُم عَلَی اللّٰہِ"** اتنی درد والی آواز تھی میری، کہ امام احمد بن حنبلؒ نے دروازہ کھول دیا، ان کے ہاتھ میں ایک سکہ تھا جو وہ مجھے محتاج سمجھ کے دینا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دروازہ کھولا، تو میں نے کہا حضرت! میں مال کا سائل نہیں ہوں، میں محبوب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی سنتوں کو جمع کرنے والا بندہ ہوں، میں آپ سے حدیث کا علم حاصل کرنے آیا ہوں۔ امام صاحب نے کہا کہ پولیس تمہیں بھی سزا دے گی، مجھے بھی دے گی۔ میں نے کہا: حضرت! یہ سکہ اپنے پاس رکھ لیں، میں سارا دن سائل بن کے مانگتا پھروں گا، اور اس وقت میں آپ کے گھر کے سامنے آ کے صدائیں لگاؤں گا، آپ دروازہ کھولنا، کوئی نہ ہو؛ تو مجھے

دو چار حدیثیں سنا دیجیے گا، کوئی آجائے تو آپ یہ سکہ ڈال دیجیے گا، میں چلا جاؤں گا۔ امام صاحب تیار ہو گئے۔ میں ایک سال تک بغداد شہر میں بھیک مانگتا رہا اور پھر میں ظہر کے بعد امام صاحب کے دروازے پر جاتا تھا، دروازہ کھلتا تھا، میں چلا جاتا تھا۔ میں نے پورا سال امام احمد بن حنبلؒ سے اس طرح علم حاصل کیا تھا۔ اللہ کی شان کہ حاکمِ وقت کی وفات ہوئی، جو نیا حاکم بنا اس کو امام احمد بن حنبلؒ سے عقیدت تھی، اس نے ان کی نظر بندی بھی ختم کر دی اور اس نے ان کا جو مسجد کا درس تھا، وہ بھی شروع کروا دیا۔ فرماتے ہیں کہ جب امام احمد بن حنبلؒ کو درس دینا تھا تو بغداد کے لوگوں پر عید کا سماں تھا۔ عصر کا وقت ہوا مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، میں نے بڑی کوشش کی کہ میں جاؤں اور میں استاذ کے قریب جا کر بیٹھوں؛ لیکن بھیڑ کی وجہ سے قریب نہ پہنچ سکا، ذرا دور کھڑا تھا۔ امام صاحب آئے، ان کی نظر مجھ پر پڑی، امام صاحب کہنے لگے لوگو! اس طالب علم کو آگے آنے دو، تم میں سے علم کا حقیقی طلب گار یہ شخص ہے۔ اللہ اکبر کبیرا!!!

عزیز طلباء!! ذرا تقابل تو کیجیے نا! علم حاصل کرنے کے لیے بھکاری بن جایا کرتے تھے!! مشقتیں اٹھانی پڑیں، بھوک برداشت کرنی پڑی، سفر کرنا پڑا، غلام بن کر رہنا پڑا؛ مگر ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے۔ وہ ذہن کے پکے تھے، من کے سچے تھے، بالآخر اللہ نے ان کو منزل پر پہنچا دیا۔

ان کا ایک شوق ہوتا تھا کہ میں اللہ کو راضی کر لوں، میں نبی کریم ﷺ کی سنت کا نمونہ بن جاؤں، میرے دن رات اللہ کو راضی کرنے والے ہو جائیں، ایسے بندوں کے سینوں میں ایک آگ لگی ہوتی ہے، جو ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی؛ درحقیقت پر جوش طالب علم یہی ہوتے ہیں۔

آج ہمارے پاس حالات سازگار ہوتے ہیں، دو وقت کا کھانا آرام سے ملتا ہے، پنکھے کمروں میں لگے ہوتے ہیں، استاذ پڑھانے کے لیے موجود ہوتے ہیں؛ پھر بھی ان کو

فجر کے لیے جگانا پڑتا ہے، اور ان کو اپنے درس کے اندر بھیجنا پڑتا ہے، اور طلبہ درس کے اندر بیٹھے ہوتے ہیں، ان کی توجہ کہیں اور پہنچی ہوتی ہے۔

وہ ہمیں دینا چاہتے ہیں، ہمارے اپنے شوق نہیں جاگتے، سچی طلب نہیں ہوتی۔ ایک وہ بھی طالب علم تھے کہ استاذ گھر کے اندر مقید ہے اور شاگرد سوچ رہا ہے کہ میں کیسے استاذ سے پڑھوں؟۔

بس آج اس فاصلے کو ختم کرنے کا عہد کرلیجیے کہ ہمیں عام طالب علم نہیں؛ پرجوش طالب علم بننا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کا وہ شوق دیدے کہ ہماری راتیں بھی اسی شوق میں بسر ہورہی ہوں، دن بھی اسی دھن میں لگے ہوئے ہوں، اور زندگی کے آخری سانس تک اللہ تعالیٰ ہمیں علم دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے (آمین)

قابلیت کے ساتھ قبولیت بھی ضروری ہے

دو الفاظ ملتے جلتے ہیں: ایک قابلیت اور دوسرا قبولیت، ان کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ''قابلیت'' کا مطلب ہوتا ہے کہ انسان کے اندر استعدا ہو، صفات ہوں، کمالات ہوں۔ اور ''قبولیت'' یہ ہوتی ہے کہ یہ بندہ اللہ۔رب العزت۔ کو پسند بھی آجائے۔ اس سے پتہ چلا کہ قابلیت اور چیز ہے اور قبولیت اور چیز ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قابلیت ہونے کے باوجود اس بندے کو قبولیت نہیں ملتی۔

عزازیل (شیطان) نے اللہ۔رب العزت۔ کی اتنی عبادت کی کہ گویا اُس نے زمین کے چپّے چپّے پہ سجدے کیے؛ حتی کہ اُس کو ''طاؤس الملائکۃ'' کا لقب مِلا۔ اتنا عبادت گزار ہونا قابلیت کی بات ہے، یہ کمالات کی باتیں ہیں: وہ عالم بھی تھا، عابد بھی تھا، عارف بھی تھا؛ مگر اس کے اندر ایک صفت کی کمی رہ گئی کہ وہ عاشق نہیں تھا۔ اگر عاشق ہوتا، تو کبھی حکمِ محبوب سن کر انکار نہ کرتا، جیسے حکم ہوا تھا یہ فوراً سجدے میں گر جاتا؛ لہذا ان تمام کمالات کے باوجود اُسے پھٹکار دیا گیا، اللہ ۔رب العزت۔ نے ارشاد فرمایا: **وَإِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ إِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ** ''قیامت تک کے لیے تجھ پر میری لعنتیں برستی رہیں گی۔ گویا اُس کے اندر قابلیت تو تھی؛ مگر قبولیت نہ پاسکا۔

حضرت تھانویؒ نے ایک عجیب نکتہ لکھا: وہ فرماتے ہیں: کہ چار ''ع'' ہوتے ہیں:

---

(۱) پ: ۱۴، سورۃ الحجر، آیت: ۳۵

علم: ''ع'' کے حرف سے شروع ہوا۔
عمل: ''ع'' کے حرف سے شروع ہوا۔
عارف: ''ع'' کے حرف سے شروع ہوا۔
عاشق: ''ع'' کے حرف سے شرع ہوا۔

یہ چار الفاظ ہیں، اور چاروں ''ع'' سے شروع ہوتے ہیں، اس مردود کے پاس تین ''عین'' تو تھے، اور آخری چوتھے سے محروم تھا، اور یہ چوتھا عشق والا ''ع''، اتنا اہم تھا کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے اللہ نے اس کو راندۂ درگاہ بنا دیا۔

علم میں قابلیت کے باوجود، قبولیت سے محرومی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی -رحمۃ اللہ علیہ- کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک کا نام تھا: ابوالفضل اور دوسرے کا نام تھا: فیضی وہ دونوں اپنے وقت کے بڑے بھاری عالم تھے۔ اُن کے علم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے عربی زبان میں قرآن مجید کی ایک بے نقطہ تفسیر لکھی، انہوں نے اس تفسیر کا نام ''سواطع الالہام'' رکھا، اس نام میں بھی نقطہ نہیں۔ مجھے ایک لائبریری میں وہ تفسیر دیکھنے کا موقع ملا، میں حیران تھا کہ انہوں نے ایسے الفاظ کہاں سے ڈھونڈے ہوں گے؟!! پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ہی کتنا بڑا کام ہے؟ اور پھر ایسے الفاظ سے لکھنا، جن میں کوئی نقطہ ہی نہ ہو، بہت مشکل کام ہے۔ ظاہری طور پر دیکھیے! کہ کتنی قابلیت ہے، بلا کے ذہین تھے، دونوں کے پاس ''فوٹو گریفک میموری'' تھی۔

ابوالفضل بڑا تھا، اُس کے سامنے اگر کوئی چیز دو مرتبہ پڑھ دی جاتی تھی، تو اُسے زبانی یاد ہو جاتی تھی۔ اور فیضی چھوٹا تھا، اُس کے سامنے اگر کوئی چیز ایک مرتبہ پڑھ دی جاتی تھی، تو اُسے زبانی یاد ہو جاتی تھی؛ چنانچہ انہوں نے اس وقت کے شعراء کی ناک میں دم کر رکھا تھا، جب کوئی شاعر بادشاہ کی منقبت لکھ کر لاتا، تو بادشاہ اُسے دربار میں کہتا کہ اپنا کلام پیش کرو، وہ کھڑا ہو کر پڑھتا، تو فیضی کو وہ منقبت یاد ہو جاتی، اور وہ اُٹھ کر کہتا: بادشاہ سلامت! یہ تو

میرا کلام ہے۔ بادشاہ کہتا کہ اگر یہ تیرا کلام ہے، تو پھر سناؤ۔ وہ کھڑے ہوکر پوری منقبت سنا دیتا۔ اب جب یہ سناتا، تو دو دفعہ ہو جاتا، اس کے بعد بڑا بھائی کھڑے ہوکر کہتا: بادشاہ سلامت! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے، اور پھر وہ بھی سنا دیتا تھا۔ اندازہ کریں کہ وہ اتنے ذہین تھے، اور اُن کے پاس اتنا علم تھا؛ مگر اللہ -رب العزت- کے ہاں اُن کی قبولیت نہ ہوئی، اور فقط درباری بن کر رہ گئے۔ یہی دو بھائی تھے، جنہوں نے وقت کے بادشاہ کو فتوی دیا تھا کہ۔ اُس کے لیے تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی -رحمۃ اللہ علیہ- کی مخالفت انہی دونوں نے کی، اور اُن کو جیل میں بھی انہی دونوں بھائیوں نے پہنچایا۔ یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دونوں وقت کے مجدد کے دشمن بن گئے تھے!!۔

قبولیت کی مثالیں

✻ صحاح ستہ احادیث کی ایسی کتابیں ہیں، جن کے بارے میں امت کے محدثین کا اجماع ہے کہ ان کے اندر جو احادیث لکھی گئیں، اُن کا ایک بڑا مقام ہے؛ لیکن ان تمام چھ کتابوں میں سے ایک کتاب جو امام بخاریؒ نے جمع کی اُس کو اللہ -رب العزت- کی طرف سے ایسی قبولیت نصیب ہوگئی، کہ آج قرآن مجید کے بعد احادیث کی کتب میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ''بخاری شریف'' کو کہا جاتا ہے۔

حالانکہ اس دنیا میں لاکھوں محدثین گزرے ہوں گے؛ مگر اللہ تعالی نے بخارا میں پیدا ہونے والے ایک نوجوان کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ جب اُس نے وفات پائی، تو اُس کی قبر کی مٹی سے بھی لوگوں کو خوشبو آتی تھی!!۔

✻ اس وقت پوری دنیا میں ہزاروں درس گاہیں اور دار العلوم ہوں گے۔ ایک مدرسہ ہمارے ایشیاء میں بھی بنا، جس کو ہم ''دار العلوم دیوبند'' کہتے ہیں، اللہ -رب العزت- نے اس کو ایسی قبولیت عطا فرما دی کہ اس دار العلوم سے ایسا فیض پھیلا، کہ پوری دنیا کے ایک

ایک چپّے پر اس کا علمی فیض پھیلا ہوا ہے۔

اس عاجز کو اللہ -رب العزت- نے اس دین کی دعوت کے سلسلے میں درجنوں ممالک میں جانے کی توفیق عطا فرمائی، افریقہ بھی دیکھا، امریکہ بھی دیکھا، ایشیا بھی دیکھا، یوروپ بھی دیکھا، وہ جنگلات بھی دیکھے جہاں آدم خور درخت ہوتے ہیں، ان درختوں کے ایسے پتے ہیں، جو بندے کو اپنی لپیٹ میں لے کر ایسا جکڑ لیتے ہیں کہ بندے کا دم گھُٹتا ہے، اور وہ مر جاتا ہے، ایسے ایسے درخت بھی دیکھے، جن کے تنے کے سوراخ سے ڈبل ڈیکر بسیں گزر جاتی ہیں، اندازہ لگائیں کہ وہ کتنا بڑا تنا ہوگا، اس تنے کے اندر باقاعدہ سڑک بنی ہوئی ہے، اور اس میں سے بسیں گزرتی ہیں، سائبریا کا علاقہ بھی دیکھا، وہاں آپ سینکڑوں میل تک بھی چلے جائیں، تو آپ کو برف کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا، ایسی جگہ بھی دیکھی، جہاں برف کے مکانات ہوتے ہیں، چھت بھی برف کی، ستون بھی برف کے، دیواریں بھی برف کی، دروازیں بھی برف کے، اور مزے کی بات یہ کہ وہاں پر ایک ہوٹل بنا ہوا ہے، اور وہاں جس ٹرے میں کھانا لاتے ہیں، وہ بھی برف کی بنی ہوئی ہوتی ہے، ایسا علاقہ بھی دیکھا، جس میں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے، وہ جگہ بھی دیکھی جہاں لوگوں نے لکھ کر لگایا ہوا ہے کہ "End Of The World"؛ یعنی ’’یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے سائنسداں اس بات پر متفق ہیں‘‘، عین اس جگہ پر بھی اللہ -رب العزت- نے اس سفر میں پہنچنے کی توفیق دی؛ یہ تمام باتیں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ یہ عاجز جہاں بھی اپنی زندگی میں دین کی نسبت سے گیا، اس عاجز نے اپنے سے پہلے، علماء دیوبند کے کسی نہ کسی روحانی فرزند کو دین کا کام کرتے دیکھا!! یہ ہوتی ہے قبولیت ؎

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے
عابد کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا، اخلاص کا ایسا تاج محل

کہسار یہاں دب جاتے ہیں،طوفان یہاں رُک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جُھک جاتے ہیں

سبحان اللہ! یہ اللہ-رب العزت- کے یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی-رحمۃ اللہ علیہ- کے اس ادارے کی کُھلی قبولیت کی نشانیاں ہیں۔

قابلیت پر نہیں؛ قبولیت پر نظر رکھیں

اگر لوگ ہمیں مفتی صاحب کہیں، خطیب صاحب کہیں، پیر صاحب کہیں، یا صوفی صاحب کہیں؛ تو کیا حاصل؟ دیکھنا تو یہ ہے کہ اللہ-رب العزت- کے ہاں قبولیت ہوتی ہے، یا نہیں ہوتی؟ کتنے ہی لوگ ہوں گے جو دنیا کے اندر مدرسے بنائیں گے، اور قیامت کے دن اللہ-رب العزت- سے عرض کریں گے: کہ اے اللہ! میں نے دین کی بڑی خدمت کی۔ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ ہاں تو نے سب کچھ اس لیے کیا کہ تجھے بڑا عالم کہا جائے، **فَقَدْ قِيلَ** ''تجھے کہا جاچکا'' اب ہمارے پاس تمہارے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

قبولیت کے لیے فکر مند ہوکر دعائیں مانگنی پڑتی ہیں؛ کیوں کے بعض اوقات بندے کے اندر کمالات تو ہوتے ہیں؛ مگر قبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر ایک آدمی کے پاس سب کچھ موجود ہو؛ لیکن اللہ-رب العزت- کی رحمت کی نظر ہی اس کی طرف نہ اٹھے، تو پھر کیا بنے گا؟! اس لیے دنیا کا کوئی بندہ بھی اپنی خوبیوں پر ناز نہیں کرسکتا؛ کیوں کے اللہ تعالی کی بارگاہ میں ناز نہیں چلتا؛ بلکہ اُس کی بارگاہ میں نیاز چلتی ہے۔ انسان اللہ تعالی کے سامنے عاجزی کرے، جُھک جائے، اور اللہ تعالی سے مانگے، پھر اللہ تعالی کے ہاں قبولیت مِلا کرتی ہے؛ اس لیے ہمارے اکابر بہت زیادہ فکر مند رہتے تھے۔ آج ہم استغفار کرتے ہیں، ہمارا استغفار گناہوں پر ہوتا ہے، کہ اے اللہ! ہم نے جو خطائیں کیں، آپ اُن پر ہمیں سزا نہ دیجیے؛ لیکن اللہ والوں کا استغفار یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ! ہم نے جو اچھے اعمال کیے، وہ اعمال ابھی بھی آپ کی شان کے مطابق نہیں ہیں۔

اس لیے ہمارے بڑوں نے چالیس چالیس سال تک ،عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھیں اور پھر حرم شریف میں حاضری کے وقت مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دُعا مانگی کہ اے اللہ! **مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ ،وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ**(۱)

جب ہمارے بڑے یہ کہہ رہے ہیں،تو ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟ کہ ہم اپنی عبادات پر فریفتہ ہوتے پھریں۔اللہ-رب العزت- کے حضور نیکی کا ہر کام کرنے بعد یہ دُعا ضرور مانگنی چاہیے **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ**۔(۲)

آج کی اس محفل میں اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کرنی ہے، کہ ہم اپنی قابلیت کو مت دیکھا کریں؛ بلکہ اپنے آپ کو اللہ کے ہاں قبول کروانے کے لیے ہر وقت فکرمند رہا کریں؛ اس لیے کہ جب کبھی اس پروردگار کی نگاہ ناز پڑ جاتی ہے،تو پھر بڑے بڑے بھی کانپ جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد گزرا،وہ چار سو سال تک عبادت کرنے والا اور قبولیتِ دعا کے مرتبے تک پہنچنے والا بندہ بن گیا؛ مگر وہ ایک خطا کر بیٹھا،جس کی وجہ سے اللہ-رب العزت- کو جلال آ گیا،اور رب کریم نے اس کی چار سو سال کی عبادتوں کو ٹھکرا کے رکھ دیا، اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں: **فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ** ''اس کی مثال کُتے کی مانند ہے۔''(۳)

اللہ! جو بندہ آپ کے سامنے چار سو سال تک سجدے کرتا رہا،اُس کے بارے میں آپ نے قرآن مجید میں فرما دیا: کہ اُس کی مثال کُتے کی سی ہے،تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر،مولی ہیں،اے اللہ! ہم اپنے کھوٹے سکّوں پر فریفتہ ہوئے پھر رہے ہیں۔

---

(۱) من کلام ابی حنیفہؒ الدر المختار ۱/ ۱۴۴

(۲) پ:۱ سورۃ البقرۃ آیت:۱۲۷ (۳) پ:۹،سورۃ الاعراف،آیت:۱۷۶

عبداللہ اندلسی کا سبق آموز واقعہ

❊ حضرت شیخ الحدیث نے اپنی کتاب میں حضرت عبد اللہ اندلسیؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ آپ حضرت شبلیؒ کے شیخ تھے، حافظ قرآن اور حافظ حدیث بھی تھے، ان کو ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، اور لاکھوں انسانوں کے روحانی پیشوا تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اندر تھوڑی سی عُجب کی کیفیت آ گئی، ہوا یہ کہ انہوں نے ایک مرتبہ عیسائیوں کی بستی کے قریب سے گزرتے ہوئے ''صلیب'' کا نشان دیکھا، تو دل میں خیال آیا کہ ''یہ کتنے کم عقل ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں۔'' اتنی سی بات پہ اللہ نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا، گویا یہ فرما دیا کہ اگر تم ہدایت پر ہو تو کیا یہ تمہارا کمال ہے، یا ہمارا کمال ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی آزمائش میں ڈالا، کہ وہ سوّر چرانے لگ گئے۔ شاگردوں سے کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ کیوں کہ میرے اندر سے سب کچھ چلا گیا ہے، بس اب تم مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ ایک دن تک ان کے شاگرد روتے رہے، بالآخر وہ واپس چلے گئے۔

ایک سال کے بعد حضرت شبلیؒ اپنے شیخ کا حال معلوم کرنے کے لیے واپس آئے، لوگوں سے پوچھا کہ ہمارے شیخ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا، کہیں جنگل میں عیسائیوں کے سوّر چراتے پھر رہے ہوں گے؛ چنانچہ وہ وہاں سے جنگل میں گئے اور دیکھا کہ وہی جبہ، وہی عمامہ، اور وہی عصا جس کو لے کر کبھی وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے، اور ''قال اللہ اور قال الرسول'' پڑھا کرتے تھے؛ آج اسی حلیے میں سوّر چراتے پھر رہے ہیں، اور سوّروں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ شبلیؒ قریب ہو کر کہتے ہیں، حضرت! آپ قرآن مجید کے حافظ تھے، کیا ابھی تک حفظ یاد ہے، یا بھول گئے؟ کہنے لگے میں سب بھول گیا، انہوں نے کہا، حضرت! کوئی ایک آیت بھی یاد نہیں؟ حضرت نے ذہن پر زور دیا تو کہنے لگے، ہاں ایک آیت یاد ہے، وہ آیت یہ ہے:

مَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ

جسے اللہ ذلیل کرے پھر اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ (۱)

آپ کو کوئی حدیث یاد ہے؟ فرمایا میں سب بھول گیا۔ عرض کیا: کوئی ایک حدیث بھی یاد نہیں؟ کہنے لگے ہاں ایک حدیث یاد ہے:

مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ

جو دین کو بدل دے اسے قتل کردو (۲)

اس پر حضرت شبلیؒ کو بڑا دکھ ہوا، اور رونے لگ گئے، جب وہ رونے لگے تو ان کے شیخ پر اللہ تعالی کی رحمت کی نظر ہوئی، اور انہوں نے بھی رونا شروع کردیا، انہوں نے روتے ہوئے یہ الفاظ کہے، ''اے اللہ! میں آپ سے یہ امید تو نہیں کرسکتا تھا کہ مجھے اس حال میں پہنچا دیا جائے گا۔'' جب انہوں نے عاجزی کے یہ کلمات کہے، تو اللہ تعالی کو رحم آ گیا اور اللہ -رب العزت- نے ان کو وہ سب نعمتیں واپس لوٹا کر پھر وقت کا عظیم شیخ بنا دیا۔

دل کو تڑپا دینے والی آیات

قرآن کی بعض آیتیں ہیں جو دل کو تڑپا کے رکھ دیتی ہیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (۳)

ذرا غور کیجیے! کہ کتنے طلبہ ہیں جو تہجد بھی پڑھتے تھے، اشراق، چاشت اور اوابین بھی پڑھتے تھے؛ لیکن اُن کی زندگی کی وہ ترتیب بدل گئی، وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی اس آیت کا مصداق بن گئے ہوں۔

میرے دوستو! یہ مت سوچیے کہ میں یہ کررہا ہوں اور میں وہ کررہا ہوں، اصل چیز قبولیت ہے، لہذا اللہ تعالی سے عاجزی کے ساتھ قبولیت کا سوال کیجیے!

---

(۱) پ:۱۷، سورۃ الحج، آیت: ۱۸ (۲) صحیح بخاری، باب لایعذب بعذاب اللہ ۱/ ۶۴۵ رقم ۲۹۲۴ (۳) پ:۹ سورۃ الاعراف، آیت: ۱۸۲

میرے دوستو! یاد رکھیں کہ زندگی کے آخری لمحے تک کوئی بندہ بھی اللہ تعالی کی تدبیر سے امن میں نہیں ہوسکتا؛لہذا ہم اللہ تعالی کے دربار میں ہمیشہ ڈرتے رہیں،اور کانپتے رہیں،اور جو ٹوٹے پھوٹے عمل کرتے پھرتے ہیں،ان کے بارے میں اللہ تعالی سے دعائیں مانگیں: کہ اللہ !ان کو قبول فرمالیجیے۔قبولیت کا اصل اعلان تو قیامت کے دن اللہ-رب العزت-کے حضور پہنچ کر ہوگا،دنیا میں پتہ نہیں چل سکتا کہ کون کس حال میں ہے؟ ؎

کون مقبول ہے کون مردود ہے، بے خبر کیا خبر تجھ کو کیا کون ہے؟
جب تُلیں گے عمل سب کے میزان پر، تب کھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے؟

اللہ! ہمیں اپنا بنالیجیے

ہر کوئی کہتا ہے میں اللہ کا ہوں، میں اللہ کا ہوں، میں اللہ کا ہوں،عمر گزر گئی یہ کہتے کہتے کہ ہم اللہ کے ہیں،اے اللہ!ایک مرتبہ تو آپ بھی کہہ دیجیے کہ تم میرے ہو،صرف ایک مرتبہ.....اللہ!ایک مرتبہ......رب کریم!ایک مرتبہ فرمادیجیے کہ میرے ہو۔

اے اللہ! یہ آپ کے ان بندوں کا مجمع ہے، جو مدارس میں مساجد میں زندگی گزارنے والے ہیں،میرے مولی!چٹائیوں پر بیٹھ بیٹھ کر ان کے گھٹنوں ٹخنوں پہ نشان پڑ گئے،اگر آپ کی طرف سے بخشش کا معاملہ نہ ہوا،تو پھر ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا؟ان کے بھی گھٹنوں،ٹخنوں پہ نشان پڑتے ہیں، ہمارے بھی پڑ گئے۔اے اللہ!اگر کوئی کسی مَندِر سے نکل کر جہنم میں جائے،اس پر تو کوئی حسرت نہیں،حسرت تو اس پر ہے،جس نے مدرسے میں زندگی گزاری،مسجد میں زندگی گزاری اور پھر آپ کے ہاں قبولیت نہ ہوئی،اور آپ نے مسجد سے نکال کر اس کو جہنم میں ڈال دیا۔میرے مولی! ہم آپ کے گھر میں جمع ہیں،ہم آپ کو منا کر اٹھنا چاہتے ہیں،آپ کے گھر سے خالی نہیں جانا چاہتے،میرے کریم آقا!اگر اختیار میں ہوتا،ساری زندگی سجدے میں سر ڈال کر پڑے رہتے،اس وقت اٹھاتے جب یقین ہوجاتا، آپ راضی ہوگئے،ہم کمزور ہیں،اللہ!ہماری اسی محنت کو قبول کرلیجیے،اور
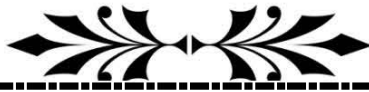
ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے، اور اللہ پچھلے سب گناہوں کو معاف کر کے آئندہ نیکوکاری، پرہیز گاری کی زندگی عطا فرمادیجیے۔

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی.....؟!!!

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا: کہ فتنے اور ظلمت کے دور میں ایمان کی حفاظت کے لیے کون سا نسخہ اکسیر ہے؟ حضرت نے فرمایا: اولیاء اللہ کے احوال واقوال کا پڑھنا، یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، ہر دور اور ہر زمانے میں پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے سوال کیا گیا کہ جس وقت دنیا میں اولیائے کرام کا وجود نہیں ہوگا، اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے، جس کے ذریعہ سے ہم لغویات اور فضولیات سے دور رہ سکیں؟ آپ نے جواب دیا: کہ اولیاء کرام کے حالات کا ایک جزء روزانہ پڑھ لیا کرنا؛ چنانچہ آج قحط الرجال کا دور ہے؛ اس لیے آج کی اس مختصر محفل میں یہ عاجز اپنے ہی اکابر میں سے دو تین کے واقعات سنائے گا؛ تاکہ ہم بھی ان کے اخلاق وعادات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور ہمیں بھی ان کے جیسا جذبۂ ایمان حاصل ہو سکے۔

حضرت نانوتویؒ سے محبت

مجھے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے اتنی زیادہ محبت وعقیدت ہے کہ بہت زیادہ، حالانکہ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے اکابرین سے بھی عقیدت ہے؛ مگر حضرت نانوتویؒ کی طرف دل زیادہ کھنچتا ہے، ان کے ساتھ قدرتی محبت قلبی ہے۔ جیسے صحابہ کرامؓ میں

سے صدیق اکبرؓ کے ساتھ، ائمہ اربعہ میں سے امام اعظمؒ کے ساتھ، اور مشائخ عظام میں سے حضرت نقشبند بخاریؒ کے ساتھ؛ محبت زیادہ ہے؛ اسی طرح حضرت نانوتویؒ کے ساتھ بھی محبت بہت زیادہ ہے، حتی کہ ان کا نام آجائے، تو پتہ نہیں مجھے کیا ہوجاتا ہے؟ میں اس وقت مسجد میں بیٹھا ہوں، باوضو بیٹھا ہوں، منبر پر بیٹھا ہوں؛ اگر قسم کھا کر کہوں: کہ ''مجھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ اپنے باپ سے بھی زیادہ محبت ہے، تو میں حانث نہیں بنوں گا۔'' دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو حضرت قاسم نانوتویؒ نے اعلان فرمایا: کہ ''آج دارالعلوم کا سنگِ بنیاد میں ایسی شخصیت سے رکھواؤں گا، کہ جس نے پوری زندگی کبیرہ گناہ تو کیا کرنا، کبھی گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا؛ چنانچہ حضرت شاہ حسین احمدؒ جو میاں اصغر حسینؒ کے ماموں تھے، ان کو بلایا اور کہا کہ حضرت! آیئے اور دارالعلوم کا سنگِ بنیاد رکھیے۔

بانیٔ دارالعلوم کی نابغۂ روزگار شخصیت

شاہ حسین احمدؒ پر اللہ تعالی نے فنائیت کا ایسا پرتَو ڈال دیا تھا، کہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے ایک داماد کا نام ''اللہ بندہ'' تھا، دوسال تک وہ ان کے پاس رہا۔ جب سامنے سے گزرتا، تو حضرت شاہ حسین احمدؒ پوچھتے ارے میاں! تم کون ہو؟ کہتا، حضرت! میں آپ کا داماد ''اللہ بندہ'' ہوں۔ فرماتے: ارے میاں! سبھی تو اللہ کے بندے ہیں۔ دوسال تک داماد کا نام یاد نہ ہوا، ذکر کی فنائیت ایسی تھی کہ دل میں ایک اللہ تعالی کا نام بس چکا تھا۔ ایسی نابغۂ روزگار شخصیت نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔

حضرت مہتمم صاحب کا ایک بناوٹی طالب علم کو پہچاننا

حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ دارالعلوم کے دوسرے مہتمم بنے۔ ایک دفعہ دارالعلوم میں تشریف لائے، تو ایک طالب علم نے آکر کہا حضرت! آپ کے مطبخ میں یہ سالن پکتا ہے، ذرا دیکھیں تو سہی، اس سے تو وضو بھی جائز ہوجاتا ہے؟ - اگر مہتمم صاحب کے سامنے

ایک طالب علم ایسی بات کرے تو یہ معمولی بات تو نہیں تھی۔حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ نے اس لڑکے کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور فرمایا: لگتا ہے یہ ہمارے مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، یہ بیرونی لڑکا ہے، جو ہمارے یہاں آیا ہوا ہے۔استاذ کہنے لگے، حضرت! دیکھ لیتے ہیں، اس کا نام رجسٹر میں دیکھا، لکھا ہوا ہے۔جب باورچی سے پوچھا تو اس نے کہا: روزانہ کھانے کے وقت آکر کھانا بھی کھاتا ہے؛ لیکن جب تحقیق کی گئی، تو پتہ چلا کہ وہ بازار میں کام کرتا تھا اور کھانے کے وقت مدرسہ میں آکر کھانا کھالیتا تھا۔

استاذ بڑے حیران ہوئے، کہنے لگے، مہتمم صاحب! ہم لوگ بچوں کو پڑھاتے ہیں، اس لڑکے کو نہ پہچان سکے، آپ تو بچوں کو دیکھتے ہی نہیں، آپ نے کیسے پہچان لیا؟ مولانا رفیع الدینؒ نے فرمایا: جب میں اس مدرسہ کا مہتمم بنا، تو میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ یہاں ایک کنواں ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں میں سے پانی کے ڈول نکال رہے ہیں، دارالعلوم کے طلبہ آتے ہیں، اور آپ ان کو پانی ڈال کر دے رہے ہیں۔میں نے خواب میں اس لڑکے کو نہیں دیکھا تھا؛ اس لیے میں سمجھ گیا، کہ یہ ہمارے مدرسہ کا طالب علم نہیں ہے۔

ایک طالب علم کی شرم وحیا اور قناعت

حضرت رائے پوریؒ میں شرم وحیا ایسی تھی کہ اپنی بہن کو کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ میں اپنی بہن کو شکل سے نہیں پہچانتا تھا، جب وہ بولتی تھی تو آواز سے پہچان لیتا تھا، اگر کہیں اجنبی عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوتی، تو مجھے پتہ نہیں چلتا تھا، کہ ان میں سے میری بہن کون ہے؟ اس لیے کہ میں اپنی بہن کے چہرہ پر نظر اٹھانا حیا کے خلاف سمجھا کرتا تھا۔ایسے باحیا لوگ تھے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ جارہا تھا، ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ایک کمبل باہر پھینک رہا ہے، میں نے پوچھا، جی! آپ یہ کمبل کیوں پھینک رہے ہیں؟ کہنے لگا: پرانا

ہوگیا ہے؛اس لیے پھینک رہا ہوں۔میں نے کہا: کیا یہ میں لے سکتا ہوں؟ کہنے لگا: ہاں تم لے لو۔ میں نے وہ کمبل لے کر دھولیا۔جب سردیاں آتیں،تو میں اوڑھ لیتا،گرمیاں ہوتیں،تو نیچے بچھا لیتا اور جب نماز کا وقت ہوتا تو مصلّٰی بنا لیتا تھا، میں نے اس کمبل میں زندگی کے پندرہ سال گزار دیے۔اللہ اکبر!

حضرت تھانویؒ کے استاذ محترم کی باکمال شخصیت

حضرت شیخ الہندؒ جن کو''اسیر مالٹا'' کہتے ہیں،ان کی عبادت،ان کی تواضع ،ان کی تدریس،اوران کی اقامتِ دین کی کوششیں؛ہر چیز عجیب ہے۔

علوم ومعارف

شیخ الہند حضرت مولانا''محمود الحسن''،حضرت مولانا تھانویؒ کے استاذ تھے۔حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت سے دورۂ حدیث کیا کرتا تھا،طلبہ رات کوتکرار کیا کرتے تھے،تو میں ان کوتکرار کروایا کرتا تھا۔ایک مرتبہ ایسا مقام آیا کہ ہم سب اٹک گئے۔طلبہ نے مجھے کہا کہ حضرت سے آپ ہی پوچھنا۔سردیوں کا موسم تھا، میں صبح سویرے اٹھا،جلالین شریف سینے سے لگائی،اور مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ فجر پڑھتے ہی صومعہ (عبادت کا ایک کمرہ) میں چلے جاتے تھےاور اشراق تک ذکر کرتے تھے۔نماز پڑھتے ہی حضرت اندر تشریف لے گئے،اور کنڈی لگالی، میں نے جلالین شریف کو سینے سے لگائے رکھا،اور سردی میں کھڑا ٹھٹھرتا رہا،حضرت ذکر اندر کررہے تھے،اور مزہ مجھے آرہا تھا۔جب اشراق کے بعد حضرت نے کنڈی کھولی اور باہر تشریف لائے،تو میں نے دیکھا کہ پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی اور گردن پر تھے، آپ کی صدری پر بھی پسینے کے نشانات تھے،گویا''لا الہ الا اللہ'' کی ایسی ضربیں لگائی تھیں،کہ پسینے سے شرابور ہورہے تھے۔مجھے راستہ میں کھڑا دیکھ کر حضرت نے پوچھا، اشرف علی! کیوں کھڑے ہو؟ میں نے کہا حضرت! کتاب کی ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔

وہیں حضرت نے کھڑے کھڑے اس کے متعلق تقریر شروع کردی، عجیب صورتحال تھی کہ نہ مجھے الفاظ سمجھ میں آئے اور رنہ ہی معانی؛ یعنی الفاظ بھی غیر مانوس اور معانی بھی۔تقریر فرما کر حضرت نے کہا کہ سمجھ گئے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو سمجھ میں نہیں آیا، حضرت کچھ نزول فرمائیں؛ تاکہ مجھے سمجھ میں آسکے۔حضرت نے پھر دوبارہ تقریر شروع کردی، اس مرتبہ الفاظ تو مانوس تھے؛ مگر معانی کا پھر بھی پتہ نہ چلا۔حضرت نے کہا: اشرف علی! سمجھ گئے؟ میں نے کہا: حضرت! سمجھا تو نہیں۔فرمایا تمہیں اس وقت سمجھ میں نہیں آئے گا، جاؤ پھر کسی وقت پوچھنا۔حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی وجہ سے علوم ومعارف کی ان پر اتنی بارشیں ہوتی تھیں، کہ اس وقت ان کی تقاریر کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

تواضع

ایک آدمی ملنے کے لیے آیا، کہ جی مجھے شیخ الہند-رحمۃ اللہ علیہ-سے ملنا ہے۔کہا: اندر آجائیں تو ملاقات ہوجاتی ہے۔خود اُن کو ریسیو کیا، مہمان خانے میں بٹھایا، کھانا لیکر آئے پانی دیا۔اس نے کہا: کہ جی! شیخ الہند صاحب سے ملنا ہے۔فرمایا: جی ملاقات ہوجاتی ہے، تھوڑا آرام کر لیجیے، لٹا دیا۔پھر اس نے دیکھا، تو وہی بھائی پاؤں دبانے بیٹھا ہے، سوچتا ہے، یہ تو گھر کا خادم ہے، یہ مجھے ان کاموں میں مصروف کر رہا ہے، ملنے نہیں دے رہا ہے۔اُس نے کہا: بھائی! آپ مجھے شیخ الہند سے ملاتے کیوں نہیں؟ جب مہمان کو کھانا کھلا دیا، پاؤں دبا دیئے، تو فرمایا: بھئی! اگر تجھے محمود الحسن سے ملنا ہے، تو وہ میرا نام ہے، پتہ نہیں ''شیخ الہند صاحب'' کون ہیں؟ عاجزی کی انتہا دیکھیے۔

عبادت

رمضان المبارک میں پوری رات تراویح میں گزارتے تھے۔گھر کی عورتوں نے قاری صاحب کو پیغام بھجوایا، کہ حضرت کی طبیعت کمزور ہے، کھاتے بھی کم ہیں، درمیان میں ایک دن کا وقفہ ہی دے دو۔تو قاری صاحب نے بہانہ بنایا کہ حضرت! آج میں تھکا

ہوا ہوں، تراویح تو پڑھوں گا؛ مگر رات بھر قیام نہیں کرسکوں گا۔تو حضرت دوسرے کی تکلیف کا بڑا لحاظ رکھتے تھے،انہوں نے کہا: ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہے،قاری صاحب! آپ آرام کیجیے۔ جب تراویح پڑھ لی تو فرمایا: کہ آپ میرے کمرے میں میرے بستر پر سو جائیں۔زبردستی قاری صاحب کو اپنے بستر پر سُلا دیا۔قاری صاحب نے کہا: کہ میں لیٹا، اندھیرا کر دیا۔تھوڑی دیر بعد دیکھا،تو کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے،اٹھ کر دیکھا،تو میرے شیخ میرے پیر،میرے استاذ شیخ الہند میرے پاؤں دبا رہے ہیں،حضرت! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟!! تو فرمایا: قاری صاحب! آپ تھک گئے ہیں، میں نے کہا: کہ میں ذرا آپ کے پاؤں دبا دوں،آپ کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی۔اس نے کہا: حضرت! پاؤں ہی دبانے ہیں،تو چلیں، میں آپ کو قیام میں نماز پڑھا دیتا ہوں۔پوری رات پھر قیام کے اندر گزار دی۔یہ عبادت،یہ علم،یہ تواضع،یہ تقوی تھا۔

اقامتِ دین کی کوششیں دیکھیے! کہ جب وفات ہوئی،تو غسل کرنے والے نے دیکھا، کہ کمر کے اوپر زخموں کے نشان تھے،سمجھ میں نہ آیا، کہ یہ کیا ہوا ہے؟ جب حضرت مدنی -رحمۃ اللہ علیہ- تشریف لائے تو اس وقت اُس نے اُن سے کہا: کہ گھر والوں کو بھی پتہ نہیں کہ یہ نشان کیسے ہیں،ہمیں بھی کسی کو پتہ نہیں یہ کس وجہ سے ہیں؟ کوئی بیماری تھی، یا چوٹ لگی تھی، یا کیا وجہ تھی؟ تو حضرت مدنی -رحمۃ اللہ علیہ- کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔حضرت کیا ہوا؟ فرمایا: میرے شیخ نے مجھ سے عہد کیا تھا، کہ یہ راز ہے، زندگی بھر تم کسی کے سامنے نہیں کہہ سکتے۔تو میں نے زندگی بھر زبان نہیں کھولی،اب وہ دنیا سے چلے گئے ہیں، اب میں بتاتا ہوں؛ جب ہم مالٹا میں تھے،کالے پانی میں،تو فرنگیوں نے حضرت کو کہا: کہ اگر تم ہماری حمایت کے دو لفظ کہہ دو،تو ہم تمہاری اس قید کو ختم کر دیں گے، اور اگر نہیں کہو گے،تو ہم تمہیں اذیّت ناک سزا دیں گے،حضرت نے فرمایا: کہ نہیں میں نہیں کہہ سکتا؛ چنانچہ ان کو سزائیں دی گئیں؛حتی کہ وہ وقت بھی آیا، جب آگ کے انگاروں

پر حضرت کو لٹایا گیا، اور کہا گیا، کہ یہ الفاظ کہیں، حضرت نے پھر بھی نہ کہے انگریز کہتے تھے کہ دو لفظ کہنے پر ہم آپ کو آزاد کردیں گے، حضرت جواب میں فرماتے تھے: کہ ''تم میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہو، میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔'' اور پھر رات کو حضرت اپنے کمرے میں آتے، تو تکلیف اتنی ہوتی تھی کہ لیٹ کر سویا نہیں جاتا تھا، تب میں اور دوسرے جو احباب تھے، ہم حضرت سے کہتے: حضرت! دین کے اندر حیلے کی بھی تو اجازت ہے، آخر امام محمد - رحمۃ اللہ علیہ - نے ''کتاب الحیل'' لکھی ہے، تو آپ بھی کوئی ذو معنی لفظ کہہ دیں؛ تا کہ یہ تکلیف ختم ہوجائے، حضرت نے یہ بات سنی میری طرف دیکھ کر کہا: ''حسین احمد! کیا سمجھتے ہو؟ میں تکلیف کی وجہ سے ان کی پسند کی کوئی بات کردوں گا؟ ہرگز ایسا نہیں۔

میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال کا.....

میں روحانی بیٹا ہوں، حضرت خباب کا.....

میں روحانی بیٹا ہوں امام مالک کا، امام اعظم کا، امام احمد بن حنبل کا.....

میں روحانی بیٹا ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا، آخری عمر میں جن کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے تھے۔

میں روحانی بیٹا ہوں اِن حضرات کا، یاد رکھنا یہ لوگ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں، یہ میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔''

حضرت مدنی - رحمۃ اللہ علیہ - نے پھر ایک اور بات سُنائی کہ درمیان میں جب فرنگی نے دیکھا کہ یہ مانتا ہی نہیں تو اس نے پھانسی کا حکم جاری کردیا، تو حضرت کے چہرے پر خوف، اور آنسوؤں کتنے ہی نہ تھے، بڑی عجیب ڈر کی کیفیت تھی، ہم سے دیکھا نہیں جاتا تھا، کہ رو رہے ہیں، اور خوف زدہ ہیں۔ ہم اپنے دلوں میں حیران ہوتے، کہ پھانسی کا حکم ہے، تو اچھا ہے، جان چھوٹ جائے گی، منزل مل جائے گی؛ مگر حضرت کیوں اتنا پریشان ہیں؟

کہنے لگے: ایک دن ہم سب شاگردوں نے مل کر کہا: کہ حضرت! اگر پھانسی کا حکم ہوا، تو کیا ہوا؟ یہ آپ کو پھانسی دے دیں گے، اس تکلیف سے تو نجات مِل جائے گی، اور دین کی خاطر قربانی دینے والوں میں آپ کا شمار ہوجائے گا۔ جب یہ بات کہی، تو اس وقت شیخ الہند نے میری طرف دیکھا، فرمانے لگے: ''حسین احمد! میں پھانسی سے نہیں ڈر رہا؛ میں اللہ کی بے نیازی سے ڈر رہا ہوں؛ وہ پروردگار کبھی کبھی بندے کی جان بھی لے لیتا ہے، اور اس کو قبول بھی نہیں کیا کرتا!! مجھے یہ خوف دل میں ہے، اللہ بندے کی جان بھی لے لیتا ہے، اور قبول بھی نہیں کیا کرتا، مجھے اللہ کی شانِ بے نیازی سے ڈر لگتا ہے۔ یہ ہمارے اکابر تھے ؎

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر ناچ کرتا ہے سپند
اِن میں قاسم ہوکہ انور شاہ محمود الحسن
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

اساتذہ وطلبۂ دارالعلوم پر اکابر کی دعاؤں کا سایہ

خصوصًا دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ بھی مبارک باد کے لائق ہیں اور تمام طلبہ بھی مبارک باد کے لائق ہیں، آپ اس مادرِ علمی سے نسبت رکھتے ہیں۔ معلوم نہیں ان کے لیے ان اکابر نے تہجد کے وقت میں کیا کیا دعائیں کی ہوں گی؟ اتنی بات عرض کرتا ہوں: چھوٹا سا ایک ادارہ ہے، اس عاجز کو اتنی فکر رہتی ہے، کہ اللہ نے درجنوں مرتبہ ''مُلتَزَم'' کے ساتھ لپٹ کر دعا مانگنے کی توفیق دی، اپنی اولاد کے ساتھ ہمیشہ ان طلباء کی قبولیت کی دعا مانگتا ہوں۔ ایک فکر ہوتی ہے اور دل میں سوچتا ہوں، یا اللہ! اگر اپنے طلباء کی اتنی دل کے اندر فکر ہے، تو ہمارے اکابر نے آنے والے وقت میں جو طلباء ہوں گے ان کے لیے کیا کیا مقبول اوقات میں دعائیں مانگی ہوں گی؟!! آپ وہ طلباء ہیں کہ آپ کے سروں کے اوپر ان اکابر کی دعاؤں کا سایہ ہے۔

لمحۂ فکریہ!!

لیکن عزیز طلباء! ذرا اس بات کو سوچا تو کریں، کہ کیا ہم نے ان کی دعاؤں کی قدر کی ہے؟ کیا آج ہم ان کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں؟ ہم ان کے نام پر بدنامی اور بٹہ لگنے کا سبب تو نہیں بنے ہوئے ہیں؟

ہمارے یہ اکابر کیا تھے، جن کی روحانی اولاد آج ہم بیٹھے ہیں۔ ہمارے اکابرین نے خطابت کے میدان میں، قلم کے میدان میں، شجاعت کے میدان میں، تدریس کے میدان میں؛ ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں کہ انسان حیران ہوتا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بات یاد آتی ہے، اکابرین علماء دیوبند کے متعلق فرماتے تھے کہ متقدمین کا قافلہ جا رہا تھا، اس میں سے چند قدسی روحیں پیچھے رہ گئیں، اللہ نے اس دور میں ان کو پیدا فرما دیا؛ تا کہ متأخرین کو متقدمین کے نمونے کا پتہ چل سکے۔

محترم طلبہ کرام! ہمارے اکابرین نے جو کتابیں پڑھیں، کتابیں تو ہم بھی وہی پڑھتے ہیں؛ لیکن ہمیں وہ علوم و معارف کیوں حاصل نہیں؟

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ تقوی، وہ علم، اور اپنے اسلاف کے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں۔

کاش! آج ہم اپنے فرائض کا اتنا اہتمام کر لیتے، جتنا کہ ہمارے اسلاف نفلی عبادتوں کا اہتمام کرتے تھے۔

کاش! آج ہم حرام کے بارے میں اتنی احتیاط کر لیتے، جتنی ہمارے اسلاف حلال کے بارے میں احتیاط فرماتے تھے۔

کاش! ہم گناہوں کی بخشش کا اتنا غم کر لیتے، جتنا کہ ہمارے اسلاف اپنی نیکیوں کی قبولیت کا غم کر لیتے تھے۔

کاش! ہم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے، جس سلوک کا

ہمارے اسلاف اپنے دشمنوں کے ساتھ مظاہرہ کرتے تھے۔ ہماری زندگیوں میں اور ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں کتنا فرق ہے؟

آج ہم بڑے مزے سے ان حضرات کی باتیں سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

أُولٰئِکَ آبائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ

یعنی سو فیصد ٹھیک بات ہے؛ لیکن سننے والا یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ جناب!

لَئِن فَخَرْتَ بِآبَاءٍ ذُوْ نَسَبٍ
لَقَدْ صَدَقْتَ، وَلٰكِنْ بِئْسَ مَاوَلَدُوا

اگر ہمارے اسلاف وہ تھے تو آج ان کے روحانی بیٹے ہم ہیں، آج ہمارے علم اور عمل میں فرق ہے، قال اور حال میں فرق ہے، جلوت اور خلوت میں فرق ہے، اتباعِ سنت ہم میں پوری طرح نہیں، بس کچھ ظاہرداری کر لیتے ہیں، تنہائی میں ہماری شخصیت کچھ اور ہوتی ہے، باہر کچھ اور ہوتی ہے۔ دل سے پوچھیں، دل کہتا ہے، دو چہرے ہیں، ایک وہ چہرہ جو لوگوں کو دِکھانے کے لیے ہے، اور ایک وہ چہرہ جو تیرا پروردگار جانتا ہے۔

یہ دورنگی کب ختم ہوگی؟ ہم کب اس سے دور ہونگیں؟ اور اپنے اندر وہ کمالات پیدا کرنے کی کوشش کب کریں گے؟ آج ہمیں اٹھنے کی ضرورت ہے اور دین کے قلعے بنانے کی ضرورت ہے۔

کیا دارالعلوم تھا؟ فقراء کا بنایا ہوا تھا، شاہوں کے محل بھی کانپتے تھے، آج ہم ان کے روحانی بیٹے، ان کا فیض پانے والے، اسی چشمے سے سیراب ہونے والے ہیں، ہماری مسجدیں اور مدارس اس کی بیٹیاں اور بیٹے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے ہی نہیں پیدا ہوجائیں گی؛ بلکہ اس کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔ جب کتابیں پڑھنے کا وقت ہو، تو ہم اپنے آپ کو علم میں منہمک کر دیں اور جب ذرا تنہائی کا وقت ہو تو

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (۱)

کے مصداق اپنے مصلی پر بیٹھے ہوں پھر جلوت بھی وہی ہو، اشراق تک بیٹھ کر لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگانا بھی وہی ہو، رات کی آہیں بھی وہی ہوں، رات کو دامن بھی اسی طرح پھیلائیں، رات کو آنسو بھی اسی طرح گریں، تو اللہ تعالی رحمت فرمائیں گے، ہمیں ظاہری اور باطنی علوم کا حامل کامل اور عالم باعمل بنادیں گے۔

اکابر کی زندگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے آج ارادہ کر لیجیے کہ جو ہمیں سیکھنا ہے، آج کے بعد اس کو ہم زندگی میں اپنائیں گے، سر کے بالوں سے لے کر، ناخنوں تک، شریعت اور سنت کے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں گے۔ بس ایک کام کر لیجیے، جو پڑھتے ہیں اس پر عمل بھی کر لیجیے اور تقوی کے ساتھ زندگی گزاریے۔ گناہوں کی ذلت سے اپنے آپ کو بچا لیجیے، پھر دیکھیے اللہ رب العزت آپ کو دین کے لیے کیسا قبول کرتے ہیں۔ پھر قدم اٹھائیں گے تو اللہ تعالی قدموں میں برکتیں ڈال دیں گے، فتوحات کے دروازے کھلیں گے، اللہ تعالی پوری دنیا میں ایسا وقار قائم کر دیں گے کہ کفر اپنے محلات میں بیٹھے بیٹھے کانپ رہا ہوگا۔ اللہ۔ رب العزت۔ ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی اور علم و ذکر کر کے دونوں پلڑوں میں توازن رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

---

(۱) پ: ۳۰ سورۃ الانشراح آیت: ۷/ ۸

طلبہ کو رخصت کرتے وقت قیمتی نصیحتیں

اس زندگی میں انسان پر خوشیاں اور غم آتے رہتے ہیں، دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جس کو غم نہ ملے؛ ہاں یہ فرق ہوتا ہے کہ دنیا داروں کو دنیا کا غم اور دین والوں کو دین کا غم۔

إِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ● كِرَامًا كَاتِبِينَ ● يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ●

بے شک تمہارے اوپر نگراں مقرر ہیں، باعزت لکھنے والے ہیں، اور سب جانتے ہیں، جو تم کرتے ہو۔(۱)

اور یہی ہمارا نتیجہ قیامت کے دن نکلے گا۔ ”اے انسان! تیرے لیے وہ جیت کا دن ہوگا، یا تیرے لیے ہار کا دن ہوگا، یا تو زندگی کی بازی جیت جائے گا، یا زندگی کی بازی ہار جائے گا“ چنانچہ روزِ میزان جب نامۂ اعمال کھلیں گے، ایک فرشتہ پکارے گا: کہ فلاں بندہ، فلاں کا بیٹا، یہ سعید نکلا اِسے جنت کی طرف لے جاؤ، فلاں باپ کا بیٹا، وہ بد بخت، شقی نکلا، اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں، جب نتیجہ کھولا جاتا ہے تو کتنے بچے خوش ہو رہے ہوتے ہیں، کتنے بچے رو رہے ہوتے ہیں، ہو بہو یہی حال قیامت کے دن بھی ہوگا۔

---

(۱) پ: ۳۰، سورۃ الانفطار، آیت: ۱۰/ ۱۱/ ۱۲

تو مومن کی زندگی ایک جہد مسلسل ہے، پوری زندگی جہد ہے۔ مجھے یاد ہے، سیف اللہ بیٹا، چھوٹا سا تھا، تو ایک دفعہ اس نے میرا وہ جو سال کا ''سیکجو ایل'' بنا ہوتا ہے، اٹھالیا، اور بیٹھ کر تھوڑی دیر پڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مجھ سے وہ کہنے لگا، ابو جی! ہر بندہ کی کچھ چھٹیا ہوتی ہیں، کسی کی جمعہ کے دن کی، کسی کی اتوار کے دن کی؛ تو آپ کی چھٹی کس دن کی ہے؟ میں نے کہا: بیٹا! میری چھٹی بند ہے، ایک ہی دن میری چھٹی ہوگی یہاں سے، جو دین کا کام کرنے والے ہوتے ہیں، ان کے ہاں چھٹی نہیں ہوتی۔

ہمارے حضرت -رحمۃ اللہ علیہ- ایک سفر سے بہت تھکے ہوئے آئے، اس عاجز نے کہا: حضرت! آپ بہت تھک گئے ہیں، کچھ دیر آرام کرلیں، تو حضرت -رحمۃ اللہ علیہ- نے فرمایا: ''یہ تھکاوٹ تو مرنے پر ہی اُترے گی۔'' یہ تھکاوٹیں اترنے والی نہیں ہیں، مریں گے، تو تھکاوٹیں اتریں گی، اُس سے پہلے نہیں اُترتیں۔ جو دین کا کام کرنے والے ہیں اللہ کے خوف سے زندگی گزارنے والے لوگ ہیں دنیا میں، ان کے لیے کہاں چھٹی ہے؟

اس کی تو مثال ایسی ہے، کہ آپ کا آٹھ بجے پرچہ شروع ہو، اور گیارہ بجے تک ہے، تو اس دوران آپ کو چھٹی تو نہیں ہوسکتی، آٹھ سے لے کر گیارہ بجے تک پورا وقت ہے، اور بچے اس میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے، اگر اس دوران آپ کا کوئی ملنے والا آجائے، تو کیا آپ اس سے ملیں گے؟ آپ صاف انکار کردیں گے۔ تو جس طرح کی صورتِ حال اس امتحان میں طالب علم کی ہوتی ہے، مومن کی صورتِ حال زندگی میں اسی طرح ہوتی ہے۔

اب یہاں آپ لوگ اپنے امتحانوں سے فارغ ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ بالکل فارغ ہوگئے، آپ لوگ گھر جائیں گے، گھر والے آپ کو اس نظر سے دیکھیں گے کہ یہ وہاں سے کیا سیکھ کر آیا ہے؟ استادوں نے کیا سکھایا؟ اس نے کیا سیکھا؟ پورے سال اس نے اپنے اندر کون سی اچھی عادات پیدا کیں؟ تو سب کی آپ پر نظر ہوگی، ماں

ہے، باپ ہے، بھائی ہیں، بہنیں ہیں، دوست ہے، پڑوسی ہیں؛ سب دیکھیں گے، اگر آپ اُن سے اچھے اخلاق سے ملیں گے، خدمت کریں گے، تواضع سے پیش آئیں گے، تو سب کہیں گے، کہ واقعی بھئی یہ ایک اچھا انسان بن کر آیا ہے۔ اور اگر وہاں جا کر آپ کی فجر کی نماز ہی قضا ہو جائے، تو لوگ کیا سمجھیں گے؟ اَن پڑھ ماں کہہ رہی ہے "بیٹا نماز پڑھو" اور عالم بننے والا بیٹا کہے گا: کہ "پڑھ لوں گا"، تو ماں کیا سمجھے گی؟

❊ تو بھئی ہم اپنی طبیعتوں کو بدلیں کئی ہوتے ہیں، جن کی طبیعت میں نیکی ہوتی ہے، وہ الحمدللہ دوسروں کے نیکی پر آنے کا ذریعہ بنتے ہیں، اور کئی ہوتے ہیں، جو دوسروں کے لیے نفرت کا سبب بن جاتے ہیں، تو ہم کسی کے لیے نفرت کا سبب نہ بنیں، دین سے دوری کا سبب نہ بنیں۔ ایسے بھی نوجوان ہیں، کہ جو پورے گھر کے ماحول کو بدل دیتے ہیں، محبت سے، پیار سے، ماں بھی نمازی، بہن بھی نمازی، والد بھی نمازی، سب نیک بن جاتے ہیں۔ ان کو اچھی اچھی باتیں سُنائیں، جو آپ نے یہاں سنیں، کتابوں سے، اساتذہ سے سنیں، وہ اُن کو بتائیں؛ تاکہ وہ بھی نیکی کی طرف آئیں۔ تو ہمیں نیکی پر رہنا ہے، اور دوسروں کو نیکی پر لانا ہے۔

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الأَنْبِيَاءِ

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (۱)

وارث وہ ہوتا ہے جس کو وراثت میں سے حصہ ملے۔ انبیاء کی اصل وراثت کیا ہے؟ امت کا غم۔ تو ہمیں امت کے غم میں سے کتنا حصہ ملا؟ نبی علیہ السلام قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہوں گے اور اللہ تعالی فرمائیں گے:

اِرْفَعْ رَأْسَکَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَکَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ،

"اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنا سر اٹھا لیجیے! آپ جو شفاعت کریں گے، قبول کی

(۱) سنن ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ۲/۹۷ رقم: ۲۶۸۲

جائے گی۔آپ جو مانگیں گے،وہ ملے گا۔‘‘(۱)

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میں کھڑا ہوں گا اور کہوں گا:

يَارَبِّ أُمَّتِيْ يَارَبِّ أُمَّتِيْ

کیا ہمارے دل میں یہ غم ہے؟ اگر یہ غم نہیں،تو پھر ہم نبی علیہ السلام کے وارث کہاں ہوئے؟ دل میں ایک کڑھن ہو۔

❊ گھروں میں جا کر رہیں گے،تو آپ کو ایک فرق محسوس ہوگا،مسجد کا ماحول اور ہوتا ہے،گھر کا ماحول اور ہوتا ہے،مسجد خدا کا گھر ہے،برکتیں،رحمتیں اور نور کا ماحول ہوتا ہے،اور گھروں میں چوں کے نیکی بھی ہے،اور گناہ بھی ہیں،تو شیطان کی آمدورفت بہت زیادہ ہوتی ہے،تو اس شیطان کی آمدورفت سے ذرا بچ کر رہیں،وہ کبھی کزن کی شکل میں آتا ہے،کبھی کسی قریبی رشتہ دار عورت کی شکل میں آجاتا ہے،کبھی کسی اور لڑکی کی شکل میں آجاتا ہے،کبھی کسی سکول کالج کے لڑکے کی شکل میں آجاتا ہے؛ پھر سارے کہتے ہیں: تو نے کیا دیکھا ہے؟ آؤ تمہیں دنیا دکھائیں۔یہ دوستی کے رنگ میں دشمنی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔تو ہمیں ان کے پیچھے نہیں جانا،ہمیں نیکی پر رہنا ہے دوسروں کو نیکی پر لانا ہے۔

بس یہ بات اگر آپ نے سمجھ لی،تو آپ کا گھر جانا بھی آپ کے لیے اللہ تعالی کی خوشنودی کا سبب بن جائے گا،تو دعا تو یہی کرتے ہیں،کہ،اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے؛ لیکن جب انسان دیکھتا ہے نا کہ فلاں جگہ کیچڑ ہے،تو ذرا احتیاط سے گزرتا ہے،کہ پھسل نہ جائے،آپ یوں سمجھیں کہ ابھی تک تو آپ اللہ کے گھر کی زندگی گزار رہے تھے، اب آپ کو کیچڑ میں جانا ہے،وہاں ذرا سنبھل کر قدم رکھنا۔

یاد کرتا ہے زمانہ اُن انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

---

(۱) صحیح بخاری،باب کلام الرب یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہم،۲/ ۱۱۲۹،رقم:۷۵۰۹

❊ یاد رکھنا! پانی میں وہی چیز بہتی ہے، جو بے وزن ہوتی ہے، کاغذ پانی میں بہہ جاتا ہے، تنکے پانی میں بہہ جاتے ہیں، لکڑی پانی میں بہہ جاتی ہے؛ لیکن چٹانیں پانی کے ساتھ نہیں بہتیں وہ تو پانی کا رخ موڑ دیتی ہیں۔ تم بے وزن چیز نہ بنو؛ بلکہ وزنی چیز بن جاؤ، اپنے اندر استقامت پیدا کرلو، حالات کے ساتھ چلنے کے بجائے حالات کا رخ موڑنا سیکھو!

❊ عزیز طلبہ! جنھوں نے سارا سال محنت کی، اوران کے اساتذہ نے ان پر محنت کی ان کے لیے وصیت کے رنگ میں نصیحت ہے: کہ آپ نے جو دین پڑھا، اس پر عمل کرلیجیے۔ جب آپ استقامت کے ساتھ اس پر عمل کریں گے، تو اللہ تعالی آپ کو دنیا کے اندر بھی عزتوں بھری زندگی دیں گے، اور آخرت میں بھی عزتوں سے نوازیں گے۔

❊ امام ابوحنیفہ-رحمۃ اللہ علیہ-فرمایا کرتے تھے: کہ مجھے ایک بچی نے نصیحت کی، جو میں کبھی بھول نہیں سکتا، وہ اس طرح کہ بارش ہوئی تھی، اور میں گزر رہا تھا ایک بچی بھی قریب سے گزر رہی تھی، تو میں نے اُسے کہا: کہ ''بچی! ذرا احتیاط کرنا، کہیں پھسل نہ جانا۔'' جب میں نے کہا، تو اس نے جواب دیا ''حضرت! اگر میں پھسل گئی، تو مجھ اکیلی کو نقصان ہوگا، آپ احتیاط کرنا آپ پھسل گئے تو امت کا کیا بنے گا؟'' تو بھئی! ہم اس بات کو یاد رکھیں، اور کوئی پھسلے، تو ایک پھسلے گا، اور ہم پھسلے، تو دین کا کام کرنے والے کا معاملہ ہوگا؛ اس لیے گھروں کی زندگی میں نمازیں پڑھنی ہیں، تہجد پڑھنی ہے، اپنی زندگی کو اعمال سے مزین کرنا ہے۔ ضد بازی، بات نہ ماننا، کام نہ کرنا، ماں باپ سے غصہ ہونا، طالب علم کو زیب نہیں دیتا۔ گھر آپ جائیں تو پتہ چلے، کہ یہ کسی انسان کا پتّر آیا ہے۔

❊ ہم نے دیکھا ہے، کہ کچھ نوجوانوں کے سر پر ''سینگ'' ہوتے ہیں؛ لیکن نظر نہیں آتے۔ بکری کی طرح اِدھر بیٹھے، تو اس کو سینگ مارا، اُدھر بیٹھے تو اس کو سینگ مارا، سینگ دیکھنے میں تو نظر نہیں آتے؛ اس لیے کہ پگڑی باندھی ہوتی ہے، ٹوپی پہنی ہوتی ہے؛

مگر سینگ ہوتے ضرور ہیں وہ جہاں جا کر بیٹھتے ہیں، اسی سے پھڈا کر لیتے ہیں؛ ایسے نہیں کرنا، اچھی زندگی گزارنی ہے۔

❊ اچھی طرح وقت گزارنا ہے، اور ماں باپ کی دعائیں لے کر واپس آنا ہے۔ جن والدین کے چہرے کو دیکھنا اللہ نے عبادت بنا دیا، آج نوجوان اُنہیں کا دل دُکھاتے ہیں!! ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے، یہ ماں باپ ہی جانتے ہیں۔ بس آپ یہ نیت کریں کہ آپ لوگ یہاں سے ماں باپ کی دعائیں لینے کے لیے جا رہے ہیں، دعائیں لیں گے، پھر واپس آ جائیں گے۔

اب دو طرح کے طالب علم ہوتے ہیں، ایک ہوتے ہیں، جنہوں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی، اب دورۂ حدیث کر لیا، تخصص کر لیا، وہ مدرسے سے فارغ ہو کر جا رہے ہیں، ان کے لیے زیادہ فکرمند ہونے کی بات ہے، کہ اب ہمیں جانا ہے، اور عام ماحول معاشرے میں زندگی گزارنی ہے۔ تو ان کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کی ضرورت ہے، اس زمانے میں دین پہ قائم رہنا مشکل بہت ہے؛ لیکن اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا کہ مشکل ضرور ہے؛ لیکن اجر بھی بہت زیادہ ہے، جو کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے، اجر بہت زیادہ عطا کریں گے۔ تو تھوڑی محنت سے زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ ہماری امت جو ہے، سبحان اللہ ایسے ہی ہے، دنیا میں ایسے وقت میں آئی ہے کہ اَوَر ٹائم کی تنخواہ مل رہی ہے، وقت تھوڑا ہے، عمل تھوڑے، اجر بہت زیادہ، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

ایک ہوتے ہیں، جن کا صرف خروج ہوتا ہے، کہ سال پورا ہو گیا، اب چھٹیاں ہیں، مدرسہ بند ہو گیا، لہٰذا اب اپنے گھروں کو جائیں گے، چھٹیوں کے بعد پھر آ جائیں گے۔

❊ ہمارے اکابر جب لوٹ کر اپنے گھروں میں جاتے تھے، تو ان کی زندگیوں کو

دیکھ کر درجنوں کے حساب سے، اور ماں باپ اپنے بچوں کو دین پڑھانے کا ذہن بنا لیتے تھے، اچھا جی! میں بھی اپنے بچے کو عالم بناؤں گا، میں بھی اپنے بچے کو حافظ بناؤں گا، میں بھی بچے کو مدرسے بھیجوں گا۔ وہ مدرسے کے ایسے نمائندے بن جاتے تھے، تو ہم بھی اپنی طرف سے ایسا ہی بننے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

❊ چند باتوں کا اور بھی خیال رکھنا ہے، ان میں سے ایک ''مسنون دعاؤں کا اہتمام۔'' طلبہ مسنون دعائیں یاد تو کر لیتے ہیں، مسنون دعائیں موقع پر پڑھتے نہیں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نہیں پڑھتے؛ بل کہ یہ سوچیں کہ ہمیں توفیق نہیں ملتی، اور یہ بہت بڑی خطرے کی بات ہے کہ انسان کو دعائیں یاد بھی ہوں اور موقع پر پڑھنی یاد نہ آئیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو توفیق ہی نہیں دی، تو اللہ سے توفیق مانگیں، اور ان دعاؤں کو پڑھتے رہیں۔

نبی -علیہ السلام- نے ارشاد فرمایا:

''قربِ قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ، سنت پر عمل کرنا، اتنا مشکل ہو جائے گا، جیسے انگارے کو ہتھیلی پر رکھنا مشکل ہے''۔ (۱)

آج حال یہ ہے کہ، اگر گھر میں شیشے کا دو روپے کا گلاس ٹوٹ جائے، تو ماں اپنے بچے کو تھپڑ لگا دیتی ہے، اور اگر وہی بچہ نبی -علیہ السلام- کی کسی سنت کو ذبح کر دیتا ہے، تو ماں ٹَس سے مَس نہیں ہوتی، گویا اس ماں نے محبوب کی سنت کی قدر دو روپے کے برابر بھی نہ جانی۔

آج کل ہمارے گھر، گلی کوچے اور بازار نبی -علیہ السلام- کی سنتوں کی مذبح گاہیں بن چکی ہیں، ہمارے گھر میں کتنی سنتیں ذبح ہوتی ہیں؟ کوئی آنکھ ہے آنسو بہانے والی؟!! کوئی ہے رات میں کڑھنے والا اور رونے والا؟!!

عزیز طلبہ! مسنون دعاؤں کا خوب اہتمام کرنا ہے۔

---

(۱) مستفاد: سنن ترمذی ابواب الفتن ۲/ ۵۲ رقم: ۲۲۶۰

اور دوسری چیز جس کا بڑا خیال رکھنا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کے جسم کے کسی عضو سے گناہ سرزد نہ ہو، نہ بدنظری ہو، نہ غیبت ہو، نہ میوزک سنیں، نہ ادھر اُدھ سکرین پر تماشہ دیکھیں، نہ کوئی اور ایسا کام کریں، جو شریعت کے خلاف ہو؛ ان چیزوں سے بہت محتاط ہو کر زندگی گزاریں۔ یہ تو مجاہدہ ہے؛ لیکن آخرت کے مقابلے میں اگر دیکھیں، تو یہ مجاہدہ بہت تھوڑا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہماری سو سال کی زندگی ہے، تو آخرت کے ایک دن کے مقابلے میں اڑھائی منٹ کے برابر ہے، اور آخرت لاکھوں سال نہیں، کروڑوں نہیں، اربوں نہیں، کھربوں سال نہیں ہیں؛ غیر محدود وقت ہے۔ تو دنیا کی زندگی تو نظر بھی نہیں آئے گی، تھوڑی سی محنت پر ہمیشہ رہنے والا انعام ہے، تو کتنا سستا سودا ہے؟! دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ کرے۔

❊ انسان گناہ کرنا چھوڑ دے، دنیا میں جنت کے مزے آنے لگ جائیں گے:
اس لیے کہ جو بندہ گناہ چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے، اللہ اس کے کام سنوارتے ہیں؛ حتیٰ کہ ہم نے تو یہاں تک دیکھا کہ اللہ والے ایک ایسے مقام پہ پہنچتے ہیں، **لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللهِ، لَأَبَرَّهُ** ''اگر وہ کوئی بات کر دیتے ہیں، اللہ ان کی بات کو پورا کر دیتے ہیں''۔ (۲)

ہم نے اپنی زندگی میں ایک بزرگ تھے، حضرت بابو جی عبداللہ -رحمۃ اللہ علیہ- ان کے ساتھ زندگی کا بہت وقت گزرا، وہ جس بندے کے بارے میں دعا کرتے تھے، کہ اس بندے کو نبی -علیہ السلام- کی زیارت نصیب ہو جائے، تین راتوں کے اندر اس بندے کو نبی -علیہ السلام- کی زیارت نصیب ہو جاتی تھی!! یہ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں پچاس دفعہ نہیں، سو دفعہ نہیں؛ پتہ نہیں، سینکڑوں دفعہ ہم نے آزمایا ایسے ہاتھ اٹھاتے تھے، دعا مانگنے میں آدھا منٹ بھی نہیں لگتا تھا، بس اتنا کہتے تھے: ''اس بچے کو میرے آقا اور سردار کی

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلح ۱/ ۵۶۸ رقم: ۲۶۲۵

زیارت نصیب فرما۔‘‘ تین دن میں زیارت ہوجاتی تھی۔

دو چار نہیں، سینکڑوں دفعہ ان کو آزمایا، ایسا اللہ نے مقام دیا تھا۔ ایک دفعہ رمضان المبارک میں ان کے ساتھ تھے، تو انہوں نے بلا کر بتایا، کہ، آج شب قدر ہے، اللہ سے جو مانگتے ہو، مانگو۔ ایسی اللہ نے کشفی نظر دی تھی۔ تو جو اللہ کا بنتا ہے، اللہ اس کے بن جاتے ہیں۔ اس عاجز نے ان کی بہت خدمت کی، ایک دن خوش ہو کر فرمانے لگے: ’’اللہ سے آج مانگ لے جو مانگنا ہے۔‘‘ اس وقت میں نے نو دعائیں اللہ سے مانگیں، آٹھ دعائیں قبول ہوچکی ہیں، اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آخری بھی قبول ہوجائے گی۔

تو بھئی ہم اللہ کے ولی بنیں، دعائیں قبول ہوں گی، اللہ کی مدد ساتھ ہوگی، اللہ ایسی طرف سے رزق دیں گے، جہاں سے گمان بھی نہیں ہوگا۔ سبحان اللہ! تو بجائے دنیا کے پیچھے بھاگنے کے اور دنیا کے کُتا بننے کے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے راستے پر چلیں حتی کہ اللہ کے ہاں مقبول ہوجائیں، پھر دیکھنا اللہ اس دنیا کی زندگی کو کیسے جنت کا نمونہ بنا دیتے ہیں!!

ابن قیم -رحمۃ اللہ علیہ- نے لکھا ہے: کہ جس کو اللہ نے جنت دینی ہوتی ہے، اس کو اللہ تعالی ایسا سکون دیتے ہیں، کہ جنت کا نمونہ اسی دنیا میں ان کو نظر آتا ہے، اور جس کو اللہ نے جہنم میں بھیجنا ہوتا ہے، دنیا میں اتنا پریشان کرتے ہیں، کہ وہ اپنے منہ سے کہتا ہے: ’’یار کیا مصیبت میں پڑ گیا؟‘‘ تو نیکی کے راستے پر اللہ کی مدد ہے، اسی راستے پہ کامیابی ہے۔

آپ خوش نصیب بچے ہیں، کہ آپ نیکی کے راستے پر چلنے والے بچے ہیں، ہم آپ کو دعاؤں کے ساتھ یہاں سے رخصت کریں گے، اللہ تعالی آپ کو بخیریت اپنے گھروں میں لے جائے۔ وہاں رہ کر آپ لوگوں کو ان کے اندر دین کا جذبہ پیدا کرنا ہے، دین کی محبت پیدا کرنی ہے؛ حتی کہ اور نوجوانوں کو آپ کو...... پڑھنے کے لیے اور دین دار بننے کے لیے تیار کرنا ہے، اور جب چھٹیاں ختم ہوں، تو آپ لوگوں کو اپنی پڑھنے والی جگہ پہ آنا ہے؛ اس لیے کہ مدرسہ سے ایک محبت ہوتی ہے، مدرسے کو کہتے ہیں ’’مادر علمی‘‘؛ یعنی وہ

جگہ جہاں سے انسان علم حاصل کرتا ہے، مدرسے کو ماں کہا گیا ہے،تو ماں سے محبت ہوتی ہے، ایسے ہی ہر طالب علم کو مدرسے سے محبت ہوتی ہے۔تو اللہ تعالی آپ حضرات کی اس پورے سال کی محنت کو قبول فرمائے،آپ حضرات جائیں،تو اللہ تعالی آپ کو خیر، کامیابی،خوشیوں کے ساتھ واپس لوٹائے،اللہ ایمان کی بھی حفاظت فرمائے،اور اللہ گناہوں سے بھی حفاظت فرمائے۔

آغاز سال کے موقع پر طلبہ سے باتیں

عزیز طلبہ! جب بھی کوئی بندہ اللہ - رب العزت - کی رضا جوئی کی خاطر دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنے آرام، اپنی نیند، اور اپنی آسائشوں کو قربان کرتا ہے، تو اس کی یہ قربانیاں ضرور رنگ لاتی ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالی قدردان ہیں، اور وہ بندے کی قربانیوں کو ضائع نہیں فرماتے، وہ وعدہ دے چکے، کہ مرد ہو یا عورت ہو؛ میں کسی کے کئے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔

نعمتوں کی قدر کریں

عزیز طلبہ! نعمتوں کی قدردانی ان کی موجودگی میں کرتے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ - رب العزت - کا جلال ظاہر ہو جائے۔ یہ عاجز بار بار کہا کرتا ہے، کہ نعمتوں کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کرنا، جب اللہ تعالی نعمت کو چھین لیتے ہیں، تو پھر دوبارہ ناقدروں کو نہیں دیا کرتے۔ ذرا سوچا کریں کہ ہمارے اسلاف کتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے تھے، ان کے پاس لکھنے کے لیے پین کے بجائے قلم اور دوات ہوتی تھی، ان کو تو گرمیوں کے اندر، دھوپ کے اندر، پسینہ کی حالت میں لکھنا پڑتا تھا، چراغوں کی روشنی بھی

(۱) پ: ۴، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۱۹۵

مشکل ہوتی تھی، پھر بھی اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کر کے بڑے بڑے کام کر جایا کرتے تھے۔

امام ابن جریر طبریؒ کے بارے میں آتا ہے: کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اتنی کتابیں لکھیں، کہ ان کے صفحات کی تعداد تین لاکھ اٹھاون ہزار تھی۔ تین لاکھ اٹھاون ہزار صفحے لکھ لینا، اللہ اکبر کبیرا!! آج تو ہمارے پاس بجلی کی نعمت موجود ہے، ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں، اللہ تعالی نے ہمیں یہ سب نعمتیں عطا کردیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی ضرور قدردانی کریں۔

اساتذہ کی قدر

ہمیں تو احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے پاس جو اساتذہ موجود ہیں، ہم ان کی قدر کر کے کیا کچھ ان سے حاصل کر سکتے ہیں؟ ہم لوگوں کا یہ حال بنا ہوا ہے کہ ہم نے جس پیر ، استاذ سے پڑھا ہوتا ہے، اس کی بھی بے قدری کرتے ہیں، کوئی ذرا سی بات ہو یا نہ ہو، بس سنی سنائی بات پر بدگمانی کرنے لگ جاتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب بڑے لوگ زندہ ہوتے ہیں، تو لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، اور جب وہ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو وہ موٹے موٹے آنسو گرا رہے ہوتے ہیں۔

جن اساتذہ سے آپ علوم پا رہے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ اساتذہ بعد میں کبھی آپ کو ملیں گے یا نہیں؟ اس نعمت کی قدر اُن سے پوچھیں جن کے اساتذہ رخصت ہو چکے ہیں، اور اب اُن کو اپنا آپ بے سایہ نظر آتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ''تحریک ریشمی رومال'' کے دوران ارادہ فرمالیا، کہ اب میں حرمین شریفین جاتا ہوں، ایک دن آپ دارالعلوم دیوبند میں چارپائی پر بیٹھے دھوپ میں زمین پر پاؤں رکھے، کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، ان دنوں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ حضرت کی عدم موجودگی میں بخاری شریف پڑھاتے تھے، اُس دوران اُن کی نظر حضرت

پر پڑی، جب درس دے کر تھک گئے، تو طلبہ سے فرمایا: کہ آپ تھوڑی دیر بیٹھیں، میں ابھی آتا ہوں۔ انہوں نے درس موقوف کیا، اور دارالحدیث سے باہر نکل کر سیدھے حضرت کے پاس آکر اُن کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت سے عرض کرنے لگے : حضرت! ''پہلے آپ یہاں تھے، جب ہمیں ضرورت پڑتی تھی، تو ہم آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ نے یہاں سے ہجرت کا ارادہ فرمالیا ہے اس طرح تو ہم بے سایہ ہو جائیں گے۔'' علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ الفاظ کہے، اور رونا شروع کر دیا، حتی کہ انہوں نے بچوں کی طرح بلکنا شروع کر دیا۔ حضرت شیخ الہند نے انہیں تسلی کی بات کہی، اور فرمایا: انور شاہ! ہم تھے، تو آپ ہماری طرف رجوع کرتے تھے، اور جب ہم چلے جائیں گے، تو پھر لوگ علم حاصل کرنے کے لیے، تمہاری طرف رجوع کریں گے؛ چنانچہ شاہ صاحب کو اس طرح کی تسلی کی باتیں کر کے بھیج دیا۔

جب شاہ صاحب چلے گئے، تو حضرت شیخ الہندؒ کے اندر اپنے دل میں خیال آیا، کہ اِن کو تو اپنے استاذ کی دعاؤں کی اتنی قدر ہے، اور آج میں اتنے بڑے کام کے لیے جا رہا ہوں؛ لیکن آج میرے سر پر تو استاذ کا سایہ نہیں ہے، جن کی دعائیں لے کر چلتا؛ چنانچہ یہ سوچتے ہی اُن کو حضرت نانوتویؒ کا خیال آیا، اور طبیعت میں رِقت طاری ہوئی؛ لہٰذا وہیں سے اُٹھے، اور سیدھے حضرت نانوتویؒ کے گھر کے دروازے پر دستک دی اور ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر آواز دی: ''اماں جی! میں محمودالحسن ہوں، اگر حضرت نانوتوی کے جوتے گھر میں پڑے ہوں، تو وہ بھجوادیں۔'' چنانچہ اماں جی نے اُن کے جوتے اُن کے پاس بھیج دیے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاذ کے جوتے اپنے سر پر رکھے، اور اللہ۔ رب العزت۔ سے دعا کی ''اے اللہ! آج میرے استاذ سر پر نہیں ہیں، میں اُن کے جوتے سر پر رکھ کر بیٹھا ہوں، اے اللہ! اس نسبت کی وجہ سے تو میری حفاظت فرمالینا اور مجھے اپنے مقصد میں کامیاب فرمادینا۔''

تو استادوں کی قدر اس وقت آتی ہے، جب دیکھنے کے لیے فقط اُن کے جوتے باقی رہ جاتے ہیں، آج ہی اساتذہ کے وجود کو غنیمت سمجھیں، ان کی خدمت کریں اور استفادہ کیا کریں؛ یہی سب سے اعلی بات ہوتی ہے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا، تو یوں سمجھیں کہ اس جگہ پر حاضری کا مقصود حاصل ہو گیا۔

مدرسے کی زندگی کی قدر

آپ مختلف شہروں اور مختلف قبیلوں سے آئے ہوئے ہیں، علمِ دین کے حصول کے لیے پروردگار عالم کا آپ کا انتخاب یہ ایک عظیم نعمت ہے، یاد رکھیے! کہ مدرسہ کے ان اوقات کی اگر ہم نے نعمت سمجھ کر قدر کر لی، تو یہ چند سال ہمارے لیے زندگی کا سرمایہ بن جائیں گیں۔ آپ یہ نہ سوچا کریں، کہ ہم مدرسہ کی چہار دیواری میں بند ہیں، ہمیں باہر کی دنیا کا کچھ پتہ نہیں۔ ٹھیک ہے، اللہ نے ہمیں دین کے لیے چنا ہے، ہم اپنے ایمان کو بچا کر زندگی گزار رہیں ہیں، آج کے دور میں یہ ایمان کا بچانے کا ذریعہ ہے، آج اگر سنت زندہ ہے، تو علماء وطلباء کی وجہ سے، آج اگر دین زندہ ہے تو علماء وطلباء کی وجہ سے، آج سینوں میں ایمان موجود ہے علماء کی وجہ سے؛ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آج آپ حضرات اس ایمان کو سیکھنے کے لیے یہاں بیٹھے ہیں، یہ اللہ -رب العزت- کی خاص رحمت ہے، اور اس کا خاص فضل ہے۔

عزیز طلبہ! ہم ایک جماعت ہیں، ہم سب کی سوچ ایک ہی ہے، وہ سوچ یہ ہے کہ اللہ تعالی ہم سے راضی ہو جائیں، اس کو راضی کرنے کے لیے ہم یہ کتابیں پڑھتے ہیں، اس کو راضی کرنے کے لیے ہم اساتذہ کی خدمت میں وقت گزارتے ہیں، اور اس کو راضی کرنے کے لیے ہم مشائخ کے پاس آتے ہیں، گویا ہمارے ہر کام کا اصل مقصد **"رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ"**[1] ہے۔

---

(۱) پ:۱۰ سورۃ التوبۃ آیت: ۷۲

آپ کا کام ہے کہ شوق اور محبت سے پڑھیں، اور علمی ماحول بنائیں، اخلاص کے ساتھ عمل والا ماحول بنائیں، اور فسق و فجور سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کریں؛ تا کہ قیامت کے دن اللہ -رب العزت- کے حضور ہم سب کامیاب ہوجائیں۔

آپ کے حق میں فقیر کی دعائیں

یہ عاجز بندہ جب دور بھی بیٹھا ہوتا ہے، تو اساتذہ اور طلبہ کے لیے دعائیں کررہا ہوتا ہے۔ -الحمد للہ- اللہ تعالی توفیق دیدیتے ہیں، یہ اس عاجز کا کمال نہیں؛ بلکہ یہ اس کمال والے کا کمال ہے، وہ جب چاہتا ہے، نااہلوں پر بھی اپنی رحمتیں نازل فرمادیتا ہے۔ اس عاجز کے پاس دینے کے لیے فقط دعا ہے، اور میرے مالک کے پاس دینے کے لیے بڑے خزانے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اِس سال حج کے موقع پر اللہ -رب العزت- نے اس عاجز کو "ملتزَم" سے لپٹ کر دعا مانگنے کی توفیق دی، --- "ملتزم" ایک ایسی جگہ ہے، جو "حجر اسود" اور "باب کعبہ" کے درمیان ہے، حدیث پاک میں آیا ہے نبی علیہ السلام اس جگہ پر اس طرح لپٹ جاتے تھے، جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے سینہ کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ [1] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: کہ جس طرح حدیث کا متن صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے، اسی طرح ان محدثین کی تصدیق بھی تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس جگہ پر محدثین کی مانگی ہوئی دعائیں بھی قبول ہوئیں، وہ فرماتے ہیں کہ اب میں اس کتاب میں یہ حدیث مبارکہ لکھ رہا ہوں تو میں بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میری دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کیسی قبولیت والی جگہ ہے -الحمد للہ- اللہ تعالی نے اس عاجز کو بھی وہاں دعا مانگنے کا شرف عطا فرمایا --- ان بیس منٹوں میں اس عاجز نے اس مرتبہ ایک ہی دعا مانگی:

"اے اللہ جتنے لوگ اس عاجز کے ساتھ روحانی تعلق رکھتے ہیں، اور جتنے بھی طلبہ اور

---

(۱) مستفاد: سنن ابن ماجۃ باب الملتزم ص: ۲۱۲ رقم: ۲۹۶۲

طالبات اس عاجز کے اداروں میں پڑھتے ہیں ان سب کو اپنے مقرب بندوں اور بندیوں میں شامل فرما دیجیے، اور قیامت تک ان اداروں میں جو لوگ بھی آ کر پڑھتے رہیں گے، ان کو بھی اپنے مقرب بندوں میں شامل فرما دیجیے"۔

ہمارے اکابر، بڑے دور بیٹھ کر ہمارے لیے دعائیں کرتے تھے اور اب ہم اپنے دوست واحباب کے لیے دور بیٹھے دعائیں کرتے ہیں۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

اللہ -رب العزت- ہماری اس دعا کو قبول فرمالے، اور ہمیں گناہوں سے بچا کر اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمادے۔ ہم بے قدرے ہیں، اللہ تعالی ہمیں قدردان بنادیں۔ ہم نے واقعی اللہ -رب العزت- کی وہ قدر نہیں کی جو کرنی چاہیے تھی۔ حیران اس بات پر ہوں کہ وہ ہم بے قدروں کو بھی نعمتیں دیدیتا ہے، وہ بڑے حوصلہ والی ذات ہے جو ہمارے عیبوں کی ستر پوشی کردیتا ہے، اور ہمارے عیبوں کے باوجود لوگوں کی زبان سے ہماری تعریفیں کروارہا ہے۔

اگر ان نعمتوں میں رہ کر بھی، ہم معصیت کی زندگی گزارتے رہے، حسنِ فانی کی تمناؤں میں دیوانے بنے پھرے؛ تو یہ بڑی ناقدری ہوگی، آج اس بے قدری والے گناہ سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

عزیز طلبہ! پروردگارِ عالم بندہ کو اپنے در سے کبھی خالی نہیں جانے دیتے، حق یہ بنتا تھا، کہ اگر کوئی بندہ اللہ -رب العزت- کے در سے واپس جانا چاہتا، تو اللہ تعالی دروازہ بھی بند کردیتے اور پیچھے سے ایک دھکّا بھی لگوادیتے، کہ جادفع ہوجا؛ مگر نہیں، جو بندہ اللہ تعالی کے در کو چھوڑ کر جارہا ہوتا ہے، پروردگارِ عالم اپنے اس بندے کو اپنی طرف واپس بلاتے ہیں **"یَاأَیُّهَا الإِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ"** "اے انسان تجھے تیرے کریم

پروردگار سے کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا؟''[1] کیوں دھوکہ میں پھرتا ہے؟ دنیا کے پیچھے کیوں بھاگا پھر رہا ہے؟ ارے! چند ٹکوں کی متاع کے پیچھے بھاگنے والے! تیرا کریم پروردگار متوجہ ہے، اور چاہتا ہے کہ تو اس کے قریب ہو جائے۔ دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ ؎

میرے گھر کے راستہ میں، کوئی کہکشاں نہیں ہے

انہیں پتھروں پہ چل کے، اگر آسکو تو آؤ

یہ دنیا والوں کی باتیں ہیں جب کہ پروردگار کا معاملہ کچھ اور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! اگر تو ایک بالشت میری طرف آئے گا، تو میری رحمت تیری طرف دو بالشت آئے گی، اگر تو ایک ہاتھ میری طرف آئے گا تو میری رحمت دو ہاتھ آئے گی، اور اگر تو میرے در کی طرف چل کے آئے گا، تو میری رحمت تیری طرف دوڑ کر آئے گی۔[2] تیرا کریم پروردگار تو متوجہ ہے؛ مگر تو کب توبہ کرے گا؟ تو کب اپنے رب سے صلح کرے گا؟ تو کب گناہوں کو چھوڑے گا؟ تو کب شیطان کے در کو چھوڑ کر اپنے رب رحمن کی طرف متوجہ ہوگا؟ جیسے ماں اپنے روٹھے ہوئے بچہ کو کہتی ہے: کہ اے میرے بیٹے! امی سے ناراض نہیں ہوتے، تیری ماں تجھ پر کتنی شفیق ہے، لگتا ہے کہ پروردگار بھی اسی انداز میں فرما رہے ہیں:

''یَاأَیُّهَا الإِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ''[3]

قربان جائیں میرے مالک تیری شانِ کریمی پر، آپ کتنے کریم ہیں؟ کتنے قدردان ہیں؟ ہم ناقدرے ہیں، آپ کو فرمانا پڑا **وَمَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ**۔[4] پروردگارِ عالم ہماری اس جگہ پر حاضری کو قبول فرمالے، آپ سب طلبہ اور اساتذہ کی محنت کو قبول فرمالے، ہمیں اس جگہ سے خالی نہ لوٹائے، اور ہم سب کو بحیثیت ایک جماعت قبول فرما کر اپنے مقرّب بندوں میں شامل فرمالے۔

---

(۱) پ:۳۰ سورۃ الانفطار، آیت:۶ (۲) حدیثِ قدسی صحیح مسلم باب فضل الذکر والتقرب إلی اللہ ۲/ ۳۴۳ رقم:۲۶۷۵ (۳) پ:۳۰، سورۃ الانفطار، آیت:۶ (۴) پ:۷، سورۃ الانعام، آیت:۹۱

علم کا لطف اہل اللہ کی صحبت سے

كُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ کے مصداق کون؟

كُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ(۱)

سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ وہ کون سچے؟ جن کے ظاہر اور باطن میں فرق نہیں ہوتا۔ چنانچہ مفسرین نے اس کا ترجمہ ''مشائخ وقت'' لیا ہے، کہ تم مشائخ کی صحبت میں بیٹھو اور ان سے فائدہ پاؤ۔ چنانچہ علم کا لطف عشقِ الٰہی کی برکت سے ملتا ہے، ان مشائخ کی صحبت سے۔

روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ **كُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ** کا مطلب یہ ہے

كُوْنُوا مِثْلَهُمْ فِي الصِّدْقِ وَخُلُوْصِ النِّيَّةِ(۲)

(تم اتنا ان کے ساتھ ملو، رابطہ رکھو، کہ) صدق اور خلوص میں تم ان کے مانند بن جاؤ۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم نیکوں کی صحبت کو اختیار کریں، مشائخ کی صحبت اختیار کریں؛ تاکہ ہمارے اندر حال پیدا ہو جائے۔ ابھی تو ہم قال کے بندے ہیں، پھر ہم حال کے بندے بھی بن جائیں۔

پہلے زمانے میں مشائخ ان دونوں نعمتوں کے حامل اور کامل ہوا کرتے تھے، ان کے پاس تعلیمات نبوی بھی ہوتی تھیں، اور کیفیات نبوی بھی ہوتی تھیں وقت کے ساتھ

---

(۱) پ:۱۱، سورۃ التوبۃ، آیت:۱۱۹ (۲) روح المعانی ۷/ ۶۵

ساتھ وہ کمال، وہ جامعیت باقی نہ رہی، وقت کے ساتھ ساتھ کچھ جاہل صوفیا کے اعمال نے علماء کو بہکا دیا۔ علماء اتنا بگڑ گئے کہ انہوں نے اس ''تصوف'' کو ''شجرِ ممنوعہ'' سمجھنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ جی کیفیات کو چھوڑ دو، بس اپنا ایمان بچاؤ! مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلباء عشق نبوی والی کیفیات میں کمزور ہوتے چلے گئے اور یہ انحطاط اور یہ زوال آج مدارس کی فضا میں نظر آتا ہے۔ تو اب ضرورت ہے کہ ان دونوں چیزوں کا رشتہ بحال کیا جائے: خانقاہوں میں رہنے والے مدارس میں آ کے علم سیکھیں، اور مدارس میں رہنے والے خانقاہوں میں جا کر ذکر سیکھیں، تاکہ ان میں پھر وہی کمالات پیدا ہو جائیں۔

عبارت یاد ہونے کا تعلق ذہانت سے ہے؛ مگر زندگی اس کے مطابق ڈھل جائے، اس کا تعلق دل سے ہے۔ زندگی ڈھل جانے کا تعلق عبارت یاد ہونے سے نہیں ہے، بلکہ دل سے ہے۔ تو پھر دل تو دل والوں کے پاس بیٹھ کر بنے گا۔ اہل دل کے پاس بیٹھ کر بنے گا۔ تب اس میں نور آئے گا، رحمت آئے گی، سکینہ آئے گا اور یہ مردہ دل زندہ ہو جائے گا؛ اسی لیے فرمایا:

عَلَیکَ بِمُجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ، وَاسْمَعْ کَلَامَ الْحُکَمَاءِ

علماء اور داناؤں کی مجلسوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ (۱)

اکابرینِ امت اور ضرورتِ مرشد

امام قُشیریؒ نے لکھا ہے: کہ جتنے بھی بڑے علماء گزرے، فقہاء گزرے سب نے کسی کی صحبت پائی۔ فرماتے ہیں، کہ مشائخ کے ساتھ انقیاد و تواضع کا معاملہ علماء میں سے اماموں نے بھی کیا ہے۔

❊ علامہ ابن حجرؒ بخاری شریف کے شارح ہیں، انہوں نے ایک وقت میں ''شیخ مدین'' سے ملاقات کی، توجہ کا اثر ایسا پڑا کہ بقیہ زندگی رابطے ہی میں گزار دی۔

(۱) قال رسول اللہ ﷺ: إن لقمان قال لابنه: یا بني! علیک الخ، مجمع الزوائد باب فی فضل العلماء ومجالستهم ۲ / ۳۸۱ رقم: ۵۲۴

❊ ہم جو درسِ نظامی پڑھتے ہیں، اس کی قبولیت کا راز یہ ہے، کہ ملا نظام الدینؒ جو صاحبِ درس نظامی ہیں، وہ انڈیا کے ایک گاؤں کے تھے۔ ''اَوَدھ'' انڈیا کے ایک شہر کا نام ہے۔ وہاں کا ایک گاؤں تھا ''بانسا'' اس گاؤں کے ایک غیر معروف بزرگ تھے، اللہ والے تھے، اُن سے جا کر انہوں نے بیعت کی۔ ان کی دعائیں تھیں، جن سے ان کو اخلاص ملا اور اخلاص کے سبب اللہ نے ان کے بنائے ہوئے، ترتیب دیئے ہوئے کتب کے نظام کو قبولیت عطا فرمائی۔

❊ مولانا جامیؒ جن کی آپ شرح جامی پڑھتے ہیں، ان کی بیعت ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار کے ساتھ تھی۔

❊ ایک اور بزرگ علامہ سید شریف جرجانیؒ، -درسِ نظامی والے طلباء ان کو جانتے ہیں- علامہ سید شریف جرجانیؒ کی بیعت ہمارے سلسلہ عالیہ کے بزرگ خواجہ علاؤالدین عطار کے ساتھ تھی۔ اب دیکھیے کہ بڑے بڑے علماء وہی تھے، جنہوں نے اپنے وقت کے مشائخ سے فیض پایا، اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالی نے دین کا کام ان لوگوں سے لیا، جو ظاہری باطنی علوم کے جامع تھے، صدق اور اخلاص کا اثر ان کی تحریر اور تقریر میں آ گیا تھا۔

امام غزالی پر شیخ کی صحبت کا اثر

امام غزالیؒ نے زمانہ طالب علمی میں ہی خواجہ بوعلی فارمدیؒ سے تربیت پائی۔ ان کی تربیت پر روشنی ڈالنے کے لیے، ان کے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ جس مدرسے میں امام غزالیؒ پڑھتے تھے، وہ مدرسہ وقت کے بادشاہ نظام الملک طوسی نے بنوایا تھا۔ مدرسے کے حالات کے بارے میں بادشاہ کو اطلاع دی گئی، کہ جناب! آپ نے جو مدرسہ بنوایا تھا، وہاں پر تو طلبہ سب کے سب دنیا دار ہیں، دین سیکھنے والا کوئی بھی نہیں۔ بادشاہ نے کہا: اچھا، میں اتنا پیسہ خرچ کر رہا ہوں، اور اگر طلبہ وہاں کتابیں پڑھ کر بھی دنیا

دار بنیں گے، تو کیا فائدہ؟ اس مدرسے کو تو بند ہی کر دیا جائے؛ مگر دل میں خیال آیا، کہ میں وہاں جا کر احوال تو دیکھوں۔ جب بادشاہ اپنا بھیس بدل کر وہاں پہنچا، تو اس نے ایک طالب علم سے پوچھا، کہ بھائی! آپ یہاں کیسے آئے؟ کہنے لگا: میں علم پڑھ رہا ہوں، میرے والد فلاں جگہ مفتی ہیں، میں بھی مفتی بنوں گا، لوگوں میں عزت ہوا کرے گی۔ دوسرے سے پوچھا: تو اس نے کہا: میرے والد فلاں جگہ قاضی ہیں، میں بڑا ہو کر ان کا عہدہ سنبھالوں گا۔ تیسرے سے پوچھا، تو اس نے کہا: وقت کا بادشاہ علماء کی قدر کرتا ہے، میں عالم بنوں گا اور بادشاہ کا مصاحب بنوں گا؛ یہ باتیں سن کر بادشاہ نے سوچا کہ واقعی یہ تو سب کے سب دنیادار ہیں، مجھے اتنے پیسے خرچ کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ ارادہ لے کر جب باہر نکلنے لگا، تو دروازے کے قریب اس نے دیکھا، کہ ایک طالب علم چراغ جلائے پڑھ رہا ہے، اس نے سوچا کہ چلو، اس سے بھی بات کرتا چلوں؛ چنانچہ بادشاہ قریب ہوا، اور کہا: ''السلام علیکم'' طالب علم نے کہا: ''وعلیکم السلام'' اور پھر پڑھنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا بات ہے، کہ آپ مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کرتے؟ طالب علم نے کہا: کہ جی میں آپ سے یہاں باتیں کرنے تو نہیں آیا۔ بادشاہ نے پوچھا، بھئی آپ کس لیے آئے ہیں؟ طالب علم نے جواب دیا، میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں اپنے پروردگار کو راضی کروں، مجھے نہیں پتہ، کہ میں کیسے اُسے راضی کر سکتا ہوں؟ یہ باتیں اِن کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، میں یہ کتابیں پڑھوں گا، ان باتوں کو سمجھ کر اُن پر عمل کروں گا، اور اپنے پروردگار کو راضی کروں گا۔ یہ بچہ جب بڑا ہوا، تو وقت کا امام غزالی بنا!!۔ یہ شیخ کی صحبت تھی، جس نے بچپن ہی سے ان کے دل میں جذبہ بھر دیا، کہ دین پڑھنے کا مقصد اللہ کی رضا ہوتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جو بندہ دین کو اپنے جسم پر لاگو کرنا چاہتا ہے، اوڑھنا بچھونا بنانا چاہتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ مشائخ کاملین کی صحبت میں آئے، اپنے آپ کو حوالہ کر دے، اور پھر

دیکھے کہ اللہ تعالیٰ دل کی دنیا کو کیسے بدلتے ہیں؟ اس کے بغیر علمِ محض تو رہتا ہے، علم کا راستہ پوری طرح نہیں کھلتا، علامہ اقبال کا ایک عجیب شعر ہے۔

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو نہ تھی خبر کہ ہے علمِ نخیل بے رطب

''نخیل'' کہتے ہیں کھجور کے درخت کو، اور ''رطب'' کہتے ہیں کھجور کو، کھائی جانے والی جو ہوتی ہے تو نخیل بے رطب یعنی درخت بغیر پھل کے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم باطن کی یہ نعمت حاصل کرنے کی کوشش کریں، اور اس کے لیے اپنے آپ کو کھپا دیں۔

صحبت اہل اللہ حضرت تھانویؒ و کشمیریؒ کی نظر میں

حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا: کہ آج زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو میں فرض عین کہتا ہوں۔ یہ حکیم الامت کے الفاظ ہیں، ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں۔

عبد اللہ بہلویؒ ہمارے حضرت فضل علی قریشیؒ کے خلیفہ، بہت بلند مقام کے بزرگ ہیں، ان کا درسِ تفسیر بڑا معروف تھا، رمضان المبارک میں سینکڑوں علماء جو اپنے مدارس میں تفسیر پڑھاتے تھے، ان کے ہاں تفسیر کا دورہ کرنے جاتے تھے۔

اللہ نے علماء میں اتنا مقبول بنایا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے: کہ میں نے اپنا دورۂ حدیث محدث اعظم حضرت انور شاہ کشمیریؒ سے کیا، جب حضرت نے بخاری شریف پڑھا دی تو اس کے بعد فرمایا (طلباء کو مخاطب کر کے) جتنی بار چاہو بخاری شریف ختم کر لو جب تک اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی نہ کرو گے، تم روح علم سے محروم رہو گے۔

علامہ عبد الحق محدث دہلوی کی نصیحت

علامہ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: کہ جب میں پڑھنے کے لیے گیا تو میرے والد صاحب نے مجھے پیچھے سے خط لکھا اور فرمایا: بیٹے! ملائے خشک و ناہموار نہ باشی

(ملائے خشک و ناہموار نہ بننا) کئی خشکے بھی ہوتے ہیں، آپ سمجھ رہے ہوں گے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لیے دس سال لگاتے ہیں، تو کیا وہ اس پر عمل کا رنگ چڑھانے کے لیے دس ماہ نہیں لگا سکتے؟ جس طرح ''کنز'' ''ہدایہ'' پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح ابو طالب مکی کی ''قوت القلوب'' اور امام غزالی کی ''اربعین'' پڑھنا بھی ضروری ہے۔ دس سال گزر گئے کتابوں میں دین کو پڑھتے ہوئے، اس دین کی عملی شکل بھی تو دیکھیں۔

صحبت کی برکت سے تکبیرِ اولیٰ کی پابندی

ہمارے مشائخ کی تکبیر اولی کی پابندی دنوں کے حساب سے نہیں، سالوں کے حساب سے ہوتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند کے سالانہ جلسے میں آئے، تقریر ختم ہوئی، اذان ہوگئی، تو حضرت سیدھے مصلے کی طرف چل پڑے، مصافحہ کرنے والوں کا مجمع اتنا زیادہ تھا، دیوانے پروانے اتنے تھے کہ حضرت کو چلنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی، لوگوں کو بہت کہا کہ راستہ دے دو، منت سماجت کی، اتنا ٹائم لگ گیا کہ ابھی راستہ میں تھے کہ جماعت کھڑی ہوگئی۔ حضرت نے نماز تو خیر پڑھ لی؛ مگر بعد میں آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کسی نے پوچھا، کہ کیا ہوا؟ فرمایا: آج تیس سال کے بعد میری تکبیر اولی فوت ہوئی ہے!! یہ نعمت ان کو کیسے ملی؟ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے۔ اس سے پھر انسان کا دل بیدار ہوجاتا ہے۔

تنقیدی نظر محرومی کا سبب

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: کہ صحبت میں رہو، تو تم محبت کے ساتھ رہو، تنقید کی نظر کے ساتھ رہو گے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیوں کہ تم ہر وقت تولتے ہی رہو گے۔ ؎

مری ہر نظر تری منتظر، تری ہر نظر مرا امتحاں

تو کئی طلباء علماء کو دیکھا کہ تولتے ہی رہتے ہیں، کہ فلاں بزرگ ایسا، فلاں بزرگ

ایسا، فائدہ اٹھانے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

تو اصول کی بات یاد رکھیں! کہ علم کا لطف عمل سے اور عمل کا لطف عشق سے۔ دل میں عشق الٰہی ہو، تو عمل کرنے کا بھی مزہ، نماز کا مزہ؛ تلاوت کا مزہ، تو علم کا لطف عمل سے اور عمل کا لطف عشق سے اور عشق کی دولت عاشقین کی صحبت سے۔

یہ ذہن میں رکھیے کہ تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے، کہ کوئی حال طاری ہوا ہم نماز میں لوٹنے لگ گئے، محفل ذکر میں لوٹنے لگ گئے، نیچے لیٹنے لگ گئے؛ اس کا نام تصوف نہیں۔ تصوف نام ہے ملکات کے حاصل کرنے کا کہ اخلاقیات انسان کے اندر آجائیں، اس کا نام تصوف ہے۔

نسبت کی گارنٹی

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:- عجیب بات لکھی، پڑھ کر حیران ہوا- فرماتے ہیں: چار کام کرو اور نسبت ملنے کی گارنٹی دیتا ہوں۔ یہ کوئی عام آدمی بات نہیں کر رہا ہے، مجدد ملت فرمارہے ہیں۔

ایک: نیک اعمال کا اہتمام کرو۔

دوسرا کام: صحبت صلحاء اختیار کرو، کسی سے بیعت کرو۔

تیسرا: ان کے کہنے کے مطابق ذکر کی کثرت کرو۔

چوتھی بات: جب اُن سے دور رہو، تو ان کی کتابوں سے، مواعظ سے، ان کے ملفوظات سے فائدہ اٹھاؤ۔

فرماتے ہیں: کہ چار کام کرو گے تو واللہ! واللہ! واللہ- تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا-: اللہ تعالیٰ تمہیں نسبت کا نور عطا فرمادیں گے!!! اللہ کے بندے نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا ہے، تو معلوم ہوا کہ کرنے میں کمی ہے۔ صحبت اختیار کریں پھر دیکھیے کہ نسبت کی برکتیں کیا رنگ دکھاتی ہیں۔

گر تو سنگِ خارۂ مرا شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

سنگ مرمر بھی ہے، کسی اللہ والے کے پاس آجاؤ، وہ اللہ والا تجھے ہیرا اور موتی بنا کر رکھدے گا۔

قیامت کے دن جن سات آدمیوں کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے دو بندے ہیں، جو اللہ کے لیے ایک دوسر سے محبت کرتے ہونگے۔[1] تو اللہ والوں کی صحبت میں رہیں، اور جو بندہ اللہ کا عاشق اور اللہ کا دیوانہ بن جاتا ہے، پھر دل اللہ کی محبت میں تڑپتا ہے، اللہ کی محبت میں اداس ہوتا ہے، انسان راتوں کو اٹھ کر رویا کرتا ہے۔ پتہ ہے یہ محبت کیا ہے؟ چنانچہ اشعار میں فرمایا۔

محبت کیا ہے دل کا درد سے معمور ہو جانا
متاع جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا
قدم ہے راہ الفت میں، تو منزل کی ہوس کیسی
یہاں پر عین منزل ہے، تھکن سے چور ہو جانا
یہاں پر سر سے پہلے، دل کا سودا شرط ہے یارو!
کوئی آساں نہیں ہے، سرمدو منصور ہو جانا
بسا لینا کسی کو دل میں، دل کا ہی کلیجہ ہے
پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جل کر طور ہو جانا

طور پہاڑ پر اللہ کی تجلی پڑی تھی، ریزہ ریزہ ہوگیا تھا، سرمہ بن گیا تھا۔

علماء نے لکھا ہے کہ شیخ سے جو محبت ہے وہ اس نظر سے کرو کہ یہ اللہ-رب العزت-کا چاہنے والا ہے، اللہ سے محبت کرنے والا ہے، اللہ سے محبت کرنے والا ہے، میرے اللہ! میں یہ سعادت حاصل نہ کرسکا مگر میں نے اس دل سے محبت کا رشتہ تو جوڑلیا۔ پھر دیکھو کہ

(۱) صحیح بخاری باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ ۱/ ۱۳۵ رقم: ۶۵۱

اللہ-رب العزت-کے یہاں کیسے قبولیت نصیب ہوتی ہے؟اللہ-رب العزت-ہمیں اپنی بارگاہ میں قبول فرمالےاوراپنی محبت سے ہمارے دلوں کوبھر دے۔اللہ تعالی ہمیں اللہ والوں کی صحبت میں رہنے، بیٹھنے، سیکھنے اور اپنے آپ کو انسان بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

تحصیلِ علم کے لیے چند ضروری چیزیں

(۱) مطالعہ

اس امت کو اللہ -رب العزت- کی طرف سے جو پہلا پیغام ملا، وہ پیغام تھا، **"اقرأ"** ''پڑھ۔''[۱] جب قرآن اترا تو سب سے پہلا لفظ یہی تھا۔

سب سے پہلا پیغام لفظ ''توحید'' بھی ہوسکتا تھا؛ اس لیے کہ توحید کے بغیر انسان کا ایمان ہی ممکن نہیں۔

یہ بھی ممکن تھا کہ سب سے پہلا لفظ ''رسالت'' کے متعلق ہوتا۔

سب سے پہلا پیغام ''قیامت'' کے متعلق ہوسکتا تھا۔

مگر ایسا نہیں ہوا، یہ پہلا پیغام توحید کے متعلق آیا۔ نہ رسالت کے متعلق آیا، اور نہ ہی قیامت کے متعلق آیا، اگر آیا تو کس کے متعلق؟ فرمایا: **"اقرأ"** پڑھنے کے متعلق آیا، اس سے پتہ چلا کہ پڑھنے کا عمل اللہ تعالی کو اتنا پسند ہے۔

افسوس ہماری حالت پر...

مگر افسوس کہ ہمارے دلوں میں اس پہلے لفظ کی محبت پیدا نہیں ہوئی۔ علم دوستی نکلتی چلی جارہی ہے۔ پہلے ہمارے اکابرین اس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک کہ وہ کچھ وقت تک کے لیے مطالعہ نہیں کر لیتے تھے، اور آج اس وقت تک نہیں سوتے، جب تک

(۱) پ: ۳۰ سورۃ العلق، آیت: ۱

آپس میں مل کر گپیں نہیں لگا لیتے۔ ہمارے اکابرین صبح اٹھتے ہی شوق سے تلاوت کیا کرتے تھے، اور آج کے حضرات دن کی ابتدا اخبار کی تلاوت سے کرتے ہیں!!!

حق تو یہ ہے کہ بندۂ مومن کو پوری زندگی علم میں آگے بڑھنا چاہیے، علم میں ہر روز ترقی ہونی چاہیے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: **مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ** ''کہ جس بندے کے دو دن ایک جیسی حالت میں گزرے، وہ انسان **مَغْبُوْنٌ** یعنی گھاٹے میں ہے''[1] یعنی دو دن بھی ایک جیسے نہیں ہونے چاہئیں؛ بلکہ ہر روز بندے کے علم اور عمل میں ترقی ہونی چاہیے، ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دن سے بہتر ہونا چاہیے۔ اور برابر تو کیا، ہمارا ہر آنے والا دن پہلے دن سے تنزّلی والا ہوتا ہے، اور اعمال کے اعتبار سے گر رہے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں! کہ جب ہم علم دوست بنیں گے، تو امت کے اندر علم آئے گا، اور عمل کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

علم کے قدردان بنیں

جو علم کے قدردان ہیں، وہ ساری زندگی اپنے آپ کو علم میں بڑھاتے ہیں۔ آپ جتنا علم پڑھ سکتے ہیں، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم نے اپنی عمر میں جتنا علم حاصل کیا، ہمارے اکابر اتنا علم حاصل کر کے شاید بھول ہی جایا کرتے تھے۔ ان کا بھولا ہوا علم ہمارے حاصل کردہ علم سے زیادہ ہوتا تھا۔ یقین جانیں کہ ان کے دماغ میں کتابیں ہوتی تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا: کہ ان کا دماغ کتابوں کا خزینہ ہوتا تھا۔

عُشّاقِ مطالعہ کی مثالیں

⁕ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا کہ تم اتنے ذہین تو نہ تھے؛ مگر تمہاری کوشش و مداومت نے تمہیں آگے بڑھا دیا۔

⁕ ''بستان المحدثین'' میں لکھا ہے: کہ امام طحاویؒ اپنے ماموں، امام مزنیؒ کے

---

(۱) کشف الخفاء ۲/ ۳۰۵ رقم: ۲۴۰۶

پاس پڑھا کرتے تھے، بعض اوقات سبق یاد کرنے میں بہت مشکل پیش آتی۔ ایک مرتبہ ماموں نے عار دلائی کہ تم کتنے کند ذہن ہو، بات کیوں نہیں سمجھتے؟ امام طحاویؒ کو یہ سن کر بہت قلق ہوا؛ چنانچہ آپ نے فقہ میں اس قدر محنت کی کہ لوگوں نے آپ کو امام طحاویؒ کے نام سے یاد کرنا شروع کردیا! یہ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا ہی ثمرہ ملا۔

✳ حضرت حکیم الامت کے ایک وعظ میں ہے کہ دہلی کے ایک غریب طالب علم نے دوکاندار سے کہا: میں رات کو آپ کی دوکان کا پہرہ دوں گا، آپ مجھے اتنا تیل دے دیا کریں، کہ رات بھر مطالعہ کرسکوں۔ دکاندار بہت خوش ہوا کہ اتنی کم اجرت پر پہرہ دار مل گیا، جب کہ طالب علم نے سجدہ شکر ادا کیا کہ میرے مطالعے کے لیے اللہ تعالی نے اتنی آسانی پیدا کردی۔

✳ ایک رات یہ طالب علم مطالعہ میں مشغول تھا، کہ بادشاہ کی سواری اپنے باجے گاجے سمیت ادھر سے گزری۔ لوگوں کا جم غفیر جشن دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوگیا۔ ایک صاحب نے طالب علم سے پوچھا: ''کیا بادشاہ کی سواری چلی گئی؟'' اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں البتہ ایک شور ضرور ہوا تھا۔

✳ حضرت گنگوہیؒ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا، کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا، تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔

✳ حضرت قاری عبدالرحمن محدث پانی پتیؒ کے حالات میں ہے کہ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، ایک دن اچھی طرح مطالعہ نہ کرسکے، تو والد صاحب نے سبق نہ پڑھایا، آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا نہ کھایا اور اس کے بعد مطالعہ میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔

✳ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ میں نے امام محمد کے ساتھ ایک رات کمرے میں گزاری، تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے کاغذات پڑھتے رہتے۔ پھر چراغ بجھا کر لیٹ جاتے، میں سمجھتا تھا سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ بیٹھتے اور چراغ جلاتے، پڑھنے بیٹھ

جاتے۔ پھر چراغ بجھا کر سو جاتے۔ میں نے دیکھا کہ ایک رات میں سولہ مرتبہ انہوں نے چراغ جلایا اور اپنی کتاب کو پڑھا۔ اب جو بندہ سولہ مرتبہ بستر سے اٹھے۔ تو کیا وہ سویا ہوگا؟ میں سوچتا تھا کہ یہ کچھ پڑھ کر سو جاتے ہیں؛ مگر حیرت اس بات پر ہوئی کہ جب فجر کا وقت ہوا۔ تو انہوں نے اسی عشاء والے وضوء سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کتابوں کو پڑھتے تھے۔ پھر اس پر غور وخوض کے لیے ذرا پر سکون ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور چراغ بجھا دیتے تھے۔ کیوں کہ جب لکھنے کا کام ہی نہیں، تو چراغ جلانے کا کیا فائدہ؟

کسی نے پوچھا؟ کہ آپ رات کو سوتے کیوں نہیں؟ تو فرمانے لگے: کہ میں اس لیے رات کو نہیں سوتا کہ لوگ ہم پر اعتماد کر کے میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔ اگر ہم بھی سو جائیں، تو پھر ان کو علم کے مسائل کا جواب کون دیا کرے گا؟

بِقَدْرِ الكَدِّ تَكْتَسِب الْمَعَالِي
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِي
وَمَنْ رَامَ الْعُلٰى مِن غَيْرِ كَدٍّ
أَضَاعَ الْعُمْرَ فِيْ طَلَبِ الْمُحَالِ

تم اپنی کوشش کے مطابق ہی بلند مقام تک پہنچ سکو گے۔ جو بلندیوں کا طلب گار ہو اسے راتوں کو جاگنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر مشقت کے بلندی مل جائے گی، تو وہ ایک محال بات کی طلب میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ (۱)

❊ حکیم جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم اپنے ساتھیوں سے علم وحکمت میں ممتاز کیسے ہو گئے؟ جواب دیا کہ ”میں نے کتاب بینی کے لیے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا جتنا لوگ شراب پر خرچ کرتے ہیں“۔

امام زہریؒ جب مطالعہ کے لیے بیٹھتے، تو ان کے ارد گرد کتابوں کا ڈھیر ہوتا تھا،

---

(۱) دیوان امام شافعیؒ ص: ۱۰۲

انہماک اس قدر ہوتا کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ ہوتی۔ بیوی کو یہ بات کب گوارا تھی؟ ایک روز ناراض ہو کر کہنے لگی: **وَاللّٰهِ هٰذِهِ الْكُتُبُ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ ثَلٰثِ ضَرَائِرَ**

اللہ کی قسم یہ کتابیں میرے لیے تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

✳ امام شافعیؒ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنیؒ نے اپنے استاذ کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا، اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھے نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔

✳ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے زمانۂ طالب علمی کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

''دریں اثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب در می گذشت، والد قدس سرہ مرا فریاد می زد: بابا چہ می کنی؟''

(جب مجھے مطالعہ کرتے آدھی رات سے زیادہ وقت گزر جاتا تو والد صاحب فرماتے: ''بھلا کب تک جاگو گے؟'')

✳ شاہ اسعد اللہ صاحبؒ ناظم اعلی مظاہر العلوم فرمایا کرتے تھے کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

✳ حضرت مولانا اعزاز علیؒ کو کتب بینی کا اتنا شوق تھا کہ جب بیمار ہوتے تھے، تب بھی سرہانے کتابوں کا اتنا انبار لگا رہتا۔ فرمایا کرتے کہ میری بیماری کا علاج کتب بینی ہے۔

✳ مولانا منہاج الدین حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے استاذ تھے، زمانہ طالبعلمی میں لاہور سے دہلی گئے تو دوکانداروں کے چھوٹے موٹے کام کر کے ان سے آٹا اور گھی لے لیا کرتے تھے، رات کو آٹے کا چراغ بنا کر اس میں گھی ڈالتے، اور اس کی روشنی میں رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے، دن میں اس کی ٹکیاں پکا کر کھا لیتے اور اسی پر قناعت

کرتے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اتنی شہرت پائی کہ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔

انسان کو بناتا ہے اکمل ''مطالعہ''
ہے چشمِ دل کے واسطے کاجل ''مطالعہ''
دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل ''مطالعہ''
کرتا ہے آدمی کو، مکمل ''مطالعہ''
یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق
جو دیکھتے ہیں غور سے اول ''مطالعہ''
اسعد ''مطالعہ'' میں گزاروں تمام عمر
ہے علم وفضل کے لیے مشعل ''مطالعہ''

(۲) سبق کی پابندی

طالب علم کو چاہیے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے اس سے بے برکتی ہوتی ہے، بسا اوقات اس ناقدری کی وجہ سے انسان علم سے محروم ہوجاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ برسوں سے امام ابو حنیفہؒ کے درس میں حاضر رہے، امام صاحب نماز فجر کے بعد درس شروع کردیا کرتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی امام ابو حنیفہؒ سے جدا نہ ہوتا تھا، مجلسِ علم کی شرکت مجھے اتنی محبوب تھی۔

❊ علامہ ابن جوزیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں سبق میں شریک ہونے کے لیے اس قدر دوڑا کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس پھول جاتا تھا۔

❊ ایک مرتبہ مدینہ میں شور ہوا کہ ہاتھی آگیا، اس آواز کو سنتے ہی طلباء درس چھوڑ کر بھاگ گئے امام مالکؒ نے دیکھا کہ ان کا ایک شاگرد یحییٰ اطمینان سے بیٹھا سبق پڑھ رہا ہے، پوچھا اے یحی! آپ ہاتھی دیکھنے نہیں گئے؟ عرض کیا، حضرت! میں نے علم حاصل کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا ہاتھی دیکھنے کے لیے نہیں۔ امام مالکؒ نے خوش

ہوکر اسے ’’عاقل اہلِ اندلس‘‘ کا لقب دیا۔یہی طالب علم بعد میں ’’ناقل موطا امام مالک‘‘ بنے۔

آج ایسا وقت آ گیا ہے، طلباء ریچھ اور بندر دیکھنے کے لیے سبق قضاء کر دیتے ہیں!!۔

(۳) تکرار و مذاکرہ

سلف صالحین کا قول ہے کہ:

لِکُلِّ شَیٍٔ بَابٌ وَبَابُ الْعِلْمِ تَکْرارٌ

(ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور علم کا دروازہ تکرار ہے)

اور ایک قول یہ بھی ہے:

اَلْعِلْمُ یَزِیْدُ بِالتَّکْرَارِ

(علم تکرار کرنے سے زیادہ ہوتا ہے)

❊ عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام الدرداء کی خدمت میں پہنچے، اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے، پھر عرض کیا کہ شاید آپ اکتا گئی ہوں گی؟ فرمانے لگیں کیا کہتے ہو؟ ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے، علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔

❊ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ’’علم میں گفتگو کرتے رہا کرو کہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں‘‘

❊ ’’تعلیم المتعلم‘‘ میں لکھا ہے کہ طالب علم کو چاہیے کہ گزشتہ سبق کا تکرار پانچ مرتبہ کرے، اس سے پہلے کا چار مرتبہ، اس سے پہلے کا تین مرتبہ، اس سے پہلے کا دو مرتبہ اور چھٹے روز کا ایک مرتبہ روزانہ تکرار کرے، یہ علم محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک گزشتہ سبق تکرار کرکے یاد نہ کرے، اس وقت تک دوسرا سبق ہرگز نہ پڑھے۔

تکرار کرنے والے طلباء اپنے علم میں اتنے پختہ ہوجاتے ہیں کہ گزشتہ سال کی کتابیں طلبہ کو پڑھا سکتے ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكُلَّمَا فَرَغْتُ مِنْ تَحْصِيْلِ كِتَابٍ شَرَعْتُ فِي تَدْرِيْسِهٖ

(جس کتاب کے پڑھنے سے فارغ ہوجاتا اس کو پڑھانا شروع کردیتا)

بعض حضرات کے زمانہ طالب علمی کے حالات میں لکھا ہے: کہ جب انہیں کوئی طالب علم تکرار کے لیے نہ ملتا، تو دیوار کے سامنے بیٹھ جاتے اور دیوار کو مخاطب کرکے سبق کا تکرار کرلیتے، پھر فرض کرلیتے کہ مخاطب نے بات نہیں سمجھی، تو انداز بدل کر بات سمجھاتے۔ اس طرح کئی مرتبہ تکرار کرنے سے سبق ازبر ہوجاتا۔

(۴) حسنِ سوال

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: **اَلْعِلْمُ خَزَائِنُ فَسْئَلُوا - يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ - فَإِنَّهٗ يُؤْجَرُ فِيْهِ اَرْبَعَةٌ**

''تم سوال پوچھا کرو - اللہ تم پر رحم فرمائے -؛ اس لیے کہ علم کا سوال پوچھنے پر چار قسم کے بندوں کی مغفرت ہوا کرتی ہے، **اَلسَّائِلُ، وَالْمُعَلِّمِ، وَالسَّامِعُ، وَالْمُحِبُّ لَهُمْ۔**

پہلا وہ بندہ جو سوال پوچھنے والا ہوتا ہے، دوسرا وہ شخص جو سوال کا جواب دے رہا ہوتا ہے، تیسرا وہ شخص جو پاس بیٹھا ہوا اور ان دونوں کے سوال و جواب سُن رہا ہو، اور چوتھے وہ لوگ جو اس سائل اور معلم سے محبت کرنے والے ہوں۔ (۱)

علم کی کنجی ''حسن سوال'' ہے جس طالب علم کے اندر حسن سوال کی صفت پیدا ہوگئی، آپ یوں سمجھ لو، کہ اللہ تعالی نے اس کو علم کے باب عطا فرمادیے۔

اللہ تعالی ہمیں علم نافع عطا فرمائے، ہمارے پچھلے گناہوں کو اللہ تعالی معاف فرما کر بقیہ پوری زندگی اس علم پر عمل کرنے، اور اسے پورے عالم میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمادے۔

---

(۱) کنز العمال کتاب العلم، قسم الاقوال ۱۰ / ۵۸ رقم: ۲۸۶۵۸

مقصدِ اصلی... علم کا نور اور متکلم تک رسائی

نبی-علیہ السلام- کی پیاری دعا

نبی-علیہ السلام- نے ارشاد فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الخ

(اللہ تعالی اس شخص کے چہرہ کو ترو تازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا، اس کو محفوظ کیا، اور اس کو لوگوں تک پہنچایا)[1]

یعنی جو شخص اس علم کو حاصل کرے گا، اپنے دل میں محفوظ کرے گا، اپنے عمل کے ذریعہ محفوظ کرے گا، اور پھر اسے دوسروں تک پہنچائے گا؛ اس کے لیے نبی علیہ السلام کی ایک مستقل دعا ہے۔ ذرا غور کریں! کہ یہ کتنی پیاری دعا ہے، چہرہ تو ترو تازہ تب ہوگا، جب نہ کوئی پریشانی ہو، نہ خوف ہو، نہ مصیبت ہو، اور پھر دل میں سکون بھی ہو؛ ورنہ تو اچھے بھلے بندہ کا چہرہ مرجھا جاتا ہے۔ تو دیکھیے کہ لسانِ نبوت سے کیسی پیاری دعا نکلتی ہے!!۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے، نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

"اللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي" (اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما)

---

(۱) سنن ترمذی، باب ماجاء في الحث علی تبليغ السماع ۲/ ۹۴

"**قِيۡلَ وَمَنۡ خُلَفَاءُكَ**" (پوچھا گیا، یارسول اللہ! آپ کے خلفا کون ہوں گے؟)

تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "**اَلَّذِيۡنَ يَرۡوُوۡنَ اَحَادِيۡثِي**"

(جو لوگ میری احادیث کی آگے روایت کریں گے)[1]

اسی لیے کہتے ہیں، کہ علماء انبیاء کے نائب ہوتے ہیں، ورثائے انبیاء ہوتے ہیں۔تو یہ کتنی بڑی فضیلت ہے، کہ اس علم کو حاصل کرنا، محفوظ کرنا، اور اس کو آگے پہنچانا، اس پر نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے ایسی بشارت ملی ہے۔ یہ بشارت سن کر تو جی چاہتا ہے، کہ اس علم کی خدمت میں انسان اپنی زندگی ہی لگا دے، اپنی جوانی کو کھپا دے، ہمارے اکابر نے ایسا ہی کیا۔

✳ حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ، صاحب ''معاجم ثلاثہ''، طلبِ حدیث میں پینتیس سال گھومے، اور ایک ہزار مشائخ سے علم حاصل کیا!!

✳ ابوحاتم رازیؒ نے خود بیان کیا کہ تحصیل علمِ حدیث کے لیے نو ہزار میل پیادہ چلے!!

✳ ابن مقریؒ نے ایک کتاب کا نسخہ حاصل کرنے کے لیے آٹھ سو چالیس میل کا سفر پیادہ طے کیا!!

✳ امام بخاری بچپن میں یتیم ہو گئے تھے-اللہ کی شان دیکھیے کہ اس دنیا میں یتیم ہی کو ''دُرِّ یتیم'' بنایا جاتا ہے-خود فرماتے ہیں، کہ میں علمِ حدیث حاصل کرنے کے لیے اتنی مرتبہ کوفہ گیا، کہ مجھے گنتی بھی یاد نہیں۔امام بخاریؒ نے اپنی زندگی میں بخاری شریف کی احادیث نوے ہزار شاگردوں کو پڑھائیں۔اور اس علم کو اللہ رب العزت نے کتابوں میں محفوظ کروا دیا، اس کی برکت سے آج ہم بھی یہاں موجود ہیں، اور اس وقت بھی ہم ان کتابوں کے ذریعہ نبی علیہ السلام کی ان احادیث کو پڑھ سکتے ہیں، اور ان پر عمل کر سکتے ہیں۔

---

(۱) الترغیب والترہیب ۱/ ۶۲

علم کا نور حاصل کیجیے

عزیز طلبہ! بعض کلام ایسے ہوتے ہیں، کہ جن میں نور ہوتا ہے جیسے ''کلام اللہ'' یہ اللہ کا کلام ہے، اس کلام کے اندر ایک نور ہے۔ جو شخص اس کلام کو پڑھتا ہے اس کو نور ملتا ہے، اس پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں، چنانچہ اللہ تعالی خود ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

اور جب قرآنِ پاک پڑھا جائے تو تم خاموش رہو اور غور سے سنو؛ تاکہ تم پر رحمتیں برسیں [1]

اس کلام الٰہی میں نور بھرا ہوا ہے، اور وہ نور سینہ میں ملتا ہے؛ اسی لیے حدیثِ پاک میں فرمایا:

''تَبَرَّكْ بِالْقُرْآنِ، فَهُوَ كَلَامُ اللهِ''

(تم قرآن سے برکت حاصل کرو، وہ اللہ کا کلام ہے)[2]

جس طرح کلام اللہ میں نور ہوتا ہے، اسی طرح کلام رسول اللہ ﷺ میں بھی نور ہوتا ہے؛ کیوں کہ نبی علیہ السلام بھی منور شخصیت تھے، اللہ کے نبی تھے، اور ان کا کلام اللہ کی وحی تھی، ان کا جو کلام تھا، وہ قرآن کی تفسیر تھی۔

''لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِم''[3]

لہٰذا کلامِ نبوی کے اندر بھی نور ہے؛ اس لیے حدیث مبارکہ کو پڑھنے سے بھی نور ملتا ہے۔ ہم جو علم حاصل کرنے کے لیے یہاں بیٹھے ہیں، اس کا اصل مقصد بھی یہی ہے، کہ ان الفاظ وحروف کے اندر جو نور چھپا ہوا ہے، وہ نور ہمیں مل جائے لہٰذا اگر وہ نور ہمیں مل گیا، تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ ''اکمال الشیم'' میں لکھا ہے: ''کہ علم نافع وہی ہے، جس کی شعائیں سینے و دل میں پھیل جائیں، اور شکوک وشبہات کو پھاڑ دیں۔'' اگر ہم حدیث

---

(۱) پ: ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۲۰۴ (۲) المعجم الکبیر ۳/ ۲۱۹ رقم: ۳۱۹۹۳ (۳) پ: ۱۴، سورۃ النحل، آیت: ۴۴

پاک کو آداب کے ساتھ ،طلب کے ساتھ ،اور شوق کے ساتھ پڑھیں گے،تو ان الفاظ وحروف کے اندر جو نور ہے، وہ ہمارے سینہ میں آئے گا، اور اس نور کے ملنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیں گے۔

طالبانِ علومِ نبوت پر نور کی کِرنیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: کہ میں حج پر گیا، جب میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لیے ''مواجہہ شریف'' پر حاضر ہوا،تو میں نے خود دیکھا، کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے قلبِ اطہر سے ایک نور آرہا تھا، اور اس نور کی کِرنیں باریک باریک سنہری دھاگوں کی شکل میں ان لوگوں کے دلوں پر پڑ رہی تھیں، جو حدیثِ پاک کی خدمت کرتے تھے۔سبحان اللہ! چوں کہ یہ نبی علیہ السلام کے وارث ہیں؛ اس لیے تھوڑی محنت پر بھی ان کی زیادہ پذیرائی ہوتی ہے اور انہیں جلدی قبولیت نصیب ہوجاتی ہے۔

امام شافعیؒ -رحمۃ اللہ علیہ- جب امام مالکؒ -رحمۃ اللہ علیہ- کے پاس گئے،تو انہوں نے دیکھ کر فرمایا تھا: کہ ''اے نوجوان! میں تیرے سینے میں ایک نور دیکھتا ہوں، تم اس نور کی حفاظت کرتے رہنا۔'' وہ علم کا نور تھا، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے میں عطا فرمادیا تھا۔

لہٰذا ہر طالب علم یہ کوشش کرے کہ بڑی طلب کے ساتھ ،اور ادب کے ساتھ حاضری کی پابندی کرے، سبق کا ناغہ نہ ہو، استاذ کے آداب کی رعایت رکھے، اور توجہ سے بیٹھ کر سنے، تاکہ قرآن حدیث کا نور ہمارے سینوں میں منتقل ہوجائے۔

امام مالکؒ کے پاس لوگ آتے تھے،تو باندی کو بھیج کر پوچھتے کہ کیوں آئے ہو؟ اگر وہ کہتے: کہ جی ہم مسائل پوچھنے آئے ہیں،تو آپ ویسے ہی ان کو مجلس میں بلالیتے ،اور اگر وہ کہتے کہ جی ہم حدیث مبارک سننے کے لیے آئے ہیں،تو غسل فرماتے، کپڑے پہنتے، اچھی خوشبو لگاتے، جبہ پہنتے، عمامہ پہنتے اور ایک شان کے ساتھ ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ کے

حبیب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی حدیث کو بیان فرماتے۔حدیث کا اتنا احترام فرماتے تھے۔

دوسرا مقصد... محبوب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- تک رسائی

خصوصاً دورۂ حدیث کے طلبہ جو احادیث مبارکہ پڑھیں گے، اس کلام کے ذریعہ ان کی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روحانی ملاقات بھی ہوسکتی ہے۔تو عزیز طلباء! ہمیں الفاظ میں پھنسے نہیں رہنا، آگے جانا ہے.... کلام سے ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟..... متکلم تک پہونچنا ہے؛ لہذا مزہ تو یہ ہیکہ حدیث مبارکہ کے اس سال میں ہمیں نبی علیہ السلام کی ایسی محبت نصیب ہوجائے ، اور سنت پر ایسی استقامت نصیب ہوجائے کہ ہم اللہ کے محبوب کے عشق میں ڈوب جائیں، پھر پڑھنے کا مزہ ہے۔

اس لیے بعض اکابر کہتے ہیں کہ جو اخلاص کے ساتھ دورۂ حدیث کی کلاس پڑھے گا، اس کو سال میں کم ازکم ایک مرتبہ تو نبی علیہ السلام کا خواب میں دیدار ضرور نصیب ہوگا؛ بلکہ ہم نے ایسے طلباء بھی دیکھے ہیں -جن کا اس عاجز سے بیعت کا تعلق ہے- وہ آکر حالات بتاتے ہیں کہ ''ان کو ہر مہینے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔'' کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہیں جن کو ''ہر ہفتے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔''

❋ ہمارے ایک تعلق والے دوست ہیں، وہ -الحمد للہ- حافظ الحدیث ہیں، ایک دفعہ وہ اپنے اسباق اور اپنی کیفیات کے بارے میں بیٹھے بتارہے تھے، میں نے ان سے پوچھا: آپ بخاری شریف کے حافظ ہیں، کیا آپ نے ان احادیث مبارکہ کی برکات کا بھی مشاہدہ کیا ہے؟ وہ فرمانے لگے: حضرت! میں اس بات پر حیران ہوں، کہ حفظِ حدیث کے بعد میرے اوپر اللہ کا ایسا فضل ہے، کہ میرا کوئی ہفتہ بھی نبی علیہ السلام کی زیارت سے خالی نہیں گزرتا، کم ازکم ایک بار اور کبھی کبھی ایک سے زیادہ بار مجھے نبی علیہ السلام کی زیارت ہوتی رہتی ہے۔سبحان اللہ!!

❋ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری -رحمۃ اللہ علیہ- حدیثِ پاک کی خدمت کی وجہ

سے بہت زیادہ نبی علیہ السلام کی زیارت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کچھ ہفتوں کے لیے ان کو زیارت ہونا بند ہوگئی، تو حضرت کشمیریؒ کو غم کی وجہ سے اِسہال لگ گئے۔ کسی نے وجہ پوچھی، تو فرمایا: کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی غلطی اور کوتاہی نہ ہوگئی ہو جس کی وجہ سے سزا کے طور پر مجھے اس نعمت سے محروم کر دیا گیا ہو؛ چنانچہ خوب روئے، اللہ تعالیٰ کو ان کا رونا پسند آ گیا اور اللہ رب العزت نے اس نعمت کو واپس لوٹا دیا۔ سبحان اللہ! تو یہ علماء اور طلباء جب ذرا آگے قدم بڑھاتے ہیں تو پھر ان کے اوپر اللہ رب العزت کی خاص رحمت ہوتی ہے۔

تو جو صحیح جذبہ اور شوق کے ساتھ، محبت اور طلب کے ساتھ، حدیث پاک کو پڑھتے ہیں، پھر وہ کلام کے ذریعہ متکلم تک پہنچ جاتے ہیں؛ چنانچہ پورا سال یہ دعا کرتے رہنا کہ ہمیں بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ ایسا تعلق نصیب ہوجائے، یہی مقصود ہے۔ ایک تو وہ نور حاصل کرنا ہے، جو حدیث پاک میں ہے، اور دوسرا کلام سے متکلم تک کا سفر کرنا ہے، تاکہ ان کے ساتھ ایک روحانی نسبت قائم ہوجائے۔

حالتِ بیداری میں دیدارِ نبوی کا نسخہ

آج دنیا کہتی ہے کہ جی ایسا وظیفہ بتائیں کہ جس سے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوجائے۔ میرے محسن! میرے دوست! میں تجھے وہ وظیفہ نہ بتاؤں کہ تو بیداری کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کیا کرے؟

مشائخ فرماتے ہیں کہ ''جو انسان اپنی رفتار میں، اپنی گفتار میں، اپنے کردار میں، لیل ونہار میں، معاشرت میں، حتی کہ اپنی زندگی کے ہر کام کاج میں؛ نبی اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے میں کمال پیدا کر لیتا ہے، اللہ - رب العزت - اسے جیتے جاگتے اپنے محبوب ﷺ کی زیارت کروادیا کرتے ہیں''۔

سوتے میں دیکھتے ہو، جاگتے میں کیوں نہیں دیکھتے؟ مگر اس کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے، اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ہے۔

طلبۂ حدیث پر خصوصی رحمت

حدیث پاک پڑھنے والے طلبہ پر اللہ-رب العزت-کی خصوصی رحمت ہوتی ہے؛اس لیے آپ بڑے اہتمام کے ساتھ مسنون دعائیں پڑھیں،ہر کام میں اتباع سنت کا لحاظ رکھیں،اور تقوی کا اہتمام کریں۔پھر آپ حدیث پاک پڑھتے جائیں گے اور اس کا نور ملتا جائے گا،اور پھر اس نور کی برکت سے متکلم تک تعلق نصیب ہوجائے گا۔اللہ کا کتنا کرم ہے!! اللہ تعالی ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ سچی محبت نصیب فرمادیں (آمین) کہاں ہم ناکارہ لوگ،اور کہاں وہ نبی علیہ السلام کی پکی سچی محبت؟ مگر اللہ-رب العزت-اس پر قادر ہیں،کہ وہ ہمیں بھی یہ نصیب فرمادیں۔

حدیث پڑھنے والے طلباء کو ہر روز حدیث کا نور ملتا ہے،انسان کے چہرہ پر نور نظر آتا ہے؛چنانچہ ہمارے اکابر نے لکھا ہے:جب دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے والے بھی صاحب نسبت ہوتے تھے،پڑھنے والے بھی کئی صاحب نسبت ہوتے تھے،تو فرماتے ہیں اس وقت طلبہ کا یہ حال ہوتا تھا کہ جب دارالحدیث سے حدیث کا سبق پڑھ کر نکلتے تھے تو ان کے چہروں پر ایسے نور رہوتا تھا کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے،کہ شاید یہ رمضان المبارک کا اعتکاف کرنے کے بعد نور والے چہروں سے مسجد سے باہر نکل رہے ہیں؛یعنی جیسے معتکف کے چہرے پر اعتکاف کے مکمل ہونے کے بعد نور ہوتا ہے،ایسے ہی وہ فرماتے ہیں:کہ حدیث کا درس سننے پر ہمارے چہروں پر نور آجاتا تھا۔اللہ اکبر کبیرا!!

ذوق وشوق کے ساتھ حدیث پڑھیں تو ہم بھی منور چہروں کے ساتھ باہر نکلیں گے یہی نور ہمیں حاصل کرنا ہے۔

واقعی سچی بات یہ ہے کہ اگر یہ نور نصیب ہوگیا،تو پھر دین کا کام کرنے کا مزہ آئے گا، اسی لیے اللہ تعالی قرآن مجید میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَّمْشِي بِهٖ فِي النَّاسِ"

(اور وہ جو مردہ تھا، ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اسے ایسا نور عطا کیا، کہ اس نور کو لے کر وہ انسانوں کے درمیان دین کا کام کرتا ہے)[1]

بھئی! اگر اپنے اندر نور نہ ہوا، تو ہماری بے نور باتیں لوگوں کے دلوں پر کیا اثر کریں گی؟ یہی وجہ ہے کہ آج یہ شکوہ کیا جاتا ہے، کہ جی لوگ ہماری باتیں سنتے ہی نہیں، لوگ بے نور باتیں کیوں سنیں گے؟ اس لیے یہ نور حاصل کرنے کا وقت ہے۔

نور کے حصول میں بڑی رکاوٹ

اس نور کو حاصل میں سب سے بڑی جو رکاوٹ ہے، وہ گناہ ہیں، اس مقصد کے لیے اپنی خواہشات پر چُھری پھیرنی پڑتی ہے ؎

نہ جب تک صدقِ دل سے ترک کردیں حظِّ نفسانی
کبھی بھی آپ کو حاصل نہ ہوگا لطفِ روحانی

اس لیے کہ ؎

فَإِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ إِلٰهِي
وَنُوْرُاللّٰهِ لَايُعْطٰى لِعَاصِي

(علم اللہ کا نور ہے، اور اللہ کا نور گناہگاروں کو نہیں دیا جاتا)[2]

طلباء متفکر بھی رہیں، ایسا نہ ہو کہ آٹھ سال ان چٹائیوں اور صفوں پر بیٹھے بیٹھے جسم پر داغ تو لگ گئے؛ لیکن اگر وہ نور نہ ملا، تو ہمارا یہ بیٹھنا کس کام کا ہوگا؟ آپ نے گائے اور بھینسوں کو دیکھا ہوگا، کہ زمین پر بیٹھ بیٹھ کر ان کے بھی گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان بنے ہوتے ہیں، ہم بھی اگر صفوں پر بیٹھے رہے، اور ہمارے بھی فقط نشان ہی بنے تو وہ جانوروں والی نسبت ہے۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالی ہمارے دلوں کو منور فرمادے، اس کے لیے ہمیں معصیت کو چھوڑنا ہوگا، سچی توبہ کرنی ہوگی، اور اخلاص اور اتباع سنت کے ساتھ سال گزارنا

---

(۱) پ:۸، سورۃ الانعام، آیت: ۱۲۲ (۲) دیوان امام شافعیؒ ص: ۸۷ بلفظ: وأخبرني بأن العلم نور ونور الخ

ہوگا؛ تا کہ اللہ تعالی ہمارے دلوں کو منور فرمادے۔ اللہ تعالی ہم پر رحمت فرمائے، اور ہمارے لیے حدیث پاک کے اس نور کو حاصل کرنا آسان بنادے۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ کوئی بندہ اللہ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا، ہم یہ کتابیں پکڑ کے بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں؛ آنکھیں ہماری میلی، زبان ہماری جھوٹی، دل ہمارا سخت اور سیاہ؛ ہم کہاں اس قابل ہیں کہ قرآن وحدیث کی ان کتابوں کو ہاتھ میں لے کر بیٹھیں؟ اللہ تعالی تو حقیقتِ حال کو جانتے ہیں؛ مگر اللہ -رب العزت- نے رحمت فرمادی کہ ہم گناہ گاروں کو بھی اللہ نے ان کتابوں کو کھول کر بیٹھنے کی توفیق عطا فرمادی۔ اب یہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! جب آپ نے اس جگہ تک پہنچادیا، تو اب اسی حال میں خالی گھروں کو نہ لوٹانا، دے کر بھیجنا، کچھ نور دل میں آجائے کچھ ہم سنور جائیں۔

عزیز طلباء! دلوں میں یہ نور اتارنے کے لیے اس دل کو صاف کرنا پڑے گا، گناہوں کو چھوڑنا ہوگا، ورنہ ہم اپنے گناہوں کے ساتھ نور کو تو کیا حاصل کرسکیں گے؟ اس کلام سے متکلم تک تو کیا پہنچیں گے؟ ہم تو اس متکلم کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہیں گے۔ قیامت کے دن ایک طرف تو حدیث پاک کا ادب کرنے والے وہ لوگ ہوں گے، جو غسل کرکے، خوشبو لگا کر، باوضو ہو کر حدیث پاک پڑھایا کرتے تھے؛ وہ تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل جیت لیں گے۔ اور دوسری طرف ہم بے ادب لوگ ہوں گے، جو حدیث پاک پڑھتے تھے، اور پڑھتے پڑھتے بھی گناہوں کے خیالات میں گم رہتے تھے!! ہم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے؟ یاد رکھنا اس متکلم کو نیک اعمال سے خوشی ہوتی ہے، اور گناہوں سے غم ہوتا ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے ایک شعر لکھا، جس پر حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ جو تبلیغی جماعت کے بانی ہیں، وہ یہ فرمایا کرتے تھے: کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس شعر کے لکھنے کی وجہ سے اس بندے کے گناہوں کی مغفرت فرمادیں گے۔ عجیب شعر لکھا، فارسی زبان کا

شعر ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے مَن پذیر

''اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے، میں فقیر ہوں، قیامت کے دن میرے عذروں کو قبول کر لینا۔''

گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفی پنہاں بگیر

''اور اللہ! اگر آپ فیصلہ کر لیں کہ آپ نے قیامت کے دن میرا احساب ضرور لینا ہے، تو اللہ! مصطفی کریم کی نگاہوں سے اوجھل میرا احساب لے لینا، مجھے ان کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔'' اللہ اکبر کبیرا!!!

کسی نے کیا عجیب بات کہی۔

اپنے دامانِ شفاعت میں چھپائے رکھنا
میرے سرکار میری بات بنائے رکھنا

کہ دنیا میں تو اللہ نے میرے گناہوں پہ پردے ڈالے ہوئے ہیں، تمام لوگ گناہوں کے باوجود میری عزت قدر کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ قیامت کے دن میرے عیبوں پر اپنی رحمت کی چادر ڈال کر اپنی شفاعت عطا کر دینا، تا کہ قیامت کے دن بھی میری عزت بنی رہے۔

میں نے مانا کہ گناہگار ہوں، پَر آپ کا ہوں
اس گناہگار سے سرکار، نبھائے رکھنا

اے اللہ کے حبیب! میں نے مانا کہ میں گناہگار ہوں؛ مگر ہوں تو آپ کا......میں نے اللہ کی وحدانیت کا کلمہ پڑھا، آپ کی رسالت کی گواہی دی، اے اللہ کے حبیب جیسا بھی ہوں، ہوں تو آپ کا۔ اور واقعی ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ اگر کسی کے گھر کے اندر کوئی

نوکر پرانا ہوجائے، تو پھر گھر والے اس کی سُستی کو بھی برداشت کرجاتے ہیں، گزارا کرتے ہیں کہ اب اس کو کیسے نکالیں؟ ہمارے سوا تو کوئی اس کا ہے نہیں، نہ اس کی ماں زندہ، نہ باپ زندہ، نہ گھر ہے، نہ در ہے، اب جیسا بھی ہے ہمیں اس کو اس طرح برداشت کرنا ہے، آپ بھی اپنے اس امتی کو برداشت فرمالیجیے گا!۔

ذرّۂ خاک کو ''خورشید'' بنانے والے
''خاک'' ہوں میں مجھے قدموں سے لگائے رکھنا

اے اللہ کے حبیب! آپ تو خاک کے ذرے پر نظر ڈالتے تھے، تو سورج بنادیا کرتے تھے، میں قدموں کی خاک ہوں مجھے قدموں سے لگائے رکھیے، قیامت کے دن اپنی شفاعت عطا کردیجیے!

اللہ! ہمیں گناہوں کے مواقع سے ہی بچالیجیے اور جو گناہ کرچکے، اللہ! ان کی بخشش فرمادیجیے! اور آئندہ ہمیں نیکوکاری کی توفیق عطا فرمادیجیے۔

نور حاصل کرنے کے لیے دعا

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا، وَفِيْ بَصَرِي نُوْرًا، وَفِي سَمْعِي نُوْرًا، وَعَنْ يَمِيْنِي نُوْرًا، وَعَنْ يَسَارِي نُوْرًا، وَفَوْقِيْ نُوْرًا، وَتَحْتِيْ نُوْرًا، وَأَمَامِيْ نُوْرًا، وَخَلْفِي نُوْرًا، وَاجْعَلْ لِي نُوْرًا. وَفِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَفِي لَحْمِي نُوْرًا وَفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَفِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَفِي بَشَرِيْ نُوْرًا (اے اللہ میرے دل میں نور کردے، میری آنکھوں میں نور کردے، اور میرے کانوں میں نور کردے، اور میرے دائیں نور کردے، اور میرے اوپر نور کردے اور میرے نیچے نور کردے اور میرے آگے نور کردے اور میرے پیچھے نور کردے اور تو مجھے ہی نور بنادے۔ اور میرے پٹھوں میں نور کردے اور میرے گوشت میں نور کردے اور میرے خون میں نور کردے اور میرے بالوں میں نور کردے اور میری کھال میں نور کردے۔ (۱)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الدعوات ۲ / ۱۴۳۸، رقم: ۶۰۷۱

گناہوں کی گندگی سے باطنی غسل کی مجلس

گناہوں کے نقصانات کا علم

امام غزالیؒ نے لکھا ہے: کہ ''عالم وہ شخص ہوتا ہے، جس پر گناہوں کے نقصانات اچھی طرح واضح ہوجائیں۔'' جس انسان کے نزدیک نیکی اور گناہ میں فرق ہی نہیں ہوتا، وہ ایک طرف گناہ بھی کررہا ہوتا ہے، اور دوسری طرف تسبیح بھی پھیر رہا ہوتا ہے، اس کے پاس علم ہے ہی نہیں اور اگر علم ہے، تو وہ علم نافع سے محروم ہے۔ قرآن عظیم الشان میں ہے:

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاہُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ

''کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے، جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے اللہ نے علم کے باجود اس کو گمراہ کردیا؟''(۱)

علم کے باوجود گمراہی کا کیا مطلب؟ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگوں کو سگریٹ پینے کی عادت ہوتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ ''سگریٹ نوشی'' مُضِرِّ صحت ہے؛ مگر پھر بھی پیتا ہے، اس کو کہتے ہیں علم کے باوجود گمراہ ہونا، اسی طرح انسان جانتا ہے کہ غیر محرم کو دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے؛ مگر اس کی نگاہیں قابو میں نہیں ہوتیں، وہ بیمار ہوتا ہے، اس کا اپنے اوپر بس نہیں

---

(۱) پ:۲۵، سورۃ الجاثیۃ، آیت: ۲۳

چلتا، اس کا نفس اس گھوڑے کی طرح بے قابو ہوتا ہے جو اپنے سوار کی بات نہیں مانتا اور بھاگتا ہی رہتا ہے۔ جس انسان کو علمِ نافع نصیب ہو جائے، اور وہ گناہوں کے نقصانات کو اچھی طرح پہچان لے، وہ آدمی پھر گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا، اور ہر ممکن اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز - رحمۃ اللہ علیہ - کے شاگرد کا ایمان افروز واقعہ

شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک شاگرد تھا، اس کو ایک مرتبہ کسی عورت نے بہانے سے گھر میں بلوایا، کہ ایک مریض ہے، اس کو پڑھ کر دم کر دیجیے، وہ سادہ آدمی تھا بے چارہ۔ جب گھر میں گیا، تو دروازے بند۔ تب اس کو پتہ چلا کہ اس خاتون کی تو نیت ٹھیک نہیں کہنے لگی: کہ میں روزانہ تجھے گزرتے ہوئے دیکھتی تھی، میرے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو گیا؛ لہذا اب میں گناہ کرنا چاہتی ہوں، اب تالا لگ چکا ہے، اگر نہیں مانو گے، تو میں شور مچاؤں گی، اور بہتان لگا کر سنگسار کرواؤں گی، اب دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو؛ یا تو سنگسار ہونا پسند کر لو، یا میرے ساتھ گناہ کا ارتکاب کر لو۔ اب کیسے گناہ سے بچے؟ اس نے فوراً بہانہ کیا کہ مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہے؛ چنانچہ وہ بیت الخلاء میں چلا گیا، وہاں جا کر جو گندگی پڑی ہوئی تھی، اس نے وہ گندگی اپنے جسم پر مَل لی۔ جب باہر نکلا، تو بو کے بھبکے آرہے تھے۔ جب وہ اس عورت کے قریب آیا، تو اتنی بدبو آرہی تھی، اس نے کہا: مجھے کیا پتہ تم اتنے کمینے اور بے وقوف انسان ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے، چنانچہ دروازہ کھولا، اس نے اپنا ایمان بچایا، نکل آیا۔ اب رو رہا تھا کہ راستہ میں لوگوں کو بدبو آئی، تو میں کیا جواب دوں گا؟ سیدھا مدرسے پہنچا، وہاں جا کر غسل خانے میں کپڑے بھی پاک کیے، دھوئے، غسل کیا، اور گیلے کپڑے پہن کر حضرت کے درس کے اندر آکر پیچھے بیٹھ گیا، یہ کبھی لیٹ نہیں آیا تھا، اس دن لیٹ ہو گیا- تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے درس دینے کے دوران رُک کر پوچھا: ارے تم میں سے آج اتنی تیز خوشبو لگا کر کون آیا؟ لڑکوں نے جب

اِدھر اُدھر دیکھا، ایک لڑکے نے بتایا کہ جو یہ نیا لڑکا آیا ہے، ابھی دیر سے، اس نے خوشبو لگائی ہے، حضرت نے قریب بلایا، فرمایا: کہ تم نے اتنی تیز خوشبو کیوں لگائی؟ جب بار بار پوچھا تو بتانا پڑا، اس کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے، اس نے واقعہ سنایا، کہنے لگا: حضرت! میں نے تو اپنے دامن کو بچانے کے لیے؛ عزت کو بچانے کے لیے اپنے جسم پر گندگی کو لگایا تھا؛ لیکن اب میں نہا بھی چکا، دھو بھی چکا، جہاں جہاں گندگی لگائی تھی، میرے جسم کے ان حصوں سے خوشبو آرہی ہے؛ چنانچہ جب تک یہ نوجوان زندہ رہا، اس کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی؛ اس لیے لوگ انہیں ''خواجہ مشکی'' کہہ کر پکارتے تھے۔

گناہ نجاست ہیں

ایک موٹی سے بات ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ نیکی سے جسم سے خوشبو آتی ہے، اور گناہ سے جسم سے بدبو آتی ہے، اگر ہم نیکوکار بن جائیں گے، تو ہمارے جسم سے بھی باطنی طور پر خوشبو آئے گی۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! گناہ باطنی اعتبار سے نجاست کی مانند ہوتا ہے؛ چنانچہ ہم جس عضو سے گناہ کرتے ہیں، ہمارا وہ عضو باطنی طور پر ناپاک ہو جاتا ہے۔ نجاست کے اندر بدبو ہوتی ہے، لہذا انسان جن اعضا سے گناہ کرتا ہے، اُن اعضاء سے باطنی طور پر بدبو آتی ہے، سیدنا عثمانؓ کے پاس ایک صاحب آئے، اور آپ نے دیکھ کر فرمایا: کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ہماری محفلوں میں بے مہابہ چلے آتے ہیں، اور ان کی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ بسا اوقات گناہوں کی بدبو بعض لوگوں کو دنیا میں بھی محسوس ہو جاتی ہے۔ ہمارے اکابر گھر میں وضو کر کے اگر کبھی مسجد کی طرف جانے لگتے اور بے اختیار کسی غیر محرم پر نظر پڑ جاتی، تو دوبارہ وضو فرماتے تھے کہ آنکھ غلط پڑ گئی، اب اس نجس آنکھ کے ساتھ میں مصلی پہ کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں؟ اتنا خیال کرتے تھے!!

ہم سوچیں تو ہمارے تو جسم کا ہر عضو ہی آپ کو نجس نظر آئے گا۔

یاد رکھیں! کہ گناہوں کی یہ بدبو صرف دنیاوی زندگی میں اور موت کے وقت ہی فرشتوں کو محسوس نہیں ہوتی؛ بل کہ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی اُن کے اعضاء سے بدبو محسوس ہوگی؛ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے: کہ جو انسان زنا کار ہیں، جہنم میں ڈالنے کے باوجود ان کی شرمگاہوں سے ایسی بدبودار ہَوا نکلے گی، کہ سارے جہنمیوں کو پریشان کر دے گی، اور وہ بڑے غصے کے ساتھ اس جہنمی کو دیکھ کر کہیں گے: کہ ''تیرے جسم سے کیسی بدبو نکلی؟ جس نے جہنم کے اندر ہماری تکلیف میں اضافہ کر دیا''۔[1]

جس انسان کے پاس علم کا نور ہوتا ہے، اس نور کے آتے ہی گناہوں کے سانپ بچھو اس کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں، پھر وہ انسان اُن سانپ بچھوؤں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہم میں اور اولیاء اللہ میں بنیادی فرق

یہ ایک موٹی سی بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ عام لوگوں میں اور اولیاء اللہ میں بنیادی فرق گناہوں سے بچنے کا ہے۔ ہمارے سلسلے میں بھی گناہوں سے بچنا سکھایا جاتا ہے۔ ہمارے اس سلوک میں لمبی چوڑی نیکیوں اور نفلی عبادتوں کا اتنا مقام نہیں، جتنا مقام گناہوں سے بچنے کا ہے۔ ایک آدمی دن رات تسبیح کا کسبی بنا ہوا ہے، لمبی نفلیں، لمبی عبادتیں اور ذکرو اذکار اور پتہ نہیں کیا کچھ نیکیاں کر رہا ہے؛ مگر ساتھ ہی گناہوں کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے، نہ آنکھ قابو میں آتی ہے، اور نہ زبان قابو میں، ایک دوسرا سالک ہے، جو لمبے چوڑے درود وظیفے تو نہیں کرتا؛ مگر کم از کم گناہوں سے بچتا ہے، ہمارے مشائخ نے فرمایا: کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنے والا، اس لمبے چوڑے وظیفے کرنے والے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؛ کیوں کہ لمبے چوڑے درورد و وظیفے کرنے والا ''اوپر سے لا الہ، اندر سے س کالی بلا'' کا مصداق بن چکا ہوتا ہے۔

---

(۱) مستفاد: الترغیب والترہیب، کتاب الحدود وغیرہا، ۳/ ۱۹۰، احیاء علوم الدین آفات العلم ۱/ ۶۹

نبی-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-کی ایک حدیث مبارکہ دل کے کانوں سے سننے والی ہے، ذرا توجہ کیجیے گا! سالم مولی ابی حذیفہ-رضی اللہ عنہ-روایت کرتے ہیں:

اللہ کے نبی-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-نے فرمایا: کہ قیامت کے دن کچھ لوگ پیش کیے جائیں گے، جن کی نیکیاں "تہامہ" کے پہاڑوں کے برابر ہوں گی، جب جنت کے قریب آئیں گے تو ان کو کہہ دیا جائے گا کہ ان کا جنت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

صحابی کہتے ہیں: میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ ذرا اس قوم کا حلیہ بیان کردیجیے؛ تاکہ ہم ان کو پہچان تو لیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بھی ان میں سے نہ ہوجاؤں نبی-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو روزے رکھتے ہوں گے نمازیں پڑھتے ہوں گے اور راتوں کو تہجد بھی پڑھتے ہوں گے؛ لیکن جب ان کو کوئی گناہ کرنے کا موقع ملتا ہوگا، تو وہ گناہ کرلیتے ہوں گے [۱] ایک بات یاد رکھیے کہ، جو شخص اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ-رب العزت-اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں، اور اسے صدیقین میں شامل فرمادیتے ہیں۔

طلباء کو اس بات پر نظر رکھنی چاہیے، کہ ہمارے وجود سے کوئی بھی کام شریعت کے خلاف صادر نہ ہو، ہم اپنے علم اور ارادے سے کوئی گناہ نہ کریں۔ اگر یہ بات آپ نے پالی، تو سمجھ لیجیے کہ آپ کو ولایت کا مقام حاصل ہوگیا ہے۔ یاد رکھیں کہ ولایت کے لیے ہوا میں اڑنا شرط نہیں، پانی پر چلنا شرط نہیں، کوئی کرامت کے واقعات کا پیش آجانا شرط نہیں؛ بلکہ ولی اس کو کہتے ہیں، جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچالیتا ہو، قرآن مجید نے ان الفاظ میں کہہ دیا: **إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ** "اُس کے ولی وہ ہوتے ہیں، جو متقی ہوتے ہیں۔"[۲]

---

(۱) مجلس فی رؤیۃ اللہ: ص: ۲۰۷، امالی ابن بشران: ۲/ ۲۰۸ (۲) پ: ۹، سورۃ الانفال، آیت: ۳۴

خواجہ ابوالحسن خرقانی -رحمۃ اللہ علیہ- ہمارے سلسلے کے بزرگ تھے، انہوں نے ایک بڑی پیاری بات لکھی، وہ فرماتے ہیں: کہ جس بندے نے کوئی دن گناہوں کے بغیر گزارا، ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے وہ دن نبی -علیہ السلام- کی معیت میں گزارا، سبحان اللہ!! اس لیے آپ روزانہ اٹھ کر صبح کو اللہ سے دعائیں مانگا کریں، کہ اے مالک! میں آج کا دن ایسا گزارنا چاہتا ہوں، کہ، تیرے حکم کی نافرمانی نہ ہو، اس کو تمنا بنا کر مانگیں، اگر کوئی ایک دن بھی ہماری زندگی میں ایسا ہوا، تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ اُس دن کی برکت سے قیامت کے دن ہم پر اللہ کی رحمت ہو جائے گی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی -رحمۃ اللہ علیہ- مکتوبات میں فرماتے ہیں: کہ اس امت میں ایسی ایسی پاکباز ہستیاں بھی گزری ہیں، جن کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اللہ اکبر!!

جب یہ حضرات ایسے نامۂ اعمال کو لے کر اللہ -رب العزت- کے حضور پیش ہونگے اور دوسری طرف ہم ہوں گے کہ گناہ سے کوئی دن خالی نہیں ہوتا؛ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم رات کے وقت رو رو کر اللہ تعالی سے دعا مانگیں۔

رابعہ بصریہ -رحمۃ اللہ علیہا- جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتی تھیں تو دو عجیب دعائیں مانگتی تھیں۔

''اے اللہ! رات آگئی، ستارے چھٹ گئے، دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے، اللہ! تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے، میں تیرے در پر مغفرت کا سوال کرتی ہوں۔

اے اللہ! جس طرح آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے، اسی طرح شیطان کو میرے اوپر مسلط ہونے سے روک دیجیے۔''

جب انسان اس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہے، تو پھر اللہ تعالی اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں

آج کی مجلس میں سچی توبہ کریں

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں یہ بات لکھی ہے کہ اکابر کی جگہ پر دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ دعا مانگیں، اللہ کی رحمت کیسے متوجہ ہوگی!

اگر آپ نے اس محفل میں پکا ارادہ کرلیا کہ رب کریم! آج میں نے اپنے سب گناہوں سے توبہ کرلی، تو سمجھ لیجیے، کہ ہم نے اپنے دل کو دھولیا، اور ہم نے اپنے آپ کو اللہ -رب العزت- کے قریب کردیا۔ جب تک قلب کے اوپر گناہوں ں کی میل مٹی رہے گی، تب تک اس دل کا تعلق اللہ -رب العزت- کی پاک ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

عزیز طلباء! گناہ تاریکی کی مانند ہیں اور توبہ اس تاریکی کا چراغ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم گناہوں سے سچی پکی توبہ کریں۔ جب تک ہم گناہوں کی جان نہیں چھوڑیں گے، اس وقت تک پریشانیاں ہماری جان نہیں چھوڑیں گی۔

عزیز طلباء! آج کے دن اپنے دلوں میں عہد کرلیجیے، کہ ہم گناہوں سے بچیں گے، یہ گناہوں کی آگ جو ہم اپنے جسموں پر روز جلاتے ہیں، عہد کرلیں کہ ہم نہیں جلائیں گے؛ کیوں کہ یہ معصیت اللہ تعالی سے دوری ہے۔ یوں سمجھیں کے شیطان نے ہمیں سو رسیوں سے باندھا ہوا ہے، اب ہم نے ان میں سے جتنے گناہ چھوڑ دیے، اتنی رسیاں توڑ دیں، اور جو گناہ نہیں چھوڑے، اتنی رسیوں میں ہم ابھی جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارا تجربہ ہے کہ -الحمد للہ- مدارس کے اندر رہنے والے طلبہ کی زندگی میں بہت بڑے بڑے گناہ نہیں ہوتے، کوئی پچانوے فیصد گناہ چھوڑ چکا ہوتا ہے، کوئی چھیانوے فیصد اور ایک دو فیصد پر آکر کام اٹکا ہوتا ہے۔

کسی کی نگاہ قابو میں نہیں، کسی کا دل قابو میں نہیں، کسی کی زبان قابو میں نہیں، بس چند گناہوں میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں، اور باقی زندگی شریعت وسنت کے مطابق گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان گناہوں کی وجہ سے بھی، ان کے دلوں میں شرمندگی کا احساس ہوتا ہے،

البتہ ان کو بھی چھوڑ کر اب **اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً**(۱) کا مصداق بن جانا چاہیے آپ یوں سمجھیے کہ آپ اٹھانوے رسیوں کو توڑ چکے ہیں اور صرف دو رسیاں باقی ہیں، اب ان دو رسیوں سے آزادی حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ یا یوں سمجھیے! کہ اللہ-رب العزت-تک پہنچنے کے لیے ہمیں سو قدم اٹھانے تھے اُن میں سے ہم نے اٹھانوے قدم اُٹھا لیے، اب صرف دو قدم باقی ہیں، یہ دو قدم بھی اٹھا لیے تو منزل مل جائے گی۔ اگر کوئی مسافر منزل سے دو قدم پہلے آ کر بیٹھ جائے اور منزل پر نہ پہنچ پائے، تو اس پر کتنا افسوس ہوتا ہے؟!! ؎

حسرت ہے اس مسافرِ مُضطر کے حال پر
جو تھک کے رہ گیا ہو، منزل کے سامنے

ہم بھی منزل کے سامنے ہیں، اور ایک دو گناہ کی وجہ سے منزل سے رُکے ہوئے ہیں، اب ان گناہوں کو بھی اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دیجیے۔ اگر ہمارے لیے گناہوں کو چھوڑنا مشکل ہے، تو ہم اللہ-رب العزت-سے دعا تو مانگ سکتے ہیں، رو رو کر دعا مانگیں کہ اللہ! ہمیں گناہوں سے بچا لیجیے گناہوں کی ذلت سے ہمیں نکال لیجیے۔ جب ہم یہ دعا مانگیں گے، تو اللہ تعالی رحمت فرما دیں گے۔

حضرت اقدس تھانوی-رحمۃ اللہ علیہ-نے فرمایا: کہ قیامت کے دن ایک بندے کو کھڑا کیا جائے گا، اُس سے اللہ تعالی فرمائیں گے: میرے بندے! تو نیک کیوں نہ بنا؟ تو وہ کہے گا: اللہ! میں دعائیں مانگتا تھا کہ تو مجھے نیک کر دے۔ جب نامۂ اعمال میں دعا موجود ہوگی، تو اللہ تعالی اُسی کو ذریعہ بنا کر اس کی مغفرت فرما دیں گے، فرمائیں گے: ہاں! ہم سے دعائیں تو مانگتا تھا کہ اللہ! نیک بنا دے۔

اللہ! تیرا گناہ گار بندہ حاضر ہے

ابن قیمؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، امید ہے کہ آپ اس کو دل کے کانوں سے سنیں

(۱) پ:۲ سورۃ البقرۃ، آیت:۲۰۸

گے،فرماتے ہیں، کہ میں ایک گلی میں جارہاتھا، میں نے دیکھا کہ ایک ماں اپنے آٹھ نوسال کے بچے سے خفا ہورہی تھی: توضدی بن گیاہے، نافرمان بن گیا ہے،تومیری بات نہیں سنتا، میری بات نہیں مانتا، اگرتونے میری بات نہیں ماننی تو دفع ہوجااس گھرسے۔ ماں نے غصے سے جواس بچے کودھکادیا، وہ بچہ گھرسے باہرآکرگرا، ماں نے دروازہ بندکردیا۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: کہ میں وہیں کھڑا ہوگیا، یہ دیکھنے کے لیے کہ ہوتا کیاہے؟ کہتے ہیں کہ وہ بچہ تھوڑی دیرتو روتارہا، پھروہ کھڑا ہوااورایک طرف اس نے چلناشروع کردیا، جب چلتے چلتے گلی کے کونے پر پہنچا تو پھرکھڑا ہوکر کچھ سوچنے لگا: پھرآہستہ آہستہ قدموں سے واپس آگیا، تھکا ہواتھااس کو مار پڑی تھی ،اپنے گھرکے دروازے پر بیٹھ کراس کونیند آگئی، وہ سوگیا۔

تھوڑی دیر بعد ماں نے کسی ضرورت کے تحت دروازہ کھولا، دیکھا کہ بچہ دہلیز کے اوپرسویاہواہے، ابھی اس کا غصہ ٹھنڈانہیں ہواتھا، وہ پھراسے مارنے لگی کہنے لگی:تم جاتے کیوں نہیں یہاں سے؟ اگرتمھیں میری بات نہیں ماننی تو چلے جاؤ یہاں سے، جب ماں نے اس کودوبارہ ڈانٹ ڈپٹ کی تووہ دوبارہ اٹھا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، کہنے لگا: امی! جب آپ نے مجھے گھرسے دھکا دیاتھا، میں نے دل میں سوچاتھا کہ میں چلاجاتا ہوں، میں کسی کا نوکربن جاؤں گا، میں کسی کے جوتے صاف کرلوں گا، میں کسی کی مزدوری کرلوں گا، مجھے کچھ کھانے کوبھی مل جائے گا، رہنے کوبھی جگہ مل جائے گی یہ سوچ کرمیں یہاں سے چل پڑاتھا؛ مگر جب میں گلی کے کونے پر پہنچا، تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے کھانا بھی مل جائے گا، مجھے پہننے کوبھی مل جائے گا، رہنے کوبھی مل جائے گا؛ مگر جو محبت امی سے ملنی ہے، وہ محبت مجھے دنیا میں کہیں نہیں ملے گی، امی! یہ سوچ کر میں واپس آگیا، میں تو اسی دروازے پر بیٹھا ہوں، تو مجھ سے خفا ہو یا ناراض ہو، تو مجھے مارے یا ڈانٹے ،امی! میں تمہارابیٹا ہوں میں تمہیں چھوڑ کرنہیں جاتا، بچے نے جب یہ بات کہی کہ میں تمہارابیٹا ہوں،

میں کہیں نہیں جاتا؛ تو ماں کی ممتا جوش میں آ گئی، اس نے بچے کو اٹھالیا، اپنے سینے سے لگالیا، میرے بیٹے! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جو محبت میں تمہیں دے سکتی ہوں، دنیا میں کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، آؤ! میرے گھر کے دروازے کھلے ہیں، تم میرے گھر میں آ جاؤ۔

ابن قیمؒ یہ واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں: جس طرح بچے نے ماں کا دروازہ نہیں چھوڑا، اگر کوئی گناہ گار بندہ اللہ کے دروازے پر آ جائے اور یہ کہے: ؎

إِلٰهِي عَبْدُکَ العَاصِي اَتَاکَ
مُقِرًّا بِالذُّنُوبِ وَقَدْ دَعَاکَ
فَإِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ اَهْلٌ لِذاکَ
وَإِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاکَ

''تیرا گناہ گار بندہ تیرے دروازے پر حاضر ہے، اللہ!! اپنے گناہوں کا وہ اقرار کرتا ہے، اور آپ کے دربار میں یہ اقرار کرتا ہے، اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کو یہ بات سجتی ہے، اے اللہ! اگر آپ دھکا دیں، تو آپ کے علاوہ کون ہے رحم کرنے والا؟''

انسان جب اس طرح اللہ سے معافی مانگتا ہے، پھر اللہ تعالی ایسے بندے کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

ماں کا دل جتنا بھی سخت تھا، بیٹے کے آنسو دیکھ کر اس کا دل پسیج جاتا ہے۔ وہ اپنے دوپٹے سے بیٹے کے آنسو پونچھتی ہے، اپنے بیٹے کو روتا نہیں دیکھ سکتی۔ جس ماں میں محبت ہے، اس کو اپنے بیٹے کے آنسو دیکھنا گوارہ نہیں اور جس پروردگار کو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت ہے، جب اس کے سامنے اس کے بندے روئیں گے، تو وہ ان کو معاف کیوں نہیں فرمائیں گے؟۔ آج کی اس مجلس میں اپنے رب کو منائے بغیر نہیں اٹھیں گے، ہم ایسے ہی گمان کریں، کہ آج بچہ اپنی ماں کی گود میں پہنچ گیا، اپنی ماں کو منانا چاہتا ہے۔ آج کی یہ مجلس باطنی غسل کی مجلس ہے، جیسے بندہ نہالیتا ہے، تو پسینہ، میل ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح جب انسان توبہ کرتا ہے، تو گناہوں کا تمام میل کچیل ختم ہوجاتا ہے۔

اب توبہ کر لیجیے....

آج وقت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لیں، اور اپنے رب کو منالیں۔ میرے دوستو! اپنے رب سے ہم گڑگڑا کر معافی مانگ لیں کہ اے اللہ! ہم نے جو بھی گناہ کیے؛ چاہے وہ ارادہ سے کیے یا بغیر ارادے کے کیے؛ مگر آپ ہم پر مہربانی فرمادیجیے۔

رب کریم! ہم آپ کی بارگاہ میں سر جھکاتے ہیں، ہم نے بڑے گناہ کر لیے، ہم اس کا اقرار کرتے ہیں؛ مگر میرے مولی! آپ توبہ قبول فرمالیجیے۔

ہمیں اپنے ان نیک بندوں کی محفل سے خالی نہ اٹھائیے، رب کریم! یہاں تو سب مل کے مانگ رہے ہیں، نیکوں کے صدقے ہم گناہ گاروں کی توبہ بھی قبول کر لیجیے! میرے مولی! ہم ساحرانِ فرعون سے زیادہ آلودہ تو نہیں آپ کا ان پر احسان ہو گیا تھا، آپ ہم پر بھی مہربانی فرمادیجیے۔

اے اللہ! اصحاب کہف کے کتے سے بدتر نہ کیجیے، اس کے ساتھ آپ نے جنت کا وعدہ فرمالیا، کہیں آپ ہمیں جنت سے محروم نہ کر دیں۔

میرے مولی! طور سینا کے ایک درخت پر آپ کی تجلی پڑ گئی، تو درخت میں سے آپ کی تجلیات کا ظہور ہوا، اے اللہ! ہمیں اس پتھر کی طرح ہی بنادیجیے اور ہمارے دل کے پتھر پر بھی اپنی نظر ڈال دیجیے۔

اے اللہ! وہ حنانہ کا درخت جو نبی -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی محبت میں رو پڑا تھا ہمیں اس سے زیادہ بے حس و حرکت نہ بنایئے، کہ ہمارے دل اس محبوب کی محبت سے ناآشنا زندگی گزاریں۔

ہم پر رحمت فرمایئے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے، اے اللہ! ہم سچی توبہ کرتے ہیں، میرے مولی! ہم اتنا جانتے ہیں، آپ ہی کا تو ایک دروازہ ہے اس کے سوا کوئی دروازہ نہیں۔

مہربانی فرمایئے، توبہ قبول کر لیجیے اور آج ہمیں ایک نئی زندگی عطا فرما دیجیے۔

دل بدل دے

ہوا و حرص والا دل بدل دے
مرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے

بدل دے دل کی دنیا دل بدل دے
خدایا فضل فرما دل بدل دے

رہوں بیٹھا میں اپنا سر جھکا کر
سرور ایسا عطا کر دل بدل دے

گنہگاری میں کب تک عمر کاٹوں
بدل دے میرا رستہ دل بدل دے

سنوں میں نام تیرا دھڑکنوں میں
مزہ آجائے مولیٰ دل بدل دے

سہل فرما مسلسل یاد اپنی
خدایا رحم فرما دل بدل دے

یہ کیسا دل ہے سینے میں الٰہی
جو زندہ بھی ہے مردہ دل بدل دے

ترا ہو جاؤں اتنی آرزو ہے
بس اتنی ہے تمنا دل بدل دے

پڑا ہوں تیرے در پر دل شکستہ
رہوں کیوں دل شکستہ دل بدل دے

کروں قربان اپنی ساری خوشیاں
تو اپنا غم عطا کر دل بدل دے

جو ہو دیدار تیرا روزِ محشر
تو دیکھے مسکرا کر دل بدل دے

رہوں میں سر بسجدہ تیرے در پر
خشوع ایسا عطا کر دل بدل دے

ہٹالوں آنکھ اپنی ماسوا سے
جیوں میں تیری خاطر دل بدل دے

میری فریاد سن لے میرے مولا
بنالے اپنا بندہ دل بدل دے

ہوا و حرص والا دل بدل دے
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے

راہ علم سے قُربِ الٰہی تک کے منازل

ادب سے علم نافع

نبیؐ نے فرمایا:

اَدَّبَنِي رَبِّيْ فَاَحْسَنَ تَأْدِيْبِيْ

''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا، اور بہترین ادب سکھایا''

عَلَّمَنِي رَبِّي فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمِي

''اللہ نے مجھے علم بھی سکھایا، اور بہترین علم سکھایا''

اس سے پتہ چلا، انسان میں علم آئے تو ساتھ ساتھ ادب بھی ہونا چاہیے اور ''علمِ نافع'' اس کے بعد آتا ہے؛ چنانچہ جس کے اندر ادب نہ ہو، اس کو علمِ نافع نصیب نہیں ہوتا، ''معلومات'' مل جاتی ہیں، اگر وہ ذہین ہوگا، تو اس کو بہت عبارتیں یاد ہوجائیں گی؛ لیکن جس کو ''علم نافع'' کہا گیا، جس کی حدیث پاک میں دعائیں مانگی گئیں؛ وہ نصیب نہیں ہوتا۔

چنانچہ ادب سے ہی انسان کو علم نافع نصیب ہوتا ہے۔

حضرت مُرشدِ عالم کا ادب

چنانچہ حضرت مرشد عالمؒ سے کسی نے پوچھا کہ ''مرشدِ عالم'' کیسے بنے؟ تو فرمایا

(۱)

کرتے تھے کہ ''کبھی میں نے اپنے شیخ کے چہرے کو بے وضو نہیں دیکھا!!''

حضرت امام بخاریؒ کا ادب

امام بخاریؒ نے یہ بخاری شریف مدینہ طیبہ میں لکھی، ہر ہر حدیث پاک لکھنے سے پہلے امام بخاریؒ غسل فرمایا کرتے تھے، اور پھر دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھا کرتے تھے، اور اس کے بعد وہ حدیثِ پاک کو لکھا کرتے تھے...... اتنا ادب اور اتنا تقوی!!

حضرت تھانویؒ کا ادب

ہمارے اکابرین علم کے ساتھ ادب کا بھی خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے، حضرت تھانویؒ فرماتے تھے: کہ میں نے ہمیشہ چار باتوں کی پابندی کی: ایک تو یہ کہ میری لاٹھی کا جو سِرا زمین پر لگتا تھا، اس کو کبھی کعبے کی طرف کر کے نہیں رکھا، میں نے بیت اللہ شریف کا اتنا احترام کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے رزق کا اتنا احترام کرتا تھا کہ چار پائی پر بیٹھتا، تو خود ہمیشہ پائتی کی طرف بیٹھتا اور کھانے کو سرہانے کی طرف رکھتا، اس طرح بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا۔ تیسری بات یہ کہ جس ہاتھ سے طہارت کرتا تھا اس ہاتھ میں پیسے نہیں پکڑتا تھا؛ کیوں کہ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ چوتھی بات یہ کہ جہاں میری کتابیں پڑی ہوتی تھیں میں اپنے استعمال شدہ کپڑوں کو ان دینی کتابوں کے اوپر کبھی نہیں لٹکایا کرتا تھا۔

یہ کیا چیز ہے؟ یہ ضروری نہیں ہے، نہ فرض ہے، نہ واجب ہے؛ ہاں ادب ہے؛ اس لیے قابلِ اجر ہے، چنانچہ جس نے کتابوں کا ادب کیا، یا استاذ کا ادب کیا، اس کو اللہ۔ رب العزت۔ علم نافع عطا فرمائیں گے۔ معلومات تو آجاتی ہیں، بحث ومباحثہ، دلائل، یہ تو بے ادب لوگوں کو بھی بڑے آتے ہیں؛ لیکن وہ علم جو علمِ نافع بنے وہ ادب کرنے والوں کو ملا کرتا ہے، چنانچہ پہلے انسان کو ادب آتا ہے، اور ادب کی برکت سے انسان کے اندر علمِ نافع آتا ہے۔

علم نافع سے عمل

علم نافع کی یہ پہچان ہے، کہ انسان کو اس علم پر عمل نصیب ہوجاتا ہے۔ یہ علمِ نافع کی

پہچان ہے؛ چنانچہ اِدھر بات پڑھی اور اُدھر سنت سے اپنے آپ کو سجا لیا۔ یہ طالب علم کا شعار بن جاتا ہے، وہ سنتوں کا متلاشی بن جاتا ہے۔ ایک آدمی جانتا ہے؛ لیکن عمل کی توفیق نہیں تو یہ علمِ نافع نہیں ہے۔ علم بغیر عمل کے ایسا ہی ہے جیسے درخت بغیر پھل کے ہو۔

عمل سے حکمت

تو ادب سے علمِ نافع ملا، اور علمِ نافع سے عمل کی توفیق ملتی ہے۔ اور عمل سے انسان کو ''حکمت'' نصیب ہوتی ہے، یہ خیر کثیر ہے، جو اللہ کی طرف سے ملتی ہے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

''جسے حکمت مل جائے اسے بہت بڑی خیر مل جاتی ہے''۔

یہ وہ نعمت ہے جس کے ذریعہ انسان کو وقت کے ساتھ، دقائق و اسرار سمجھ میں آتے ہیں۔ دین کے داعی کے لیے یہ لازمی چیز ہے۔ فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

''اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھے انداز سے بلائیے''

یہاں حکمت کا لفظ لایا گیا، تو یہ حکمت عمل کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔ حکمت ملنے کی علامات یہ ہیں کہ انسان کو دین کے بارے میں شرح صدر ہوتا ہے، شکوک وشبہات ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتے ہیں؛ ورنہ تو جگہ جگہ پر اس کو تعارض نظر آتا ہے، شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اب دین کے بارے میں طبیعت بالکل متفق ہوجاتی ہے، مکروہاتِ شرعیہ، مکروہاتِ طبعیہ بن جاتے ہیں، طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہے، حکمت کی یہ برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ دقائق اور اسرار سمجھنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی حکمت کا ایک واقعہ

چنانچہ ہمارے حضرت کے مدرسہ میں ایک استاذ تھے، جو حضرت مدنیؒ کے شاگرد

---

(۱) پ: ۳، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۶۹ (۲) پ: ۱۴، سورۃ النحل، آیت: ۱۲۵

تھے، انہوں نے دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مدنیؒ سے کیا تھا۔ کوئی بیس سال انہوں نے مسلم شریف پڑھائی اور نیک بزرگ تھے، تہجد گزار تھے، حضرت کے بڑے مداح تھے۔ اللہ کی شان کہ دو سال حضرت کے دارالعلوم میں رہے؛ مگر بیعت کے لیے جرأت نہ کی، بس یہی سمجھتے رہے کہ محبت تو مجھے ہے حضرت سے میں درس بھی سنتا ہوں، بیان بھی سنتا ہوں، باتوں پر عمل بھی کرتا ہوں؛ تو مقصود تو حاصل ہے مگر وہ ایک تعلق جو جوڑا جاتا ہے اصلاح اور تربیت کا وہ نہ جوڑ پائے۔ حضرت کی وفات ہوگئی، تو جس دن حضرت کی وفات ہوئی، بس اس دن تو اُن پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، بہت دن تک گریہ و زاری کرتے رہے۔ اب وہ اِدھر اُدھر دیکھتے تھے کہ کس سے بیعت ہووں؟ اب تو مجھے حضرت جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک دن مجھے فرمانے لگے: کہ آپ مجھے بیعت کرلیں۔ اس عاجز نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے آپ حدیث پڑھانے والے، ہمارے حضرت کی خدمت کرنے والے، میں تو بچہ ہوں آپ کا۔ کہنے لگے: نہیں! طبیعت کی مناسبت آپ کے ساتھ ہے؛ لہٰذا میں آپ سے یہ تعلق جوڑوں گا۔ خیر میں نے دو تین مرتبہ نہ کی، تو ان کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، بات ماننی پڑی۔

وہ بسا اوقات عجیب باتیں سناتے تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ حضرت! میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ سناؤں؟ میں نے کہا کہ ضرور سنائیں۔ کہنے لگے کہ ہم دارالعلوم دیوبند میں تھے، حدیثِ پاک کا سبق ختم ہونے کا وقت قریب تھا، سعودی عرب سے علماء کا گروپ آیا، ایک جماعت آئی کہ جی ہم حکومت کی طرف سے آئے ہیں، آپ لوگوں سے علمی نکتہ پر بحث ومباحثہ کرنے کے لیے، ہمارے سوال کا جواب دیں۔

ناظمِ تعلیمات نے پوچھا کہ کیا سوال؟ کہنے لگے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''بِنَاء عَلَی الْقُبُوْرِ'' کی اجازت نہیں، (۱) یعنی قبر کے اوپر جو عمارت بنا دیتے ہیں، اس کی اجازت

---

(۱) لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبياءهم مساجد (الحدیث) صحیح بخاری ۱/ ۹۳ رقم: ۱۳۴۲

نہیں، کھلے آسمان کے نیچے ہونی چاہیے- اسی لیے ہمارے اکابر کے ہاں قبر کے اوپر مقبرہ نہیں بناتے، اور اگر کہیں آپ دیکھیں گے بھی سہی، تو اوپر سے چھت خالی رکھتے ہیں، وہ بیٹھنے والوں کے لیے بناتے ہیں جو قریب آ کے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں- تو کہنے لگے کہ ہم نے بقیع شریف سے اس طرح کے سارے قبے جو بنے ہوئے تھے، جو ترکوں نے بنائے تھے، وہ سب ہٹا دیے اب سوال اٹھا کہ نبی علیہ السلام کا ''گنبدِ خضرا'' ہے۔ جب حدیث میں اجازت نہیں کہ قبر کے اوپر عمارت بنائی جائے، تو پھر اس کو بھی کیوں نہ ہٹا دیا جائے؟ تو حکومت نے ہمیں کہا کہ نہیں، تم مختلف ملکوں میں جاؤ اور وہاں کے علماء سے بات چیت کرو، اگر سب متفق ہوں گے، تو قدم اٹھائیں گے؛ ورنہ نہیں اسی سلسلے میں ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ ناظم صاحب نے کہا کہ ہمیں تین دن کا وقت دیں، ہم اور علماء کو بھی مشورہ کے لیے بلا لیں۔ ناظم صاحب نے علماء کو اطلاع دی تو یہ بات تو جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ کہنے لگے: جس دن عصر کے بعد کا وقت متعین تھا، اس دن سے پہلی رات ہم نے دارالعلوم میں ایسی دیکھی کہ پہلے کبھی دیکھی نہیں تھی، تقریبا پانچ سو بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا، جید علماء کرام جو استاذ الاساتذہ تھے، ان کا مجمع تھا کوئی آپس میں بیٹھ کر تکرار کر رہے ہیں، کوئی حدیث پاک پڑھ رہے ہیں، کوئی شروحات دیکھ رہے ہیں، کوئی نفل پڑھ رہے ہیں، کوئی اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں؛ ساری رات علماء کی روتے تڑپتے گزر گئی، کہ اس کا جواب ہم کیا دیں؟

عصر کی نماز پڑھی گئی تو پانچ سو علماء کا جو مجمع تھا سب بیٹھ گئے۔ تو جو عرب علماء آئے تھے ان میں سے ایک کھڑے ہوئے، اور انہوں نے کھڑے ہو کر یہ کہا: کہ ہم آپ سے ایک علمی نکتہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ حدیث مبارک میں آیا ہے اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ ''بِنَاءٌ علی القبور'' جائز نہیں، اب آپ بتائیے کہ ''گنبدِ خضرا'' کے بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہنے لگے: کہ اس نے یہ سوال پوچھا، اور بیٹھ گئے، اور آگے سناٹا،

بالکل خاموشی، کوئی جواب دینے کے لیے اٹھ نہیں رہا تھا!! کہنے لگے ہم طلبہ تھے ہم نے ارد گرد دیکھا کہ اکثر علماء کی آنکھوں میں آنسو تھے، بہت بڑی ذمہ داری تھی، سسکیاں لے کر رو رہے تھے۔ اس وقت حضرت اقدس تھانویؒ کھڑے ہوئے اور جوابی خطبہ پڑھ کر فرمایا: ''الحمدللہ'' اللہ- رب العزت- نے میرا شرح صدر فرمادیا، فرمانے لگے: یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اس کے رُوات کے اوپر بھی کوئی جرح اور تعدیل کا مسئلہ نہیں، متن صحیح ہے۔

حدیث مبارک میں ضعف کہیں سے نہیں آیا کہ بالکل صحیح حدیث ہے، **بناء علی القبور** کی اجازت نہیں۔ عرب علماء وہاں کھڑے ہوگئے، کہنے لگے: جب آپ بھی کہتے ہیں، کہ یہ بخاری شریف کی بالکل صحیح حدیث ہے، کوئی ضعف نہیں؛ تو ہم جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے فرمایا نہیں یہی تو اللہ تعالی نے شرح صدر کردیا کہ حدیث پاک بھی صحیح ہے؛ مگر آپ گنبد خضرا کو گرا بھی نہیں سکتے وہ بڑے حیران، کہنے لگے کہ کیا مقصد ہے آپ کا؟ حضرت تھانویؒ نے پھر جواب میں فرمایا: کہ دیکھو! حدیثِ پاک صحیح ہے؛ لیکن گنبد خضرا کو آپ نہیں ہٹا سکتے؛ کیوں کہ یہ ''بناء علی القبور'' نہیں ہے، یہ عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ تھا، بناء پہلے تھی، قبر بعد میں بنی، قبر پر چھت نہیں بنائی گئی، پہلے سے یہ چھت تھی، جب اس کے اندر قبر مبارک کو بنایا گیا تو اب کوئی کون ہوتا ہے، اس چھت کو ہٹانے والا؟ ایسی ان کی تسلی ہوئی کہ وہ کہنے لگے کہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ حضرات واپس چلے گئے۔ آج بھی یہ گنبد خضرا اپنی جگہ پر کھڑا ہے، یہ علماء دیو بند کی خدمات کی ایک نشانی نظر آتا ہے۔ تو ادب سے انسان کو علمِ نافع نصیب ہوتا ہے، علمِ نافع سے انسان کو عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے، اور عمل سے انسان کو حکمت نصیب ہوتی ہے۔

حکمت سے ''زہد فی الدنیا''

یہ حکمت خیر کثیر ہے یہ انسان کو شرح صدر عطا کردیتی ہے۔ جب یہ حکمت انسان کو مل جاتی ہے، تو دنیا انسان کی نظر میں ادنی ہوجاتی ہے۔ جب حکمت مل جائے تو دنیا انسان کی

نظر میں حقیر ہوجاتی ہے۔

آخری منزل

تو آج کی بات کی سمری یہ ہوئی کہ ادب سے انسان کے اندر علم نافع پیدا ہوتا ہے، علمِ نافع سے اس کو عمل کی توفیق مل جاتی ہے، عمل کی برکت سے انسان پر حکمت کے چشمے کھلتے ہیں اور حکمت کے ذریعہ دنیا اس کی نظر میں حقیر ہوجاتی ہے اور آخرت کی طرف اس کا دل جڑ جاتا ہے، آخرت کے ساتھ دل جڑنے کی وجہ سے آخرت والے اعمال کرنے، اس کے لیے آسان ہوجاتے ہیں، نوافل آسان، تلاوت آسان، تہجد آسان؛ سب کام آسان، پھر ان کاموں سے بندے کو اللہ-رب العزت-کا ''قرب'' نصیب ہوتا ہے؛ لہٰذا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کو اللہ-رب العزت-اپنا قرب نصیب فرمادے۔

مزے کی بات اس میں یہ ہے کہ جو اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالی اس کو بھی اپنے قریب خود فرماتے ہیں۔

اللہ تعالی اتنے کریم ہیں تو ایسے بندے کو اللہ تعالی اپنا قرب عطا فرماتے ہیں اس لیے نیک اعمال خوب جی لگا کر کریں۔ جیسے چولہا انگاروں سے نہیں بھرتا، ماں کا جی بیٹوں کی محبت سے نہیں بھرتا، عُشاق کا دل، قرب الٰہی کی کوشش پر مطمئن نہیں ہوتا، اور کوشش کرتا ہے، اور محنت کرتا ہے۔ ایک تو ہم اعمال کریں، دوسرا ہم اللہ-رب العزت- سے دعا بھی مانگیں؛ کیوں کہ جیسے ہم ناقص ہیں، ہمارے اعمال بھی ناقص ہیں، اب ناقص اعمال تو اس قابل نہیں کہ پیش کیے جائیں۔

بس ایک اور قدم

لہٰذا ایک قدم اور رہ گیا وہ یہ کہ تہجد کی پابندی کریں اور تہجد کے وقت میں اپنے اللہ کے سامنے دامن پھیلائیں اور اپنے اللہ سے دعا مانگیں؛ چنانچہ علامہ شامیؒ نے یہ بات لکھی ہے، فرماتے ہیں: کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو اپنی زندگی میں سو مرتبہ اللہ کا دیدار ہوا، جب سو

ویں مرتبہ خواب میں دیدار نصیب ہوا، تو انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! کوئی ایسا عمل بتادیجیے کہ آپ کا قرب نصیب ہوجائے اور آپ کے عذاب سے بچ جائیں؛ کیوں کہ ’’قرب‘‘ سب سے بڑا انعام ہے۔ تو فرمایا کہ تہجد کے وقت یہ دُعا پڑھا کر:

سُبْحَانَ الاَبَدِیِّ الاَبَدْ

سُبْحَانَ الوَاحِدِ الاَحَدْ

سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدْ

سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَاءِ بِلَا عَمَدْ

سُبحانَ مَنْ بَسَطَ الْاَرْضَ عَلٰی مَاءٍ جَمَدٍ

سُبحانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاَحْصَاهُمْ عَدَدْ

سُبحانَ مَنْ قَسَّمَ الرِّزْقَ وَلَمْ یَنْسَ اَحَدًا

سُبحانَ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا

سُبحانَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدْ (۱)

ہم نیک اعمال بھی کیا کریں اور تہجد میں یہ دعا بھی پڑھا کریں، اس کے بعد دامن پھیلا کر اپنے رب سے مانگیں کہ یا اللہ! دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کردیے؛ لیکن تیرا دروازہ اب تک کھلا ہے، تیرے سامنے دامن پھیلاتا ہوں، اللہ رب العزت ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔

---

(۱) ردالمحتار، ۱/ ۱۴۴

طلبہ کے لیے حصول علم کے آداب

ادب کی اہمیت

عبدالرحمن بن قاسمؒ فرماتے تھے: کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال تک رہا، ان میں سے اٹھارہ سال ادب واخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور دوسال علم کی تحصیل میں۔

حصولِ علم کے چند آداب درج ذیل ہیں:

(۱) اخلاصِ نیت

طالب علم کو چاہیے کہ علم کے حاصل کرنے میں کوئی فاسد نیت اور دنیوی غرض نہ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے: کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ کسی غیر کے لیے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے!!(۱)

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو جو کوئی ایسا کرتا ہے، اس کے لیے دوزخ ہے دوزخ!!(۲)

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/ ۹۴ (۲) سنن ابن ماجہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ/ ۲۲ رقم: ۲۵۴

حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالی نے ایک پیغمبر کو وحی نازل فرمائی کہ ''ان لوگوں سے کہدو جو علمِ دین کو عمل کے لیے حاصل نہیں کرتے؛ بلکہ عمل آخرت کے ذریعے دنیا کماتے ہیں: گویا تم وہ ہو جو آدمیوں کے سامنے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر جاتے ہو، حالانکہ تمہارے سینوں میں بھیڑیوں کے دل چھپے ہوئے ہیں، تمہاری زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں؛ مگر دل زہر کی طرح کڑوے ہیں تم مجھے دھوکہ دیتے ہو اور مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہو، اچھا! میں تمہیں ایسے فتنے میں ڈالوں گا، جس سے بڑے بڑے دانا اور سمجھدار ہکا بکّا رہ جائیں گے!!![۱]

یزید بن حبیبؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ''مخفی ہَوَس'' کیا ہے؟ فرمایا آدمی علم حاصل کرے اور دل میں خواہش ہو کہ لوگ اس کی درباری کریں۔[۲]

مولانا منظور احمد نعمانیؒ لکھتے ہیں: کہ لوگ ذرا دینی شعور اور اخروی نقطۂ نظر سے، اپنی اولاد کو اللہ کے دین کا خادم بنانے کا عزم تو کرلیں، اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالی کا معاملہ کیا ہوتا ہے؟ **''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا''**[۳] والی کریمانہ شان کا تجربہ ان شاء اللہ ہر شخص کو ہوگا۔

(۲) طالبِ علم کو چاہیے کہ باطنی طہارت حاصل کرے

''احیاء العلوم'' میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں: کہ جس طرح نماز، جو کہ ظاہری اعضاء کی عبادت ہے، بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی، اسی طرح علم جو باطنی عبادت ہے بغیر باطنی طہارت کے حاصل نہیں ہوتا۔ سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص زمانہ طالب علمی میں گناہوں سے احتیاط نہیں کرتا، اللہ تعالی اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز میں ضرور مبتلا کردیتے ہیں: یا تو وہ عین جوانی میں مرجاتا ہے، یا پھر وہ باوجود فضل وکمال کے ایسی ایسی

---

(۱) کنز العمال، کتاب العلم، قسم الاقوال، ۱۰/ ۵۸ رقم: ۲۸۶۵۸ (۲) پ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۳۷ (۳)

جگہوں پر مارا مارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہوجاتا ہے، اور علم کی اشاعت نہیں کرپاتا یا کسی بادشاہ اور رئیس کی کاسہ لیسی اور خدمت کی ذلتیں برداشت کرتا ہے۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو تین باتوں پر عمل کئے بغیر فائدہ نہیں ہوتا خواہ اسّی صندوق کتابوں کے پڑھ لے۔

(۱) دنیا سے محبت نہ رکھے؛ کیوں کہ یہ مسلمان کا گھر نہیں ہے۔

(۲) شیطان سے دوستی نہ کرے؛ کیوں کہ وہ مسلمان کا رفیق نہیں ہے۔

(۳) کسی کو تکلیف نہ دے؛ کیوں کہ یہ مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔

(۳) طالب علم کو چاہیے کہ اساتذہ کا ادب واحترام اپنے اوپر لازم سمجھے

❊ ابن وہب کہا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا، امام مالکؒ کے ادب کی وجہ سے ملا۔

❊ طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی بات توجہ سے سنے، کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ادب سے پوچھ لے استاذ کے سامنے زیادہ بولنا بے ادبی میں داخل ہے۔

❊ امام احمد بن حنبلؒ ادب کی وجہ سے اپنے استاذ کا نام نہیں لیتے تھے بل کہ ان کا ذکر اُن کی کنیت کے ساتھ کرتے تھے۔

امام ربیعؒ فرماتے تھے: کہ مجھے اپنے استاذ امام شافعیؒ کے سامنے کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

❊ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ادب کی وجہ سے کتاب کا ورق آہستہ الٹتا تھا کہ میرے استاذ کو اس کی آواز سنائی نہ دے۔

❊ طالب علم کو چاہیے کہ اگر استاذ اسے کوئی نکتہ بتائے اور وہ اسے پہلے سے معلوم تھا، تب بھی یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے پہلے سے معلوم تھا۔ استاذ کو کسی حال میں بھی برا نہ کہے؛ ورنہ تلامذہ اسے بھی برا کہا کریں گے۔

❊ استاذ کا یہ بھی حق ہے کہ طالب علم اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی ملاقات کرتا

رہے۔ ’’شرح الطریقۃ المحمدیۃ‘‘ میں لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانی، بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے، تو امام زرنوجی کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کر کے ان کی زیارت کو گئے، مدت کے بعد امام زرنوجی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے معذرت پیش کی، کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا، اس وقت امام حلوانیؒ نے فرمایا کہ ’’آپ کو عمر لمبی نصیب ہوگی؛ مگر درس نصیب نہیں ہوگا۔‘‘ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

✳ شاہ عبدالرحمن محدث پانی پتیؒ اپنے زمانہ طالب علمی میں پانی پت سے سہارنپور پہنچے، رخصت ہوتے وقت سب اساتذہ سے اچھی طرح ملے؛ مگر ایک استاذ جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں، ان سے نہ مل سکے، جب سہارنپور پہنچ کر کتابیں شروع کیں، تو سبق یاد کرنے میں مشکل پیش آئی، کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے، ایک دن خیال آیا تو انہوں نے فوراً اپنے استاذ کو معذرت نامہ لکھ بھیجا۔ استاذ نے جواب میں لکھا کہ ’’جب آپ دوسرے سب اساتذہ سے مل کر گئے، اور مجھے نہ ملے، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید آپ مجھے چھوٹا استاذ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر گئے ہوں اب آپ کے معذرت نامہ سے مجھے شرح صدر حاصل ہوا، میں آپ کے لیے دعا گو ہوں۔‘‘ جیسے ہی یہ خط ملا آپ کو ذہنی سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد آپ کو سبق یاد کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

✳ طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی شان میں کوئی گستاخی ہوجائے تو انتہائی عاجزی سے فوراً معافی مانگ لے۔ امام احمد بن حنبلؒ ایک مرتبہ کسی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، گفتگو کے دوران ان کے استاذ ابراہیم بن طہمان کا ذکر آیا ان کا نام سنتے ہی امام احمدؒ فوراً سیدھے ہوکر بیٹھ ہوگئے اور فرمایا: یہ نازیبا بات ہوگی کہ بڑوں کا نام لیا جائے اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔

✳ طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ کے متعلقین سے محبت کرے، ان سے ادب واحترام سے پیش آئے۔ علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ طالب علم کے عمل میں

کوتاہی کی نشانی یہی کافی ہے کہ وہ استاذ کا ادب نہ کرے۔ جب استاذ کا انتقال ہو جائے تو اس کے وظیفہ یا قیامگاہ کے حصول کی کوشش کرے، استاذ کی اولاد سے ان امور میں مقابلہ کرے اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مستحق سمجھے۔

❊ ''تعلیم المتعلم'' میں لکھا ہے کہ جو طلباء اساتذہ کو بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کے پاس، کبھی کسی کے پاس چلے گئے اس سے علم کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

❊ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحبؒ سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی مجھے عنایت فرمائی، میں نے رات گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی صبح تک وہ پانی جو ''اَملتاس'' کے شربت سے زیادہ سیاہ ہو گیا تھا، میں اس کو پی گیا، اس پانی کی برکت سے میرا دل ایسا روشن ہو گیا کہ کوئی کتاب مشکل نہ رہی۔

اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی اسکیمیں بنانے والے طلبہ ذرا ان باتوں پر غور فرمائیں!!!

طالب علم اپنے استاذ کے ادب کے بغیر نہ علم حاصل کر سکے گا، نہ ہی اس سے نفع اٹھائے گا۔ جو شخص منزل مقصود پر پہنچا، وہ ادب کی وجہ سے پہنچا، اور جو گرا، وہ بے ادبی کی وجہ سے گرا۔

❊ حضرت علیؓ استاذ کی تعظیم کے متعلق فرماتے تھے:

''اَنَا عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِي حَرْفًا وَاحِدًا، إِنْ شَاءَ بَاعَ، وَإِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَإِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّ''

(میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا، اگر وہ چاہے، تو مجھے بیچ دے اگر چاہے، تو آزاد کر دے اور اگر چاہے، تو غلام بنا لے۔)[1]

---

(۱) تعلیم المتعلم فصل فی تعظیم العلم واہلہ

✻ حماد بن مسلم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاذ تھے۔امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

مَا صَلَّيْتُ صَلَاةً إِلَّا اسْتَغْفَرْتُ لَهُ مَعَ وَالِدِيْ

میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی؛ مگر جہاں والدین کے لیے استغفار کیا، میں نے اپنے استاذ کے لیے بھی استغفار کیا۔(۱)

کیسے کیسے شاگرد ہوتے تھے، کہ کوئی دعا ایسی نہیں کی، جس میں اپنے شیخ کے لیے دعا نہ کی ہو۔

(۴) طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی خدمت کو فلاحِ دارین کا ذریعہ سمجھے

✻ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے حالات میں ہے: کہ ایک مرتبہ ان کے استاذ حضرت شیخ الہند کے یہاں مہمان زیادہ آ گئے، بیت الخلاء ایک ہی تھا، مہمانوں کا کئی دن قیام رہا، حضرت مدنیؒ روزانہ رات کو آ کر بیت الخلاء صاف کر جاتے اور صبح کے وقت مہمانوں کو بیت الخلاء بالکل صاف ملتا۔

✻ حضرت مدنی اپنے شیخ محمود الحسنؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں تھے کہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا، حضرت شیخ الہند جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا، حضرت مدنی نے یہ طریقہ سوچا کہ رات کو سوتے وقت برتن میں پانی بھر لیتے، اور پھر سجدے کی حالت میں سو جاتے جب کہ برتن کو اپنے پیٹ اور بازوؤں کے درمیان رکھ لیتے، پانی چوں کہ ہر طرف سے ڈھانپ لیتے؛ لہذا جب تہجد کا وقت ہوتا، تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا، یہ پانی وضو کے لیے اپنے استاذ کو پیش کرتے۔ کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ایک دن تھکاوٹ ایسی تھی کہ حضرت مدنیؒ پر نیند غالب آ گئی، جب تہجد کے لیے اٹھے تو، ٹھنڈے پانی سے وضو کروانا پڑا، حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ کیا پانی وہیں سے لائے ہو جہاں سے پہلے لاتے تھے؟ حضرت مدنیؒ نے عرض کیا کہ آج مجھ سے غفلت ہوئی، رات کو

---

(۱) ردالمحتار ۱/۱۴۱

بھر کر نہیں رکھ سکا۔ تب حضرت شیخ الہند کو یہ راز معلوم ہوا کہ شاگرا پنے استاذ کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدے کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا!!!

✲ قاضی امام فخر الدین ارسابندیؒ شہر ''مرو'' کے امام الائمہ تھے، بادشاہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب فرماتے تھے: کہ میں اپنے استاذ قاضی امام ابوزید دبوسیؒ کی بہت خدمت کیا کرتا تھا، میں نے تیس برس ان کا کھانا پکایا اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا۔ استاذ کی اس خدمت کی وجہ سے مجھے یہ رتبہ ملا کہ بادشاہ میرے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آتا تھا۔

(۵) طالب کے لیے ضروری ہے کہ دینی کتابوں کا احترام کرے

طالب علم کو چاہیے کہ کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔

✲ شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں: کہ ہمیں جو علم حاصل ہوا اس میں ادب واحترام کا بڑا عمل دخل ہے، میرا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوتا تھا۔

✲ امام سرخسی باوجود ریاحی امراض میں مبتلا ہونے کے بغیر وضو کے ہاتھ میں کتاب نہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ مطالعہ کے دوران سترہ مرتبہ وضو کرنا پڑا۔

✲ کسی کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے، تفسیر کے نیچے حدیث کی کتاب اور حدیث کے نیچے فقہ کی کتاب اور اس کے نیچے دوسرے فنون کی کتابیں نہ رکھے، کتاب اٹھانی ہو تو ادب سے اٹھائے کسی کو دینی ہو تو پھینک کر نہ دے۔

✲ کتاب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر بے کار اور لایعنی باتیں نہ لکھے۔ اکثر مدارس کے طلباء کی عادت ہوگئی ہے کہ اس پر خوب لکھتے ہیں جس سے علم کی برکت سے محروم ہوتے ہیں۔

✲ امام حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو تعظیم کے ذریعہ حاصل کیا حتی کہ سادہ کاغذ بھی بغیر وضو کے ہاتھ میں نہیں لیا کرتے تھے۔

(٦) طالب کو چاہیے کہ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حقوق کا خیال رکھے

اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے، ان کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ اگر اس کا ساتھی غلط عبارت پڑھے، تو اس پر ہرگز نہ ہنسے، ممکن ہے ساتھی نے غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے غلط پڑھا ہو۔ ہنسنے سے اسے سبکی محسوس ہوگی، اور خود اس کے اندر عجب اور تکبر پیدا ہوگا۔ اگر کسی کتاب کو سمجھنے میں دقت پیش آئے، تو تکرار کے دوران اسے سمجھا دے۔ یاد رکھے کہ تکبر کے ساتھ علم کا حاصل کرنا ''جوئے شیر'' لانے کے مترادف ہے۔

اَلْعِلْمُ حَرْبٌ لِلْفَتَی الْمُتَعَالِي
كَاالسَّيْلِ حَرْبٌ لِلْمَكَانِ الْعَالِي

(جس طرح ایک بلند مکان کو سیلاب پاش پاش کردیتا ہے، اسی طرح تکبر عالم کے علم کو ختم کردیتا ہے)[1]

❋ طالب علم کو چاہیے کہ اپنے اندر مکارم اخلاق پیدا کرے جن کی تعلیم کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سچ بولنا (۲) سچائی کا معاملہ کرنا (۳) سائل کو عطا کرنا (۴) احسان کا بدلہ دینا (۵) صلۂ رحمی کرنا (٦) امانت کی حفاظت کرنا (۷) روزی کا حق ادا کرنا (۸) ساتھی کا حق ادا کرنا (۹) مہمان کا حق ادا کرنا (۱۰) ان سب کی جڑ اور اصل ''حیا'' ہے۔

❋ طالب علم کو چاہیے کہ اپنے کمرہ میں رہنے والے ساتھیوں سے جھگڑا فساد نہ کرے، ان سے کوئی غلطی ہو تو حتی الوسع صبر کرے غریب ساتھی کی حتی المقدور مدد کرے۔

(۷) طالب علم کو علم کا حریص ہونا چاہیے، اگر وطن میں مواقع میسر نہ ہوں، تو سفر سے نہ گھبرائے۔

❋ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے:

---

(۱) احیاء علوم الدین ۱/ ۵٦

اَلْجَدُّ يُدْنِي كُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ
وَالْجَدُّ يَفْتَحُ كُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

(انسان کوشش کے بعد ہر مشکل کام کو سرانجام دے لیتا ہے، جس طرح ہر بند دروازہ کوشش کے بعد کھلتا ہے)(۱)

عزت اُسے ملی، جو گھر سے نکل گیا
وہ پھول سر چڑھا، جو چمن سے نکل گیا

* حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:
''مومن کو علم سے سیری حاصل نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائے۔''(۲)

* حضرت ابوالدرداء سے منقول ہے:
''جو کوئی طلب علم کے سفر کو جہاد نہیں سمجھتا، اُس کی عقل میں نقص ہے۔''(۳)

* امام ذہبیؒ جب پہلی مرتبہ طلب علم کے لیے نکلے، تو سات سال تک سفر ہی میں رہے، ''بحرین'' سے ''مصر'' پھر ''رملہ'' سے ''طرابلس'' کا سفر پیدل کیا، اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔

* ابن المقریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا۔
ان بزرگوں کے دل میں شوقِ علم کی ایسی بے تابی تھی جو ان کو کسی شہر، یا ملک میں قرار نہیں لینے دیتی تھی، ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک برِّ اعظم سے دوسرے برِّ اعظم کا سفر تحصیل علم کے لیے کرتے تھے۔

(۸) علم حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں، انہیں بخوشی برداشت کرے

---

(۱) دیوان امام شافعیؒ ص: ۹۰ (۲) لن يشبع مومن من خير حتى يكون منتهاه الجنة ۲/۹۸ رقم ۲۶۸۶ وان افضل ما صرفت فيه الاوقات هو تعلم العلم الشرعي فعن ابي هريرة: الا ان الدنيا ملعونة ملعون ما فيها الا ذكر الله وما والاه وعالم او متعلم سنن ترمذی باب ماجاء فی ہوان الدنیا علی اللہ تعالی ۲/۵۸ رقم: ۲۳۲۲ (۳) احیاء علوم الدین فضیلۃ التعلم ۱/۱۶

✳ ایک حدیث پاک میں ہے کہ طالب علم اگر تحصیل علم کی حالت میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے۔[۱] اصحاب صفہ کا حال اس راستہ کی تکالیف برداشت کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

✳ امام مالکؒ کا قول ہے کہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک اس راستہ میں فقر و فاقہ کی لذت نہ چکھی جائے، پھر اپنے استاذ ربیعہ کے متعلق فرمایا کہ مدینہ منورہ کے کوڑے کرکٹ سے چیزیں اٹھا کر انہیں صاف کر کے کھا لیتے تھے، مگر حصولِ علم میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے۔

✳ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے زمانہ طالب علمی میں رات کو جہاں بازار کی لالٹین جلتی تھی، وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے، بعض اوقات سردی سے ہڈیاں کپکپا اٹھتیں۔ رات کو مسجد کی چھت میں لیٹ کر سو جاتے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات کتب میں منقول ہیں۔ جن بندگانِ خدا نے اپنے زمانہ طالب علمی میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں، انہی سے اللہ تعالی نے دین کا کام لیا۔

(۹) طالب علم کو چاہیے کہ، زمانہ طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ

(جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں، تو محنت کریں اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں)[۲]

علماء چونکہ ''ورثۃ الانبیاء'' ہیں لہذا انہیں بھی ذکر، فکر، مراقبہ اور محاسبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

---

(۱)(۱) کنز العمال، کتاب العلم، ۱۰/۶۰ رقم: ۲۸۶۸۹ (۲) پ: ۳۰، سورۃ الشرح، آیت: ۷/۸

امام غزالیؒ نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے:

''مجھے سب سے افضل مشغلہ تعلیم وتدریس کا معلوم ہوتا تھا؛ لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے، جو دنیا میں فائدہ پہنچانے والے زیادہ ہیں، میں نے اپنی نیت کو ٹٹولا تو اس میں طلبِ جاہ وحصولِ شہرت کو پایا، پس مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا، میں نے یوں محسوس کیا کہ غار کے کنارے کھڑا ہوں اگر اصلاح کی کوشش نہ کی تو بڑا خطرہ ہے۔''

پس یہ خیال آنے کے بعد گیارہ سال تک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی محنت میں مشغول رہے حتی کہ باطن، تمام آلائشوں سے پاک ہو گیا۔
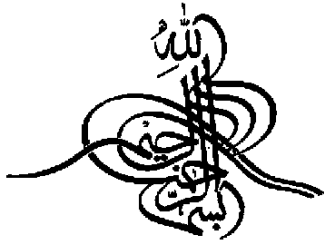
علم کو ایسی طاقت اور قوت بنالو!!.....

عزتوں بھری زندگی کا راز... علم

ہر انسان دنیا میں عزت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے، اس عزت کی تلاش میں اسے دن رات محنت کرنا پڑے، تو بھی نہیں گھبراتا، اپنے آرام کو قربان کرنا پڑے، تو بھی پیچھے نہیں ہٹتا، اس کے دل میں ایک تڑپ اور تمنا ہوتی ہے، مجھے عزت کی زندگی نصیب ہو۔

اس دنیا میں حقیقی عزت ملی انبیاء کرام کو، اور وہ دائمی عزت تھی، اور یہ وہ لوگ تھے جو اللہ -رب العزت- کے پسندیدہ اور چنے ہوئے لوگ تھے، جن کی زندگی انسانیت کے لیے نمونہ تھی۔ دنیا دارالاسباب ہے، سبب کی ضرورت ہوتی ہے، تو انبیاء کرام کو دنیا کی عزتیں ملنے کا جو سبب بھی بنا وہ علم بنا۔ آیئے قرآنِ پاک سے ہم چند مثالیں دیکھیں۔

❊ حضرت آدمؑ کو اللہ -رب العزت- نے مسجود الملائکہ بنایا، سبب اُن کا علم بنا، فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

''اور ہم نے آدم کو تمام اسماء کا علم عطا کردیا''[1]

تو یہاں عارفین نے ایک نکتہ لکھا: ''اے انسان! جب اشیاء کے ناموں کا علم ہو تو انسان مسجود الملائکہ بن جاتا ہے، تو جس انسان کو اللہ -رب العزت- کے ناموں کا علم، اور اس کی معرفت ہوگی، پھر اس کے مقامات کتنے بلند کردیے جائیں گے!!!

(۱) پ:۱، سورۃ البقرۃ، آیت:۳۱

❋ حضرت داوٗد -علیہ السلام-کو اللہ - رب العزت- نے دنیا میں بڑی سلطنت عطافرمائی،اس کا سبب کیا بنا؟قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:**وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ** ''اورہم نے ان کولوہے کی زرہ بنانے کاعلم عطا کردیاتھا۔''(۱)

❋ حضرت سلیمان علیہ السلام کودنیا کی بھی شاہی ملی،اوردین کی شاہی بھی، نبی علیہ السلام نے ارشادفرمایا: کہ ان جیسی دنیا کی شاہی نہ پہلے کبھی کسی کوملی تھی،نہ پھر ملے گی۔اس کی وجہ کیابتائی گئی؟انہوں نےفرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

''اے انسانو! مجھے اللہ-رب العزت- نے پرندوں کی بولی کوسمجھنے کا''علم'' عطا کردیا۔''(۲)

دنیاکے اندرایسی شاہی ملنے کااورغلبہ نصیب ہونے کا سبب،ان کاعلم بنا۔

❋ حضرت یوسف علیہ السلام کواللہ - رب العزت- نے غلامی کی حالت سےنکال کر تخت کےاوپر بٹھایا،اس کا سبب''خواب کی تعبیر'' کاعلم بنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَكَذَالِكَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

''اوراللہ-رب العزت- نے مجھے خواب کی تعبیرکاعلم عطا کیا۔''(۳)

❋ حضرت خضر کے بارے میں مفسرین نےلکھاہے: کہ اولیاءمیں سے بڑامقام رکھنے والے ہیں۔انہیں ایک نبی کا استاذ بننے کا شرف نصیب ہوا،اس کی وجہ ان کا علم بنا،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا، آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

---

(۱) پ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت: ۸۱) (۲) پ: ۱۹، سورۃ النمل، آیت: ۱۶ (۳) پ: ۱۳ سورۂ یوسف آیت: ۱۰۱

''ہم نے اسے اپنے پاس سے علم عطا کر دیا۔''[1] تو علم سبب بن رہا ہے ایک ولی کے لیے وہ اللہ-رب العزت- کے پیغمبر کا بھی اس وقت استاذ بنا۔

❊ نبی علیہ السلام کو اللہ-رب العزت- نے کونین کی شاہی عطا فرمائی تھی، سید الاولین والآخرین بنایا اور ان کو بھی اللہ تعالی نے علم میں ممتاز فرمایا

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا

''اور آپ کو وہ علم دیا، جو آپ کے پاس نہ تھا، اور آپ پر اللہ تعالی کا بڑا فضل ہوا''[2]

ان تمام ہستیوں کے لیے دنیا میں عزتیں، شرافتیں اور غلبہ ملنے کا سبب جو چیز بن رہی ہے وہ ان کا ''علم'' ہے۔ تو معلوم ہوا کہ علم سے جو عزتیں ملتی ہیں وہ دائمی ہوا کرتی ہیں، اور مال کے ذریعہ سے جو عزتیں ملتی ہیں وہ عارضی ہوتی ہیں، صبح کے وقت تخت پر ہوتے ہیں، اور شام کے وقت تختے پر ہوا کرتے ہیں، رات کو وزیر ہیں صبح کو اسیر ہیں، رات کو صدر ہیں صبح کو ملک بدر ہیں، رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں؛ مال سے ملنی والی ایسی عارضی عزت کا کیا فائدہ؟

تین چیزوں کا مجموعہ ایک روحانی طاقت

عقلمند انسان وہ ہے جو اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ کرے، جو اپنے دل کو علم کے نور سے منور کرے؛ تاکہ وہ دنیا کے اندر عزتوں والی زندگی اور کامیابیوں والی زندگی اختیار کر سکے۔

علم پر عمل کرنا، یہ اس سے اگلا قدم ہے، چنانچہ جب انسان علم حاصل کرتا ہے اور اسے علمی صورت میں ڈھال لیتا ہے، وہ اللہ-رب العزت- کے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل تھا؛ ایک آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، پھر اگلی آیت پڑھتے تھے اور عمل کرتے تھے۔ اِدھر قرآن مکمل ہوتا تھا اور اُدھر اُن کا ''عمل

(۱) پ:۱۵، سورۃ الکہف، آیت:۶۵ (۲) پ:۵، سورۃ النساء، آیت:۱۱۳

بالقرآن''، مکمل ہوتا تھا۔ آج کا طالب علم بھی اگر ایسا کرے گا، تو اس کا علم ''علمِ نافع'' بنے گا۔ توجہ فرمائیے گا! بات سخت ہے؛ لیکن توجہ سے سنیے! اگر کوئی بندہ چوبیس گھنٹے حدیث پاک کی تحقیق کرتا ہے؛ مگر نیت یہ نہیں کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ تو اس نے نقوش کو تو حاصل کرلیا؛ لیکن اس نے علم کو حاصل نہ کیا۔ الفاظ اور حروف تو اسے مل گئے؛ مگر اس نے اپنے رب کی اطاعت نہیں کی۔ حدیث کو پڑھنا ہی اس نیت سے تھا، کہ میں اس پر عمل کیسے کروں؟۔

❊ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ تَعَلَّمُوْا فَمَنْ تَعَلَّمَ فَلْيَعْمَلْ

''اے لوگو! تم علم حاصل کرو، جو علم حاصل کرے گا وہی اس پر عمل کرے گا''[1]

عمل کے بعد ایک قدم اور ہے جس کو ''اخلاص'' کہتے ہیں۔ یہ تین چیزیں جب اکٹھی ہوجاتی ہیں (علم، عمل اور اخلاص) تو اب یہ الفاظ اور حروف نہیں؛ بل کہ اب یہ طاقت ہے، ایک قوت ہے، اور اس قوت کی وجہ سے اللہ۔ رب العزت۔ دنیا اور آخرت میں عزتیں دیتے ہیں۔

صحابۂ کرام کے علم، عمل اور اخلاص کی طاقت کا حال

سیدنا عمر ابن الخطاب کے پاس علم، عمل اور اخلاص سے ملنے والی قوت اور طاقت موجود تھی، اور اسی قوت اور طاقت کی وجہ سے اللہ۔ رب العزت۔ نے دنیا کے فرماں رواؤں اور بادشاہوں کے تاج ان کے قدموں میں لاکر ڈال دیے، فقیرانہ زندگی تھی؛ لیکن وقت کے بڑی بڑی سپر پاور والے بادشاہ، قیصر اور کسری بھی تھرایا کرتے تھے، نام سن کر کانپتے تھے، لرزہ براندام ہوجاتے تھے؛ اس لیے کہ ان کے پاس علم، عمل اور اخلاص کی قوت موجود تھی۔

---

(۱) مجمع الزوائد باب من علم فلیعمل ۲/ ۲۱۹ رقم: ۷۵۹

....ایک مرتبہ مدینہ کے باہر ایک آگ نکلتی ہے اور مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیتی ہے، سیدنا عمرؓ ایک صحابی کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ ’’اس آگ کو پیچھے اس کے اپنے مخرج کی طرف دھکیل دیجیے‘‘، وہ اپنی چادر کو کوڑے کی مانند بنا کر اس آگ کی طرف مارنا شروع کر دیتے ہیں، آگ ہٹتے ہٹتے جہاں سے نکلی تھی، وہاں پر چلی جاتی ہے۔ سبحان اللہ! آگ پر حکم چل رہا ہے، ہوا پر حکم چل رہا ہے، زمین پر حکم چل رہا ہے، دریاؤں کے پانی پر حکم چل رہا ہے۔

....بیت المقدس کی فتح یابی کا مسئلہ ہے، مسلمانوں نے وہاں پر چڑھائی کی، وہاں کے لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے خلیفہ کو ہماری طرف بھیجیے، ہمارے پاس ان کی نشانیاں ہیں، ہم دیکھیں گے، اگر وہ نشانیاں موجود ہوئیں، تو بغیر کسی لڑائی کے چابیاں ان کی جھولی میں ڈال دیں گے۔ مسلمانوں کا امیر المؤمنین اس حال میں دشمنوں کے سامنے پیش ہوتا ہے کہ اس نے اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی ہے، غلام اوپر بیٹھا ہوا ہے، کپڑے میں پیوند لگے ہیں؛ مگر ان کے چہرہ پر وہ جاہ وجلال تھا، وہ ہیبت تھی، اللہ نے رعب کے ذریعہ ان کی ایسی مدد کی، کہ جب کفار نے دیکھا، تو ان کے پتّے پانی ہوگئے، کہنے لگے کہ یہ وہی شخصیت ہے جس کی نشانیاں کتابوں میں ہیں، بیت القدس کی چابیاں ان کی جھولی میں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ عزتیں کیسے مل رہی ہیں؟ صرف قوت ایمانی کے سبب، جو انسان کو علم، عمل اور اخلاص کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔

صحابہ کرامؓ جب افریقہ کے جنگلوں میں پہنچے، تو ’’بربر قوم‘‘ کہنے لگی: کہ یہاں پر تو خطرناک درندے ہیں، وہ رات کے اندھیرے میں تمہاری تِکّہ بوٹی کر دیں گے۔ ایک صحابی نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ ’’اے جنگل کے درندو! آج یہاں نبی علیہ السلام کے غلاموں کا بسیرا ہے، اس لیے جنگل خالی کر دو‘‘ یہ اعلان ہونا تھا کہ صحابہ کرام نے دیکھا کہ شیرنی بچوں کو لے کر جا رہی ہے، اور ہاتھیوں کے غول جا رہے ہیں، اور سارے درندے

جنگل کوخالی کر کے جارہے ہیں۔

ہم بھی یہ عزتیں حاصل کریں

تو آج اس بات کی ،ضرورت ہے جن کواللہ-رب العزت- نے یہ خوشی کا موقع فراہم کیا، کہ علم کی نسبت نصیب ہوئی ،وہ اس علم پر عمل کر کے خود بھی نیک بنیں،اور جہاں رہیں، وہاں بھی علم کی روشنی کو پھیلائیں۔

چراغ علم جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

آج ضرورت ہے اس بات کی ، کہ جہاں جہاں جو بچہ جائے ،وہ علم کے چراغ کو جلائے ؛ تا کہ امت کے اندر جو جہالت کا اندھیرا آچکا ، یہ روشنی میں تبدیل ہوجائے اور یہ روشنی مینارۂ نور بن جائے اورلوگوں کی زندگیوں کومنور کرنے لگ جائے۔ جب آپ علم پر عمل کریں گےاور اس عمل کی روشنی کو پھیلائیں گے؛ تو آپ اس دین کی حفاظت کرنے والوں کے گروہ میں اور جماعت میں شامل ہوجائیں گے۔

آج بھی جوانسان چاہے کہ مجھے یہ عزتیں نصیب ہوں،تو راستہ وہی ہے کہ علم حاصل کر کے اس کوعملی جامہ پہنائے ،اورعمل فقط اللہ-رب العزت- کی رضا کے لیے کرے۔ اپنی شخصیت کے اندرعمل کو پیدا کرلیجیے، پھر دیکھیے اللہ -رب العزت- دنیامیں کیسی عزتیں عطا فرما دیتے ہیں؟

اللہ-رب العزت- نے ہرمؤمن کومقام تسخیر عطا کرنے کا اعلان کردیا ہے؛مگر ہمارے راستے میں ہمارا چھ فٹ کا جسم رکاوٹ ہے۔ مولانا رومؒ ایک جگہ لکھتے ہیں: کہ ’’اے دوست! تیرے راستے میں رکاوٹ تیرا چھ فٹ کا جسم ہے؛یعنی تیرا نفس ہے،اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ چھ فٹ کی دیوار اتنی اونچی نہیں، ذرا ہمت کر کے اسے پھلانگ جا‘‘ ہم گناہوں کی زندگی گزار کرعزتوں کے طلبگار بنتے پھرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے، کہ ہم نفس وخواہشات والی زندگی گزاریں اور پھر سوچیں کہ عزتوں بھری زندگی ملے گی؟ یاد

رکھیے! گناہ انسان کوکسی نہ کسی صورت میں پریشان ضرور رکھتا ہے۔کوئی انسان ایسا نہ ملے گا جو گناہوں والی زندگی گزارے اور اس کا دل آپ کو مطمئن نظر آئے، اس کا دل ہمیشہ پریشان ہوگا،حتی کہ کامیابی سے گناہ کرنے والے جنہوں نے اپنے قریبی عزیزوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھیں، ان کی آنکھوں میں دھول جھونک دی، کسی کو پتہ نہ چلنے دیا؛ اس طرح کامیابی سے گناہ کرتے رہنے والے کے دل کو جھانک کر دیکھیں! ان کے دلوں میں بھی آپ بے سکونی پائیں گے۔وہ مجرم ہوتے ہیں، اللہ-رب العزت- کے بھی اور اپنے ضمیر کے بھی، ان کا ضمیر انہیں ملامت کررہا ہوتا ہے۔وہ آنکھیں بند کرتے ہیں، تو اپنے آپ کو مجرم کھڑا پاتے ہیں۔جیسے ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہیں اور انہیں ضمیر پکار کر کہہ رہا ہے: کہ ''تم اپنی اوقات کوتو پہچانو، دنیا تمہیں کیا سمجھتی ہے، اور تم اپنے من میں جھانک کر دیکھو تمہاری اوقات کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ تم اللہ کو کیا چہرہ دکھاؤ گے؟ کتنی عجیب بات ہے کہ صبح بستر سے اٹھتے ہیں، منہ دھوئے بغیر لوگوں کے سامنے نہیں جاتے کہ میلا منہ لےکر کیسے جائیں گے؟ ارے! جس چہرہ کو دنیا نے دیکھا ہے، اس کو دھوئے بغیر تم سامنے نہیں جاتے، جس چہرہ کو پروردگار نے دیکھنا ہے، جب اس پر گناہ کی میل لگ گئی، تو پھر پروردگار کو وہ چہرہ کیسے دکھائیں گے؟!!

آج ہی معافی مانگ لیں

ہم اب تک زندگی میں جو گناہ کر چکے، ہمیں چاہیے کہ آج کی اس محفل میں اللہ-رب العزت- سے پکی معافی مانگیں، دل میں ارادہ کریں، رب کریم! جو ہو چکا، وہ تو گزر چکا، ہم اس پر نادم ہیں، شرمندہ ہیں، رب کریم! جو وقت زندگی کا آئندہ باقی ہے، اس میں نیکوکاری کی زندگی نصیب فرمادے۔اے اللہ! آپ نے ہمیں دنیا میں علم کی نسبت دے دی، اللہ! اس نسبت کو نبھانے کی توفیق عطا فرما۔ایسا نہ ہو کہ ہم علم کی بدنامی کا سبب بنیں، علم کے نام پر بٹہ لگنے کا ذریعہ بن جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی کوتاہی کر بیٹھیں، کوئی ایسا گناہ

کر بیٹھیں، کوئی ایسی غلطی کر بیٹھیں، کہ لوگ یوں کہیں کہ دیکھو! علم پڑھنے والوں کی زندگی ایسی ہوتی ہے۔ ارے! علم والے تو بڑی شان والے گزرے، ان کی زندگیاں تو بالکل پاکیزہ زندگیاں تھیں، جن پر پھولوں کی پاکیزگی بھی قربان کردی جائے، ان کے دامن اتنے صاف ہوتے تھے۔ آج ہمیں اللہ تعالی نے اگر آج کے دور میں علم کی یہ نسبت عطا کی ہے، تو ہمیں بھی اپنے دامن کو گناہوں سے بچاکر زندگی گزارنی ہے، پاکدامنی کی زندگی، پرہیزگاری کی زندگی، نیکوکاری کی زندگی۔ جب اس طرح احتیاط کی زندگی گزاریں گے، تو اللہ۔رب العزت۔کی رحمتیں برسیں گی، اللہ تعالی ہم پر مہربانی فرمائیں گے۔

آپ اپنے گناہوں کی اللہ تعالی سے خوب معافی مانگیں، اصرار کے ساتھ، تکرار کے ساتھ، باربار التجا کر کے معافی مانگئے۔ ایک چھوٹا بچہ ماں سے کچھ مانگتا ہے، ماں جھڑک بھی دیتی ہے، وہ پھر پیچھے نہیں ہٹتا، بچہ چھوٹا سہی؛ مگر اس راز کو جانتا کہ باربار مانگنے سے میرا کام بنے گا، اور بالآخر امی مجھے چیز دے دیگی، کبھی تو ماں اس کو تھپڑ بھی لگاتی ہے، وہ رو بھی پڑتا ہے؛ مگر ماں کی طرف لپکتا ہے، جب ایک چھوٹا بچہ ماں کے ساتھ اتنی استقامت کے ساتھ کھڑا ہوجاتا ہے اور اس کی طرف بڑھتا ہے کہ ماں کو بھی پیار آتا ہے، بچے کو اٹھا کے وہ سینے سے لگالیا کرتی ہے، ہم بھی اسی طرح اللہ کے در کو پکڑ لیں۔ معافی مانگیں اور باربار مانگیں۔ اپنی ندامت کا اظہار کریں، اپنے دل کے اندر اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہوئے، گناہگار سمجھتے ہوئے اللہ تعالی سے سچے دل سے معافی مانگیں، رب کریم! ہم پر مہربانی فرما، کہ ہمیں تو نے علم کی نسبت عطا فرمائی، اللہ! اس نسبت کی لاج رکھ لینا۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس آسرا یہی ہے

اللہ۔رب العزت۔نے جس طرح ظاہر میں علم کے ساتھ یہ نسبت دی، اللہ تعالی قیامت

کے دن بھی طلبہ، علماء کے قدموں میں جگہ عطا فرمادے، یہی ہمارے لیے مغفرت کا سبب بن جائے گی۔

ہمارا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا....

ہم سچے دل سے معافی مانگیں، باربار پروردگار کا دروازہ کھٹکھٹائیں، جو انسان بار بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، بالآخر اس کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا ہے؛ مگر دل کے اندر پکا یقین ہو کہ ہمیں اگر رحمتیں ملنی ہیں، تو اسی دروازے سے، مغفرت ملنی ہے، تو اسی دروازے سے ہمیں بخشش ملنی ہے تو اسی دروازے سے، ہمیں عزتیں ملنی ہیں، تو اسی دروازے سے، اللہ-رب العزت-کے محبوب نے ہمیں یہ در کھایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ اس در کے سوا کوئی در نہیں ہے۔

اللہ -رب العزت-کو اس وقت تک منانا ہے، جب تک وہ راضی نہ ہوجائے، اس دروازے کو پکڑے رہیے، دن رات دعائیں کیجیے، تہجد پڑھ کر، نفل پڑھ کر، اپنی تنہائیوں میں بیٹھ کر، اللہ کے سامنے سر جھکا کر، سجدے میں سر ڈال کر؛ معافیاں مانگیے۔ اس رب کو منانے کی کوشش کر لیجیے، اے اللہ! تو راضی، سارا جگ راضی، اگر پروردگار راضی ہو گئے تو انسان کو دنیا میں بھی عزتیں ملیں گی۔ اس کے دروازہ کے اوپر استقامت کے ساتھ جمے رہیے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خیر کے فیصلے فرمادے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں کیوں نہیں آئے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہیں۔ قرآن ہمیں پکار رہا ہے: **قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ**

"میرے بندوں کو کہہ دو جو گناہوں میں ڈوبے پھرتے ہیں، کہ تم میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔"

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

سبحان اللہ! اللہ-رب العزت-اپنی رحمت فرمائے ہماری زندگی کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور جو وقت باقی ہے اللہ تعالیٰ اس کو علم، عمل اور اخلاص کے ساتھ گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

---

(۱) پ: ۲۴، سورۃ الزمر، آیت: ۵۳

الفاظ وحروف کافی نہیں؛خوف وخشیت پیدا کیجیے!

جب تین چیزیں مل جائیں؛عقل سلیم بھی،علم نافع بھی اور عمل بھی؛ تو پھر ان کا مجموعہ ’’خشیتِ الٰہی‘‘ کہلاتا ہے،**اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا**۔[1] اس میں خشیت سے مراد یہی ہے۔خشیت دل کی ایک کیفیت کا نام ۔ ہے، دیکھیں ایک ہوتا ہے، کسی چیز کا پتہ ہونا،علم ہونا اور ایک ہوتا ہے اس چیز کا استحضار ہونا،یعنی وہ چیز حاضر ہونا طبیعت میں یہ جو استحضار ہے، یہ ہر وقت نہیں رہتا۔اب کس کو نہیں پتہ، کہ اللہ تعالی نے فرمایا: کہ، جہاں تین ہوتے ہیں،تو چوتھا اللہ ہوتا ہے،اور جہاں چار ہوتے ہیں وہاں پانچواں ہوتا ہے،**وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ** ’’وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے،تم جہاں کہیں ہوتے ہو۔‘‘[2]تو علمی اعتبار سے ہر بندے کو اس کا پتہ ہوگا؛لیکن اس کا استحضار رہنا اور چیز ہے۔یہاں جو ذکر کے لیے آتے ہیں، وہ اس لیے کہ،ہمیں اس علم کا استحضار حاصل ہوجائے،اللہ تعالی کی اِس معیت کا استحضار حاصل ہوجائے، ہر وقت ہماری یہ کیفیت رہے۔ اور جو تخلیہ میں بیٹھ کر ذکر کرواتے ہیں، ضربیں لگواتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ ان اورادوظائف کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ-رب العزت-کی معیت کا

(۱) پ:۲۲،سورۃ فاطر،آیت:۲۸ (۲) پ:۲۷ سورۃ الحدید،آیت:۴

استحضار نصیب ہو جاتا ہے، جو کہ اصل مقصود ہے۔ اگر انسان کو اوراد وظائف کرنے کے باوجود بھی معیت الٰہی کا استحضار نصیب نہ ہو، تو اس کا یہ مطلب ہے، کہ وہ سلسلے کے آداب و شرائط کی پابندی نہیں کر رہا۔

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق ہیں، ان میں سے پندرہ اسباق کے بعد سولہواں سبق ''مراقبہ معیت'' کہلاتا ہے۔ جو آدمی آداب وشرائط کے ساتھ پندرہ اسباق کر لے، یہ ہو ہی نہیں سکتا، کہ اُسے سولہویں سبق پر معیتِ الٰہی کی کیفیت کا استحضار نصیب نہ ہو۔

ہمیں یہ کیفیت حاصل کرنے کی محنت کرنی چاہیے

اِسی لیے وقت مانگتے ہیں کہ روزانہ کچھ وقت فارغ کرلو، نبی-علیہ السلام-فرماتے تھے: کہ میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہوتا ہے کہ جب کسی نبی مرسل اور ملائکہ کو بھی وہاں پر دخل دینے کی اجازت نہیں ہوتی''۔ (۱)

تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت گزارا کرتے تھے، ہم بھی ایسا وقت گزاریں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تار جوڑ کر بیٹھا کریں، محبت سے یاد کیا کریں۔ ارے جاہل یاد کرتا ہے جہالت کی باتیں کر کے، اس کی جہالت کی باتیں اللہ کو پسند آتی ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی تاریکیوں کاٹی ؟۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اگر جاہل کا تخلیہ میں بیٹھ کر اللہ سے لو لگانا اتنا پسند آیا، اگر کوئی صاحبِ علم بیٹھ کر اللہ سے لو لگائے گا، تو اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند آئے گا؟ تو ہم دن کا کچھ وقت اپنے لیے فارغ کرلیں، تہجد کا وقت بہترین وقت ہے، جب دنیا سوئی ہوئی ہوتی ہے، اس وقت اٹھیں، اور نوافل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر بیٹھیں پھر بیٹھے بیٹھے دل کی کیفیت کیا بنے گی؟ کہ۔

---

(۱) کشف الخفاء ۲/ ۲۲۶

کہ مجھکو نہ اپنا ہوش، نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھاہوں مست ہوکے، تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو، میری روداد زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں، تمہارے خیال میں

پھر دیکھنا اللہ -رب العزت- کی طرف سے کیسی رحمتیں آتی ہیں؟ پھر عشقِ الٰہی ملے گا، محبت کی شراب پلائی جائے گی، پھر دل کے اندر سوز پیدا کردیا جائے گا، اور یہ سوز آپ کو تڑپائے گا۔

میرے دوستو! عشقِ الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اعمال میں جان نہیں ہے، وہ جو انسان کے اندر عشق الٰہی کا جذبہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے انسان زندہ ہوتا تھا، آج وہ نہیں ہے، ایک وقت تھا کہ یہ سینے کا دل، عشقِ الٰہی سے انگارے کی طرح گرم ہوا کرتا تھا، اور آج تو جلے ہوئے کوئلے کی طرح بالکل ٹھنڈا ہوا پڑا ہے۔ آج کا مسلمان راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے، سینے میں محبتِ الٰہی کے وہ انگارے نہیں جو جل رہے ہوں، جو اس کے سینے کو گرما رہے ہوں، جو اسے اپنے محبوب سے ملاقاتوں پر مجبور کررہے ہوں۔

نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کو اللہ -رب العزت- سے کیسی شدید محبت تھی! سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ جب اذان کی ''اللہ اکبر'' ہوتی، تو نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- مجھے پہچاننا چھوڑ دیتے تھے۔ میں کئی مرتبہ سامنے آتی، تو آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- پوچھتے، تم کون ہو؟ میں کہتی: عائشہ! پوچھتے، عائشہ کون؟ میں کہتی، ابوبکر کی بیٹی ہوں، پوچھتے ابوبکر کون؟ میں اس وقت پہچان لیتی، کہ اب ایک نام دل میں اتنا غالب آچکا ہے کہ دنیا میں کسی اور کو یہ نہیں پہچانیں گے!!!

توخشیت الٰہی دل کی ایک کیفیت کا نام ہے، جس کی وجہ سے انسان ہر وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں، مجھے قیامت کے دن رب کے سامنے پیش ہونا ہے، ہمارے سَلف صالحین میں یہ خشیت الٰہی کیسی تھی؟ سبحان اللہ!

سلف صالحین میں خشیتِ الٰہی

❋ حضرت عمرؓ کا حال یہ ہوتا تھا، کہ فجر کی نماز میں امام ہوتے تھے، سورۂ یوسف کی تلاوت کرتے ہوئے اتنا روتے، کہ حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ **وَاَنَا فِیْ اٰخِرِ الصُّفُوْفِ** ''میں صفوں کے آخر میں تھا''**یَقْرَأُ**'' حضرت عمرؓ پڑھ رہے تھے:''**إِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ، وَحُزْنِي إِلَی اللہِ**''[1] اور میں آخری صف میں کھڑا ان کے رونے کی آواز کوسن رہا تھا۔[2]

❋ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ آیت سُنی **ھٰذَا یَوْمُ لَایَنْطِقُوْنَ، وَلَایُؤْذَنُ لَھُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ**[3] اس آیت کا سننا تھا، کہ غش کھا کر گر پڑے، اور بے ہوش ہوگئے!!

❋ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت پڑھتے ہوئے گزار دی، **وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللہِ مَالَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ**۔[4]

اُن کے اندر یہ خشیتِ الٰہی تھی، ڈر رہے ہوتے ہیں، کانپ رہے ہوتے ہیں، پتہ نہیں ہمارا کیا ہوگا؟ پتہ نہیں اللہ-رب العزت- کے حضور پہنچیں گے، تو کیا معاملہ ہوگا؟ وہاں سے باز پُرس ہونی شروع ہوگئی، تو پھر کیا بنے گا؟

* مقاتل ابن حیان-رحمۃ اللہ علیہ- کہتے ہیں: کہ میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیکھا، آیت پڑھ رہے تھے، کپکپا رہے تھے اور رو رہے تھے، میں نے قریب ہو کر سنا، تو وہ بار بار اس آیت کو دہرا رہے تھے:

وَقِفُوْھُمْ إِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ

انہیں روک لو، اِن سے پوچھ گچھ ہوگی:[5]

روک لیجیے! یہ دیکھنے میں صوفی نظر آتے تھے، اوپر سے میاں تسبیح تھے، اندر سے میاں

---

(۱) پ: ۱۳ سورۂ یوسف، آیت: ۸۶ (۲) صحیح بخاری باب اِذا بکی الامام فی الصلاۃ ۱ / ۱۴۷ (۳) پ: ۲۹ سورۃ المرسلات آیت: ۳۵ (۴) پ: ۲۴، سورۃ الزمر، آیت: ۴۷ (۵) ۲۳، سورۃ الصفٰت، آیت: ۲۴

کسی تھے۔ وہ پروردگار تو سینوں کے بھید جانتا ہے، جب اس کے سامنے سے انسان گزرے گا، اور دل کے اندر گناہوں کا زنگ ہوگا، گناہوں کی ظلمت سامنے ہوگی، تو پھر اللہ۔رب العزت۔بندے کو کھڑا کریں گے، بتاؤ! تم نے دنیا میں کیسی زندگی گزاری ہے؟

علم کے باوجود ہماری یہ حالت کیوں نہیں؟

امت کے اکابر جب قرآن مجید پڑھتے تھے، تو قرآن مجید کی جو آیتیں آخرت کے بارے میں ہیں، اور عذاب کے بارے میں ہیں، ان کو پڑھتے تھے، روتے رہتے تھے، بار بار پڑھتے تھے، اور دلوں کی کیفیت اس وقت عجیب ہوتی تھی۔ آج کا تو حال یہ ہے کہ جتنا مرضی کوئی اچھا قرآن پڑھے، مشکل ہی سے کسی کی آنکھ سے آنسو ٹپکتا دیکھیں گ؛ ہاں کوئی بندہ شعر پڑھنا شروع کردے، سب رونا شروع کر دیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کبھی کسی نے سوچا؟

وجہ یہ ہے کہ ''جن کے دل اللہ کی محبت سے بھرے ہوتے ہیں، جب اللہ کا کلام ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے، تو ان کی آنکھوں سے پھر ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے ہیں، اور جن کے دل مخلوق کی محبتوں سے بھرے ہوتے ہیں، اُن کے سامنے مخلوق کا کلام پڑھا جاتا ہے، تو ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ جاتے ہیں''۔

تھے تو وہ ہمارے ہی اسلاف، پھر اُن کی یہ کیفیتیں ہمارے لیے کیوں اجنبی ہیں؟ ہم سوچیں نا، زندگی کے کتنے سال گزر گئے، علم پڑھا بھی سہی، کبھی نفل پڑھتے ہوئے قرآن پڑھتے ہوئے؛ ہمارے آنسو ٹپکے؟ کبھی ہم پر یہ کیفیت آئی؟ اگر نہیں آئی، تو **إِنَّهَا أَعْظَمُ مِنَ الْمَصَائِبِ** ''تو یہ بڑی مصیبت ہے'' ہمیں کیوں رونا نہیں آتا ان آیتوں پر؟ جب ہم جانتے بھی ہیں، ان کے معنی بھی سمجھتے ہیں، اس کا مطلب ہے کچھ گڑ بڑ ضرور ہے، کہ ہم سے رونا چھین لیا گیا۔

حضرت شعبیؒ فرماتے تھے: کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو؛ کیوں کے تم

فقط علم حاصل نہیں کر رہے؛ بلکہ اپنے اوپر حجتِ الٰہی کو اچھی طرح قائم کر رہے ہو۔

میرے دوستو! یہ واقعات معمولی نہیں ہیں، کہ ہم پڑھ کر آگے گزر جائیں، یا ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیں؛ بلکہ یہ ہمیں کچھ سبق دے رہے ہیں کہ ہمارے دل میں بھی اللہ۔رب العزت۔ کا خوف ہونا چاہیے، اس کی جلالت شان ہمارے سامنے ہونی چاہیے؛ تاکہ ہم گناہوں سے بچ سکیں۔

ہم اگر علم حاصل کریں گے، اور کام نہیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے، وہ مکھی سے کام لے لیتا ہے، مچھر سے لے لیتا ہے، مکڑی سے لے لیتا ہے، جس سے چاہے وہ اپنے دین کا کام لیتا ہے، تو ہمیں اپنے فرض منصبی کو پورا کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن ہم سے پوچھا جائے کہ تم نے کیا کام کیا؟ اور ہم اِس کا جواب نہ دے سکیں۔ کہنے کو عالم ہو اور زندگی اس کی ایسی ہو جیسے کسی ظالم کی ہوتی ہے، اس کو حلال اور حرام کی تمیز نہ ہو، وہ اپنے رب کی پوجا کرنے کے بجائے اپنے نفس کی پوجا کرتا پھر رہا ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جب علم رنگ لاتا ہے تو، انسان کے اندر پھر خشوع پیدا ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز ہے اللہ تعالیٰ سے مانگیے، کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنا خشوع عطا فرمادے۔

٭ .....فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:

''جس بندے کو علم عطا کیا گیا، اور پھر اس بندے کے اندر خوف، حزن اور رونا دھونا نہیں بڑھا، وہ اس لائق ہے کہ اس کو علم نہ عطا کیا جاتا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ

''کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں''(۱)

(۱) پ:۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۵۹/ ۶۰

علم حاصل کرنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر خوف بڑھے، حزن بڑھے اور رونا دھونا آئے۔

....خوف بڑھے اپنے گناہوں سے

....حزن بڑھے اپنے اعمال کی قبولیت کے نہ ہونے پر اور

....رونا دھونا بڑھے اپنے انجام کے بارے میں

اگر علم کے ساتھ ساتھ یہ تین چیزیں نہیں بڑھ رہیں، تو فرماتے ہیں کہ بہتر تھا کہ اس بندے کو علم ہی نہ عطا کیا جاتا۔

❊ ....حسن بصریؒ اپنے زمانے کے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَانَ طَالِبَ الْعِلْمِ يَرَى ذٰلِکَ فِي سَمْعِهٖ وَبَصَرِهٖ وَتَخَشُّعِهٖ

''طالب علم کو علم کا اثر نظر آتا تھا، اپنے کانوں میں اپنی نگاہوں میں اور اس کے خشوع (کی زیادتی) میں۔[1]

اپنے دل میں اس بات کو بٹھا لیجیے کہ اللہ-رب العزت- کے ہاں مرتبے بھی زیادہ ہیں؛ لیکن مرتبہ پانے کے لیے محنت کرنے کی ضرورت ہے فقط علمِ ظاہر کی بات ہوتی، تو قیامت کے دن شیطان کی بخشش ہم سے پہلے ہوجائے گی؛ اس لیے کہ وہ ہم سے بڑا عالم ہے، معلوم ہوا کہ نہیں، فقط الفاظ وحروف کی بات نہیں، کچھ اور بھی چیز ہے، اسی کو ''سوزِ علم'' کہتے ہیں، محبتِ الٰہی کہتے ہیں جب علم کے ساتھ محبتِ الٰہی مل جاتی ہے، تو عمل آجاتے ہیں، پھر انسان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشوع پیدا ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی پہچان بتادی ہے کہ وہ قرآن سنتے تھے اور روتے تھے، **إِنَّ الَّذِينَ اُوْتُوْ الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا، وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلاً، وَيَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُوْنَ**

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ باب: جامع فی آداب العالم والمتعلم ص: ۱۷۳

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعاً۔[1]

اس محفل میں کوئی ایک آدمی کھڑا ہو کر بتا سکتا ہے کہ میں نے قرآن سنا، اور قرآن سن کر مجھ پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ میں روتے ہوئے گر پڑا؟ معلوم ہوا ہمارا علم فقط الفاظ وحروف کا ہے، اس سے ایک قدم اور آگے بڑھائیے اور احوال وکیفیات کو بھی حاصل کرلیجیے، ہمارے سلف صالحین کے اندر علم الفاظ اور حروف کی شکل میں ہوتا تھا، اور احوال وکیفیات کی شکل میں بھی۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھنا ہے ہمیں قرآن کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنا ہے۔

ہم سب مل کر سوچیں، کہ کیا ہم نے پوری زندگی میں اس آیت پر عمل کیا، یا ابھی تک نہیں کر پائے؟ اگر ابھی تک عمل نہیں کر پائے، تو پھر عمل کرنے کا وقت کب آئے گا؟....

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا"

اوران لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی، اور جن کو ہم نے چن لیا، یہ بات ہو رہی ہے ان بندوں کی، جن کو پروردگار ہدایت دے کر اپنے دین کے کام کے لیے قبول کر لیتے ہیں، جن کی زندگیاں منبر ومحراب کے لیے وقف ہو جاتی ہیں، اور جو لوگ انبیاء کے نائب اور ان کے وارث کہے جاتے ہیں، ان کی صفت ارشاد فرمائی:

إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِم آيَاتُ الرَّحْمٰنِ"

جب ان کے سامنے رحمن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا"

وہ سجدے کرتے ہیں روتے ہوئے۔

اب بتائیے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں تراویح میں اس آیت کو درجنوں مرتبہ سنا ہوگا؛

---

(۱) پ:۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۱۰۷/ ۱۰۸/ ۱۰۹ (۲) پ:۱۶، سورۃ مریم، آیت: ۵۸

مگر ہر مرتبہ پوری کی پوری مسجد کے لوگ اس آیت کو سن کر **"خَرُّوْا سُجَّدًا"** پر عمل کرتے ہیں؛لیکن پوری مسجد میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو **"وَّبُکِیًّا"** پر عمل کرنے والا ہو، وہ وقت کب آئے گا، جب ہم ایک قدم اور آگے بڑھیں گے، اور دل کی کیفیت ایسی بنے گی کہ جب ہم ان آیتوں کو پڑھیں گے تو ساتھ ہی آنکھوں سے ساون بھادوں کی برسات شروع ہو جائے گی؟

ہم نے کبھی تنہائی میں بیٹھ کر سوچا ہے، کہ ہمیں رونا کیوں نہیں آتا؟ کیا ساری زندگی قرآن کی تفسیر اور حدیث پڑھ کر **"وَّبُکِیًّا"** کے لفظ پر عمل کئے بغیر ہی مر جائیں گے؟ رونے کی توفیق اللہ تعالی سے کب پائیں گے....؟

محترم جماعت! رونے کی توفیق ملتی ہے مگر سوالی کو، پیٹ بھرنے سے نہیں ملتی، یہ خالی پیٹ رہ کر ملا کرتی ہے۔ یہ اخبار پڑھنے سے نہیں ملتی، یہ قرآن پڑھنے سے ملا کرتی ہے۔ یہ فقط تنقید کرنے سے نہیں ملتی، یہ سنت کی پیروی کرنے سے ملا کرتی ہے؛ اس لیے ہم اپنے دل کی کیفیت کو دیکھیں کہ آج ہمارے دل کی حالت کیا ہے؟

میرے دوستو! ہم نیکو میں سے نہیں ہیں؛ مگر نیکوں کے ساتھ تو ہونا چاہتے ہیں اس لیے رب کریم سے مانگا کیجیے کہ۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهُ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحاً

کیا بعید ہے اللہ تعالی کی رحمت کا سمندر جوش میں آئے اور ہمارے گناہوں پر پانی بہا دیا جائے، بل کہ ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ الہی! آپ تو اتنے عطا کرنے والے ہیں کہ اگر ایک بدکار عورت کسی کتے کو پانی پلاتی ہے تو زندگی کے گناہوں کو دھو دیا جاتا ہے، الہی! ہمارے حال پر بھی رحم فرما دیجیے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر ہمیں بھی اپنے مقربین میں شامل فرما لیجیے (آمین ثم آمین)

فضیلتِ علم اور علم بڑھانے کے راستے

علم کی فضیلت

اللہ -رب العزت- کا ارشاد ہے: **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَيَعْلَمُوْنَ**
''اے میرے محبوب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- آپ فرما دیجیے: کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟''(۱)

اس آیت مبارکہ میں تین الفاظ قابل غور ہیں: پہلا لفظ ہے **''قُل۔''** عام طور پر یہ دستور ہوتا ہے کہ جب حکومت کی طرف سے کوئی اعلان ہوتا ہے، تو اس کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔''باادب''''باملاحظہ''''ہوشیار''؛ اس طرح کے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں، تو شاہی اعلان کا ایک طریقۂ کار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ -رب العزت- جب کسی خاص بات کا اعلان کروانا چاہتے ہیں، تو اپنے حبیب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کو حکم فرماتے ہیں کہ: ''قُل'': فرما دیجیے! تو محبوب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کا یہ الفاظ ادا کرنا، اس چیز کی اہمیت کی پکی دلیل ہوتا ہے کہ یہ شاہی فرمان ہے، یہ حاکم اعلی کا حکم ہے، اس بات کو توجہ سے سننا۔ تو قُل کا لفظ متوجہ کرتا ہے۔

دوسرا لفظ ہے **''هل''** یہ استفہام کے لیے ہوتا ہے، علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ

(۱) پ: ۲۳، سورۃ الزمر، آیت: ۹

استفہام انکاری بعض اوقات ''زجر اور توبیخ'' کے لیے ہوتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کے لیے۔ گو یا جو عالم اور جاہل کو برابر سمجھے گا، اُس کے اوپر ناراضگی کا اظہار کیا جارہا ہے، کہ تمہیں سمجھ میں نہیں آرہا، کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے؟!!

پھر آگے تیسرا لفظ ہے ''یعلمون'' (علم والے) اس سے مراد ''علم دین'' ہے،—— یہ واضح بات ہے؛ جو دنیا کا علم ہے اللہ -رب العزت- کے نزدیک اس کو علم ہی نہیں کہا گیا، فرمایا: **وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ، يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**[۱] تو جس کو اللہ -رب العزت- علم دین عطا فرمائیں گے، وہ عالم اور ایک عام جاہل یہ برابر نہیں ہوسکتے علم دین کی اہمیت پر یہ آیتِ مبارکہ ایک پکی دلیل ہے۔

میرے دوستو! اس دنیا میں علم کی شاہی ہے؛ بل کہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں علم کا راج ہے جب کہ علم پر میرے پروردگار کا راج ہے، **وفوق کل ذی علم علیم**[۲] چونکہ دنیا میں علم کا راج ہے، اس لیے انبیاء کرام کو اللہ تعالی نے بڑی عزتیں بخشیں۔ یہ سلسلہ نبوت تو نبی علیہ السلام پر آکر مکمل ہوگیا؛ مگر چونکہ یہ نعمت قیامت تک جاری وساری رہنی ہے؛ اس لیے جو لوگ اس علم کو حاصل کریں گے اور آگے دوسروں تک پہنچائیں گے، وہ علماء نبی علیہ السلام کے وارث کہلائیں گے، کیوں کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ **اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ**[۳] اس نسبت کی وجہ سے اللہ -رب العزت- نے ان کی شان بڑھادی۔ کام بھی بڑا، اور مقام بھی بڑا مقام اتنا بڑا بخشا کہ **فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ** ہزار عبادت گزار ہوں تو بھی ایک عالم ان سے زیادہ بھاری ہے۔[۴] عجیب بات ہے کہ ہزار عابد لوگوں کی بات ہورہی ہے، آخر وہ بھی تو عبادت گزار ہیں نا؟ فاسق وفاجر تو نہیں؟ ہزار عبادت گزار ایک طرف اور ایک عالم ایک طرف، یہ

---

(۱) پ: ۲۱، سورۃ الروم، آیت: ۶ / ۷ (۲) پ: ۱۳ سورۃ یوسف آیت: ۷۶ (۳) سنن ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ۲ / ۹۷ رقم: ۲۶۸۲ (۴) سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص: ۲۰ رقم: ۲۲۲

بات بندے کو تھوڑی دیر کے لیے حیران کرتی ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے؛ مگر سمجھنی آسان ہے۔ غور کیجیے کہ علم اللہ تعالی کی صفت ہے اور اللہ -رب العزت- شہنشاہ حقیقی ہیں؛ لہذا جس میں علم والی صفت آگئی۔اس میں شاہوں والی صفت آگئی، اور عبادت غلاموں کا کام ہوتا ہے، اگر غلاموں کی تعداد ایک ہزار بھی ہو تو کیا وہ ایک بادشاہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: **فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُم** ''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک ادنی شخص پر ہے۔''(۱) حدیث مبارک میں بھی نبی -علیہ السلام- نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں سے بہتر وہ ہے، جو قرآن سیکھے اور سکھائے (۲)

اس حدیث مبارکہ میں سیکھنے کو مقدم کیا گیا، سکھانے کے اوپر، اس میں علمی نکتہ یہ ہے، کہ ''خیریت'' کے اندر ''متعلم'' ''معلم'' سے بڑھا ہوتا ہے، آپ دیکھیں کہ معلم کو پڑھانے کے اوپر تنخواہ ملتی ہے، سہولت ملتی ہے؛ کچھ نہ کچھ عوض ملتا ہے۔ اور طالب علم کو پڑھنے پر کیا ملتا ہے؟ طالب علم تو مجاہدے کرتا ہے، تکلیفیں اٹھاتا ہے۔

پڑھانے والے کو سفر نہیں کرنا پڑتا، پڑھنے والے کو سفر کرنا پڑتا ہے، کبھی اِس استاذ کے پاس، کبھی اُس استاذ کے پاس، کبھی اِس جامعہ میں جاؤ، کبھی اُس جامعہ میں جاؤ، استاذ تو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ کیوں کہ سفر کی تکالیف طالب علم کے ساتھ زیادہ ہیں؛ اس لیے اللہ کی نظر میں وہ خیر میں بڑھا ہوتا ہے، اس لیے اُس کا تذکرہ پہلے کیا گیا۔

زیادتِ علم کا شوق ہونا چاہیے

تو علم اللہ -رب العزت- کے ہاں بڑا مقام رکھتا ہے؛ مگر اس کو ساری زندگی حاصل کرنا پڑتا

---

(۱) سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ۲/ ۹۸، رقم: ۲۶۸۵ (۲) صحیح بخاری، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، ۲، ص: ۱۱۶۵، رقم: ۴۸۳۶

ہے فرمایا گیا: **اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ**، کہ ''تم پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک علم حاصل کرتے رہو؛''(۱) یعنی ساری زندگی اپنے آپ کو طالب علم بنا کے رکھو!

ایسا وقت نہیں آتا کہ ایک بندہ کہے کہ جی میں نے علم میں کمال حاصل کرلیا، نہیں، جب اللہ رب العزت-نے اپنے پیارے حبیب-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-کو فرمایا: **قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا** ''آپ فرما دیجیے کہ اللہ! مجھے علم میں اور بڑھا دیجیے''(۲) زیادہ علم عطا فرمایئے، تو معلوم ہوا کہ علم کی کوئی انتہا نہیں، ساری زندگی انسان علم میں بڑھتا رہتا ہے۔ یہ زیادتِ علم ہر طالب علم کا شوق ہونا چاہیے کہ میرا یہ علم بڑھتا رہے۔

اور اس کی تفصیل حدیثِ پاک میں ہے نبی-علیہ السلام-نے ارشاد فرمایا: **مَنْهُوْمَانِ لَايَشْبَعَانِ** ''دو بھوکے ایسے ہیں، کہ ان کا پیٹ نہیں بھرتا:'' ایک طالب علم اور دوسرا طالب الدنیا دونوں کے پیٹ نہیں بھرتے۔(۳) دنیا کا جتنا مال کسی کے پاس آئے، اس کو اور کی تمنا رہتی ہے، اور یہی حال علم کا کہ جتنا بھی انسان سیکھ لے، اور کی تمنا۔

علامہ کشمیریؒ کی علمی پیاس

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری-رحمۃ اللہ علیہ-اپنے مرضِ وفات میں جب کہ ڈاکٹروں نے اُن کو اُٹھ کر بیٹھنے سے بھی منع کر دیا تھا، اس وقت میں تکلیف کے باوجود ''دیے'' کی روشنی میں حدیث پاک کی کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے، تو اُن کے شاگرد کہنے لگے: کہ حضرت اس تکلیف کے عالَم میں جب کہ ڈاکٹروں نے بھی منع کر دیا، کون سا ایسا درس ہے جو دینا ہے؟ اور جس کی تیاری ہو رہی ہے، جس کے لیے مطالعہ ہو رہا ہے؟ اور کون سا ایسا نکتہ ہے، جو پک نہیں رہا؟ ہم شاگرد کس لیے ہیں؟ آپ ہمیں حکم فرما دیجیے! فرمایئے کہ ہم اس چیز کو پڑھ کر آپ کی خدمت میں عرض کر دیں گے۔ جب انہوں نے یہ

---

(۱) لیس بحدیث نبوی وانما ہو من کلام الناس حاشیہ قیمۃ الزمن عند العلماء ص: ۵۷ (۲) پ: ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت: ۱۱۴ (۳) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، ص: ۳۷، رقم: ۵۶

بات کہی، تو حضرت کشمیری - رحمۃ اللہ علیہ - نے علامہ شبیر عثمانی - رحمۃ اللہ علیہ - کو جواب میں فرمایا: کہ کوئی نکتہ تو خاص ایسا نہیں، کہ جس کو میں ڈھونڈ رہا ہوں؛ مگر یہ بتاؤ کہ ''اس علم کی پیاس کا کیا کروں، جو بجھنے والی ہی نہیں۔''

تو علم ایسی پیاس ہے، جو ساری زندگی نہیں بجھتی جس کو چسکا پڑ جائے، جس کو لذت مل جائے، اُس کی زندگی گزر جاتی ہے۔

عام طور پر تو حرص منع ہے؛ مگر وہ منع ہے، اپنے مقصود کی وجہ سے، اگر دنیا مقصود ہے تو حرص منع۔ اور اگر علم مقصود ہے تو اب حرص جائز ہوگئ؛ (۱) کیوں کہ مقصود اچھا ہے۔ تو دو حریص ایسے ہیں کہ ان کا دل نہیں بھرتا، ان میں ایک علم کا حریص اس میں اللہ تعالی بندے کے ''تنافس'' کو دیکھتے ہیں:

وَفِيْ ذٰلِکَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (۲)

علم بڑھانے کے راستے

اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب علم بڑھنے کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں، تو یہ علم بڑھتا کیسے ہے؟ علم دو طرح سے بڑھتا ہے:

دو ذرائع سے علم میں اضافہ ہوتا ہے — یہ ایک نکتے کی بات ہے، امید ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے اور اسے اپنے دلوں میں محفوظ فرمائیں گے —:

(۱) ذہانت کے راستے سے علم حاصل کرنا: کہ، بڑا ذہین فطین ہے اور اس نے قواعد نحو وصرف سب جان لیے، جب عبارت پڑھتا ہے، تو اُسے مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

لیکن یاد رکھیں! جو علم ذہانت کے راستے سے ملتا ہے، اس کی بنیاد نہیں ہوتی۔

(۲) عبادت کے راستے سے علم حاصل کرنا: علم کو ذہانت کے راستے سے مت لو؛ بل کہ علم کو عبادت کے راستے سے لو۔ عبادت سے کیا مراد ہے؟ کہ علم پر عمل کرنے کا راستہ، اور

---

(۱) لاحسد الا فی طلب العلم (الحدیث) کشف الخفاء ۲/ ۲۲۶ رقم: ۲۱۵۷ (۲) پ: ۳۰، سورۃ المطففین، آیت: ۲۶

تقوی اختیار کرنے کا راستہ؛ یہ عبادت کا راستہ ہے۔ جس طالب علم میں عمل زیادہ ہوگا، اور تقوی زیادہ ہوگا، اللہ اس کو ایسا علم عطا کریں گے، جو علم پہلے اس کے پاس نہیں تھا۔ ایسا علم ہمیشہ انسان کا ساتھ دیا کرتا ہے۔

یاد رکھیں! فاسق طالب علم عبارتیں تو یاد کر سکتا ہے؛ مگر اُسے یاد نہیں ہوگا کہ کس موقع پر میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ اور علم تو یہی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو علم تو حاصل نہیں؛ بل کہ معلومات حاصل ہیں۔ فرق کیجیے!

.... فسق و فجور میں پڑنے والا طالب علم

.... بدنظری کرنے والا

.... غیر محرم کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے والا

.... میسیج بھیجنے اور لینے والا، اور

.... ساتھ ساتھ علم کا طلب گار بھی بن جائے؛ تو اس قسم کے طالب علم کو عبارتیں تو یاد ہو سکتی ہیں؛ مگر اس کو یہ یاد نہیں ہوگا، کہ کس موقع پر میرا خدا مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں، عبادت کے راستے سے، علم کو ذہانت کے راستے سے حاصل نہ کریں؛ ورنہ ہم علم کے باوجود گمراہ ہو جائیں گے کیوں کہ

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا۔

تاہم علم دو طرح سے بڑھتا ہے:

(۱) ایک کثرتِ مطالعہ سے، جتنا مطالعہ کی کثرت ہوگی، اتنا علم بڑھے گا۔

(۲) اور دوسرا بڑھتا ہے، کثرتِ عملِ صالح کی وجہ سے۔

کثرتِ مطالعہ سے، اور نیکی زیادہ کرنے کی وجہ سے، علم بڑھتا ہے؛ مگر ان دونوں میں ایک فرق ہے: جو کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے علم بڑھتا ہے، اُس میں تبحر زیادہ ہوتا ہے، تبحر کا لفظ ''بحر'' سے ہے، سمندر کو آپ نے دیکھا ہوگا؛ کہ سمندر کی جوڑائی تو ہزاروں کلومیٹر

کے حساب سے، اور گہرائی تھوڑی ہوتی ہے، اسی طرح جو علم کثرتِ مطالعہ سے حاصل کیا جاتا ہے اس کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے، عمق تھوڑا ہوتا ہے۔

اور ایک علم کثرتِ اعمال کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، اس علم میں گہرائی زیادہ ہوتی ہے، اس کو "تفقہ" کہتے ہیں۔ تو تفقہ کے اندر گہرائی زیادہ ہوتی ہے۔ صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- کے علم میں پھیلاؤ نہیں تھا؛ وہ علم میں گہرائی رکھنے والے تھے۔

تو علم ملنے کے دو راستے: ایک راستہ: کثرتِ مطالعہ سے؛ مگر اس سے تبحر علمی بڑھتی ہے، ہر چیز کا پتہ ہوتا ہے اور ایک عملِ صالح کی وجہ سے ملتا ہے، اس میں گہرائی زیادہ ہوتی ہے، تو ایسے بندے کو منشائے خداوندی کا پتہ ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

علم سے فقط بولنا آتا ہے

علم سے ہمیں بولنا آتا ہے، علم سے ہمیں عمل کرنا نہیں آتا۔ عمل کرنے کے لیے دل کا بننا ضروری ہے۔ علم پاکیزہ چیز ہے اور پاکیزہ چیز پاک برتن کے اندر ہی آتی ہے۔ جب دل کو گناہوں کی نجاست سے پاکیزہ کرلیں گے، تو اللہ تعالی اس دل کو علم کے نور سے بھر دیں گے۔

ایک اہم بات! زبان چلے گی دماغ کے علم پر اور اعضاء چلیں گے دل کے علم پر۔ اور دل میں تو وہ علم آئے گا، جو تقوی اور عمل کے ذریعہ سے حاصل ہوگا، جو عبادت کے راستے سے حاصل ہوگا۔

عمل سے حاصل ہونے والے علم کی خصوصیت

کسی نے حضرت گنگوہی -رحمۃ اللہ علیہ- سے پوچھا: کہ حضرت! ایک عالم جب کوئی معرفت کی بات کرتا ہے، تو کبھی ٹھیک ہوتی ہے، کبھی ٹھیک نہیں ہوتی؛ حاجی صاحب جتنی باتیں کرتے ہیں، پکی کرتے ہیں؟ تو حضرت گنگوہی -رحمۃ اللہ علیہ- نے فرمایا: کہ

دیکھو! ہمارے ذہنوں میں مبادیات پہلے آتی ہیں، اور اُن سے ہم نتائج نکالتے ہیں کبھی نتیجہ بالکل ٹھیک، کبھی ٹھیک کے قریب، حاجی صاحب کے دل میں نتائج پہلے وارد ہوتے ہیں؛ لہذا نتائج کے دلائل کا ڈھونڈنا، وہ مشکل نہیں ہوتا، اس لیے ان کی بات پکی ہوتی ہے۔

اس کو کہتے ہیں **"تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْنِ"** اس لیے فقہائے کرام وہ ہستیاں تھیں، جو مزاج شریعت کو جانتی تھیں، ان کی طبیعتیں اللہ نے ایسی بنائی تھیں کہ وہ مزاج شریعت سے واقف تھیں، لہذا ان کے لیے احادیث سے مسائل کا جواب استنباط کرنا بہت آسان ہوتا تھا، یہ ہر بندہ نہیں کرسکتا۔ تو ایک میں علم کی وسعت زیادہ ہوتی ہے، اور دوسرے میں گہرائی زیادہ ہوتی ہے اگر دونوں ساتھ ساتھ ہوں کہ وسعتِ مطالعہ بھی ہو، اور ساتھ ساتھ میں کثرتِ عمل صالح بھی ہو، تو پھر اللہ -رب العزت- دونوں نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں۔

حسنِ طلب ضروری ہے

لیکن یہ دونوں نعمتیں حسنِ طلب سے بڑھتی ہیں، جتنی طلب ہوگی، اتنا علم زیادہ بڑھے گا۔ جس بندے کو پیاس جتنی زیادہ ہوگی؟ اس کو پانی کی تلاش اتنی زیادہ ہوگی۔ دستور کی بات ہے نہ؟ علم کی پیاس جتنی زیادہ، تو علم کی طلب بھی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ تو طالب علم وہی ہوگا، جو وقت ضائع نہیں کرے گا، وہ اِدھر اُدھر غیر ضروری کاموں میں نہیں اُلجھے گا علم پر توجہ مرکوز رکھے گا۔ علم ''جز وقتی'' کام نہیں ہے ''کُل وقتی'' کام ہے، امام غزالی -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے تھے: **اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَهُ، حَتّٰى تُعْطِيَهُ كُلَّكَ**

''علم تجھے اپنا بعض حصہ اس وقت تک نہیں دے گا، جب تک تو اپنا کل حصہ اس کی طرف متوجہ نہیں کردے گا۔''[1]

---

(۱) احیاء علوم الدین ۱/۵۶

اس لیے علم حاصل کرنے کی دھن لگی ہوئی ہو، ایک لگن ہو، پھر انسان اس کام میں مگن ہو۔ تو یہ دو چیزیں مل جائیں لگن اور مگن، تو علم حاصل ہو جاتا ہے۔

مگن کا حال دیکھو! امام ابو یوسف -رحمۃ اللہ علیہ- کا بیٹا فوت ہو گیا، تو بیٹے کو نہلا دیا، جنازے میں ذرا دیر تھی تو اپنے بھائیوں اور دوستوں کو، سب کو کہہ دیا، کہ جی! میرے بیٹے کا جنازہ پڑھ لیں کیوں کہ یہ وقت ہے، جب میں امام اعظم -رحمۃ اللہ علیہ- کی مجلسِ علمی میں جاتا ہوں، میں اس وقت کو قضا نہیں کرنا چاہتا۔ اُن کے رشتہ داروں نے جنازہ پڑھا، اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے؛ مگر علمی مجلس میں آئے، اور امام صاحب کی مجلس کو قضا نہ ہونے نہ دیا۔

امام محمد -رحمۃ اللہ علیہ- نے امام اعظم -رحمۃ اللہ علیہ- کی مجالس سے کتنا علم حاصل کیا؟ ایک کتاب انہوں نے لکھی ''سیر کبیر'' اس کتاب کو ایک فرنگی نے پڑھا، تو پڑھنے کے بعد کہنے لگا: کہ **هٰذا مُحَمَّدُكُمُ الصَّغِيْرُ، فَكَيْفَ مُحَمَّدُكُمُ الْكَبِيْرُ** '' کہ چھوٹے محمد کا یہ حال ہے، تو ان کے بڑے محمد کا کیا حال ہوگا؟''

محنت شرط ہے

اللہ تعالیٰ پھر بندے کو ایسا علم عطا فرما دیتے ہیں۔

محنت تو کرنی پڑتی ہے ؎

بِقَدْرِ الْكَدِّ تَكْتَسِبُ الْمَعَالِي
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِي
تَرُوْمُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيْلاً
يَغُوصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِي (۱)

''تو ارادہ کرتا ہے، بلندی پانے کا، اور ساری رات سویا رہتا ہے۔ جو موتیوں کو

---

(۱) دیوان امام شافعی ص: ۱۰۲

ڈھونڈنے والا ہوتا ہے، اُسے سمندر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔‘‘

تو محنت سے اللہ -رب العزت- یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔

عزیز طلبہ! خوب محنت اور لگن کے ساتھ علم حاصل کریں آپ عبادت کے راستے سے علم حاصل کرنے کی کوشش کریں، تقویٰ کے ذریعے علم حاصل کریں، سنتوں کو جمع کرنے کے ذریعے علم حاصل کریں، علم پر عمل کرنے کے ذریعے علم حاصل کریں؛ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ایسا علم اتاریں گے، جو آپ کو پوری زندگی فائدہ دے گا۔ اللہ -رب العزت- ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

کیا طلبہ کو بیعت ہونا چاہیے؟....

فضائل اور مسائل کا علم

علم دو طرح کا ہے: ایک فضائل کا اور ایک مسائل کا۔ فضائل کے علم سے انسان اعمال پر آتا ہے، اور مسائل کے علم سے انسان اعمال کو بناتا ہے۔

❋ ''علم''، ''عمل'' اور ''عبدیت'' یہ تینوں الفاظ ''ع'' سے شروع ہوتے ہیں، اور عیش کا لفظ بھی ''ع'' سے شروع ہوتا ہے جیسے: **اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ إلَّا عَیْشَ الْاٰخرة** (۱) معلوم یہ ہوا کہ، جس نے علم پر عمل کیا، اور اسے مقامِ عبدیت نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو **''عیش الدنیا والآخرة''** عطا فرمائیں گے۔

❋ علم کا زیادہ تعلق ''سماع'' کے ساتھ ہے —— عجیب بات ہے کہ دنیا میں کوئی پیغمبر بہرے نہیں گزرے، انبیاء کرام میں سے نابینا تو تھے؛ مگر کوئی بھی بہرے نہیں تھے، اس لیے کہ علم کا تعلق ہی سماع کے ساتھ ہے —— علم کا تعلق چوں کہ سماع کے ساتھ ہے؛ اس لیے شریعت نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ہدایت کی باتوں کو توجہ کے ساتھ بیٹھ کر سنیں، عمل کے جذبے کے ساتھ بیٹھ کر سنیں، اگر بے توجہی سے بات سنیں گے، تو فائدہ نہیں

(۱) صحیح بخاری، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لاعیش إلا عیش الآخرة، ۲/ ۹۵۸ ۱۴۱، رقم: ۶۱۶۶

ہوگا، جیسے ایک بچے کو استاذ نے پڑھایا، کہ اسلام کے پانچ ارکان ہوتے ہیں، جب گھر پہنچا، تو باپ نے پوچھا، بیٹا! آج کا سبق کیا تھا؟ کہنے لگا: استاذ نے یہ پڑھایا ہے کہ اسلام کے پانچ ''کان'' ہوتے ہیں!!

❊ علامہ شمس الدین ذہبی جو کچھ سنتے تھے، ان کو وہ اُسی وقت یاد ہوجاتا تھا، میں بھی اپنے بعض طالب علموں کو کہتا ہوں: ''آپ بھی علامہ ''ذہبی'' ہیں؛ مگر یہ ''ذہبی''، ''ذَہَبَ'' سے ہے، جو سنتے ہیں ''ذَہَبَ'' وہ رخصت ہوجاتا ہے، یہ ایسے علامہ ذہبی ہیں۔

❊ حضرت مفتی محمود زیارتِ حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے، طواف کیا، اور مقام ابراہیم پر نفل پڑھ کر ایک عجیب دعا مانگی، دعا مانگتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ! ساری دنیا مجھے ''مفتی'' کہتی ہے، اب تو آپ مجھے ''مفت'' میں بخش دیجیے۔

.....بہر حال بات یہ چل رہی تھی کہ علم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک ظاہری صورت ہے، جس سے احکام کی بجا آوری کا پتہ چلتا ہے اور ایک اس کی تاثیر ہے، جس سے انسان کا باطن سنورتا ہے۔ پہلے علم کو ''علم شرعی'' کہتے ہیں، اور دوسرے علم کو ''علم الاحسان'' کہتے ہیں۔

ہمارے سلف صالحین نے قرآن مجید سے استنباط کر کے کئی علوم نکالے اور ان کے مختلف نام رکھے، علماء امت نے ان کو ''امام'' کہا، جیسے: امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور اسی طرح دوسرے حضرات ہیں، بالکل اسی طرح کچھ مشائخ عظام بھی ایسے تھے جنھوں نے قرآن وحدیث پر غور کر کے علم الاحسان کو یکجا کر دیا، ان کو بھی علماء امت نے امام مانا۔ جیسے شیخ عبد القادر جیلانیؒ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ۔

دونوں علم ہمارا مقصود ہیں

الحمد للہ ہمارا راستہ اعتدال کا راستہ ہے، افراط وتفریط سے پاک ہے۔ کچھ ایسے صوفی

لوگ بھی موجود ہیں جو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں، جو تصوف کو عجمی چیز سمجھتے ہیں، اور اس کا تعلق یونان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ احادیث میں جو''احسان'' کا نام ہے، وہ بھی کسی بات کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ وہ بے حضور نمازیں پڑھتے ہیں؛ مگر ان کو یہ توفیق نہیں ملتی کہ، کسی کی خدمت میں آکر نماز سیکھنے کی کوشش کریں۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند نے اعتدال کا راستہ اپنایا، اللہ-رب العزت- نے ان حضرات کو بڑے روحانی کمالات عطا فرمائے تھے، یہ حضرات خشک ملاّں نہیں تھے؛ بل کہ صفائی باطن کا کام کرنے والے تھے؛ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا انظر شاہ صاحب، اُن سے اِس عاجز کی ملاقات دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، تو انہوں نے یہ بات اس عاجز کو بتائی، فرمانے لگے: کہ دارالعلوم کے پہلے پچاس سال میں جو بھی بچہ دارالعلوم سے فراغت حاصل کرتا تھا، اس کو سند تو دیدی جاتی تھی؛ مگر اس کی دستار بندی اس وقت کروائی جاتی تھی، جب کسی نہ کسی بزرگ سے صاحبِ نسبت بھی ہوجاتا تھا۔ پھر دارالعلوم کی انتظامیہ نے مشورہ کیا، شوری نے، کہ اس طرح تو طلباء کا بہت سارا وقت لگ جاتا ہے، دس سال پڑھنے میں لگائیں، پھر دو چار سال کسی شیخ کی خدمت میں لگائیں، اب ان کو موقع دینا چاہیے، یہ اپنے گھروں پر جاکر قریب کے کسی شیخ سے بیعت کی نسبت حاصل کریں، اور یہ محنت وہاں کرلیا کریں۔ تو پچاس سال کے بعد پھر جو تعلیمی امتحان پاس کرتا، تو اس کی دستار بندی کروانی شروع ہوگئی، اور طلباء کے لیے آسانی کردی گئی۔ اور آج کے دور میں تو اتنی آسانی ہوگئی، کہ ہم طلبہ سے اُن کا صرف پڑھائی سے فارغ تھوڑا سا وقت مانگتے ہیں۔ یقین کیجیے، اگر کوئی طالب علم اپنا تھوڑا سا فارغ وقت اپنے باطن کو بنانے کے لیے لگانا شروع کردے، تو اللہ -رب العزت- اس کی بھی حالت بدل دیں گے؛ کیوں کہ روحانی مدارج طے کرنے کے لیے اللہ تعالی نے بہت آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ پہلے ایک ہزار میل کا سفر کرنا ہوتا تھا، تو انسان کو ایک مہینہ لگتا تھا، اور آج کل کے دور میں اگر ایک ہزار میل کا سفر

کرنا ہو، تو ایک گھنٹہ درکار ہوتا ہے، سوچنے کی بات ہے، کہ جو پروردگار اتنا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے، ان کے ظاہری سفر میں آسانیاں پیدا فرمادیں، اس نے باطنی سفر میں کتنی آسانیاں پیدا کردی ہوں گی؟ اس لیے آج کے دور میں باطن کا سفر کرنا بہت آسان ہے؛ لیکن پھر بھی شیطان، طلباء کو دھوکے میں ڈالے رکھتا ہے، اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے؛ بالآخر نہ اِدھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے، کہتے ہیں: کہ ''جی فلاں بزرگ، طلباء کو بیعت ہی نہیں کرتے تھے۔'' بالکل صحیح بات ہے، ہمارے پہلے بزرگ طلباء کو بیعت نہیں کرتے تھے؛ مگر وہ کون طلباء تھے؟ وہ ایسے طلباء ہوتے تھے، جو پوری لگن کے ساتھ علم میں مگن ہوا کرتے تھے؛ لیکن آج کے طلبہ علم میں مگن ہونے کے بجائے کئی اور خیالات میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ان کو ذکر کی ڈور نہیں ملے گی، تو ان کو حدیث پاک سمجھ میں بھی نہیں آئے گی۔

آج کے طلبہ کی حالت

بعض طلباء اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت! استاذ حدیث پڑھا رہے تھے، ہمارے دماغ میں شیطانی خیالات چل رہے تھے۔

.... حضرت! استاذ ''جلالین شریف'' کا درس دے رہے تھے، اور ہم بیٹھے ہوئے کسی گناہ کو یاد کرکے لذت پا رہے تھے، حضرت! ہم کلاس میں بیٹھے ہوئے گناہ کرنے کی پلاننگ کررہے تھے۔

یاد رکھنا! ایسا وقت انسان کی زندگی کا بدترین وقت ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے لکھا ہے: کہ ''جتنی دل پہ ظلمت گناہ کا تصور باندھنے سے ہوتی ہے، اتنی ظلمت گناہ کرنے سے بھی نہیں ہوتی!!''

جب طلباء کی یہ ذہنی کیفیت بن جائے، تو پھر ایسے طلباء کو اس لیے بیعت کرنا چاہیے تاکہ وہ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرسکیں۔

یہ چیز ہمیں تجربے سے حاصل ہوئی ہے-الحمدللہ-مختلف مدارس میں جہاں جہاں ہمارے متعلقین موجود ہیں، وہاں کے اساتذہ خود کہتے ہیں کہ یہ طلباء جب سے بیعت ہوئے ہیں، اس وقت سے ان کا پڑھائی میں دل زیادہ لگتا ہے، اوران کی تعلیمی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی ہے۔ اس لیے آج کے زمانے میں بیعت ہونے کے سبب بندے کو یکسوئی ملتی ہے، اور جو لوگ بیعت نہیں ہوتے، اُن کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے زمانے میں بیعت ضروری ہے۔ آج کل طلباء کے وہ حالات نہیں رہے، جو پہلے طلباء کے تھے۔ پہلے طلبا میں تو اولیاء کی صفات نظر آتی تھیں، جب کہ آج تو فرض نماز پڑھنی مشکل ہے، طلباء کے گھروں میں ٹی وی کا ماحول ہوتا ہے، وہ گھروں میں ٹی وی اور کیبل دیکھتے ہیں، وہ والدین کے کہنے پر پڑھنے چلے جاتے ہیں؛ لیکن ان کے اندر کی کیفیت ویسی ہی ہوتی ہے۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے، کہ مجھے ایک طالب علم نے لکھا: حضرت! میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ رہا تھا، اور میں استاذ کی موجودگی میں، اس درس کے دوران بیٹھا؛ گناہ کا پلان بنا رہا تھا!!!!۔

اب کیسے اعتراض کرتے ہیں کہ طلباء کو بیعت نہیں کرنا چاہیے؟ ہاں اگر ان جیسے طلباء ہوں، جیسے ہمارے اکابر تھے، تو ان کو یقیناً بیعت نہیں کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ وہ اس سے افضل کام میں لگے ہوئے ہیں، لیکن اگر یہ حالت ہو کہ فرض نمازیں بھی نہیں ہو رہی ہیں، تو پھر ان کے لیے بیعت لازم ہوگئی ہے۔

یاد رکھنا! آج کے زمانے میں بیعت ہونا **مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا**[1] کا مصداق ہے، جو اس میں داخل ہوگیا، وہ امن پا گیا۔ آج کے دور میں اتنے فتنے ہیں کہ کچھ نہ پوچھیں۔ طلباء پڑھتے تو مدارس میں ہیں؛ لیکن فراغت کے بعد پھر عقیدہ

---

(۱) پ: ۴، سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷

کسی اور کا سنبھالے پھرتے ہوتے ہیں۔
وہ اپنے اکابر کے طریق سے ہٹ جاتے ہیں۔
کوئی منکرینِ حدیث کے پاس پہنچ جاتا ہے۔
کوئی اہلِ بدعت کے پاس پہنچ جاتا ہے۔
کوئی کسی اور کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ایسے طلباء کو ذکر و اذکار پر بھی لگا دیا جائے؛ تا کہ شیطانی وساوس سے ان کی جان چھوٹے، اور ان کا دل قرآن و حدیث پڑھنے میں زیادہ لگے۔

تعلیم کے ساتھ مراقبے کے لیے کہاں سے وقت لائیں؟

مدارس کے طلباء اکثر پوچھتے ہیں، کہ ہم تعلیمی کاموں میں مصروف رہتے ہیں، اور ہمارے پاس تو فرصت ہی نہیں ہوتی؟ ان کو علیحدہ مراقبہ میں بیٹھنے کے لیے کوئی نہیں کہتا، البتہ ہم اتنی بات ضرور کہتے ہیں کہ وہ نماز کے وقت سے پانچ دس منٹ پہلے آنے کی کوشش کریں ــــ اور اگر کبھی اذان باوضو ہو کر مسجد میں سنیں تو یہ ''نورٌ علی نور'' ہے ــــ بس اتنی عادت بنالیں، سنتیں بھی ادا کریں، اور نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی سنت جو آج ترک ہوتی جارہی ہے، اس کو بھی زندہ کریں، اور پانچ دس منٹ مراقبہ کرلیں؛ یہی ان کے لیے کافی ہے۔ آج تو طلباء مسجد کے باہر کھڑے ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ابھی جماعت کھڑی ہونی میں آدھا منٹ باقی ہے، حالانکہ وہ کھڑے گپیں لگا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ، ابھی آدھا منٹ باقی ہے۔ بہرحال اذان کے بعد مسجد میں آئیں، سنتیں ادا کریں، اور سنتوں اور فرضوں کے درمیان جو انتظار نماز کا وقت ہے نماز ہی کی کیفیت ہے، اس میں بیٹھ کر مراقبہ کرلیں۔ جو طالب علم دن میں پانچ مرتبہ اتنا مراقبہ بھی کرتا رہے گا، یہ عاجز یقین سے کہتا ہے کہ اللہ -رب العزت- اس کو بھی قلب کے حالات عطا فرمادیں گے۔ ہم نے اس بات کا باقاعدہ تجربہ کیا ہے، ایسے طلبہ کو ہم نے خود دیکھا ہے۔

دوسرا یہ کام کریں، کہ جب پڑھنے بیٹھیں، تو پڑھنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے ''رجوع الی اللہ'' کریں، کتاب کھولنے سے پہلے، یا گھنٹے میں بیٹھنے سے پہلے، اللہ کی طرف تھوڑی دیر کے لیے رجوع کر کے کتاب کو پڑھنا شروع کردیں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا: ''چوں کہ شروع میں وہ طالب علم توجہ الی اللہ کی کیفیت پیدا کرلے گا؛ اس لیے وہ جتنی دیر بیٹھے گا، اسے علم حاصل کرنے کا اجر ملے گا، اور اس کو ذکر کا فیض بھی ملتا رہے گا۔'' گویا کتاب کا پڑھنا اس کے لیے باطنی ترقی کا ذریعہ بن جائے گا۔

طلبہ عام طور پر امتحان سے کچھ عرصہ پہلے خاصہ مصروف ہوجاتے ہیں، تو چٹیں لکھ کر پوچھتے ہیں، کہ جی! ہم تو ذکر کر ہی نہیں سکتے؟ بھئی! آپ جو علم پڑھ رہے ہیں، آپ کا اس علم میں مشغول ہونا، آپ کو اللہ کے ہاں ذاکرین کی فہرست میں شمار کروا رہا ہے۔ تو اس لیے طالب علم اگر پڑھ رہا ہے، اور پڑھتے ہوئے زیادہ توجہ ادھر ہی ہے، تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ نیت اگر اللہ کی یاد ہے، تو یقیناً جتنی دیر بیٹھ کر وہ پڑھ رہا ہے، اتنی دیر وہ اللہ -رب العزت- کے ہاں ذکر کرنے والوں میں لکھا جا رہا ہے۔

ہم کب کہتے ہیں، کہ آپ علم نہ پڑھیں؟ وہ جاہل ہوتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں۔

یہ بات نہیں ہے؛ بل کہ علم تو انسان کے لیے، ذکر کے راستے پر چلنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

تصوف وسلوک میں علم کی ضرورت

سید الطائفہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا: کہ تصوف وسلوک کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں: **مَنْ لَّمْ یَقْرَأِ الْقُرْاٰنَ، وَلَمْ یَکْتُبِ الْحَدِیْثَ، لَایُقْتَدٰی بِهٖ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ،** ''جو بندہ قرآن نہیں پڑھتا، اور حدیث کا علم حاصل نہیں کرتا، وہ اس قابل نہیں کہ دین کے معاملے میں اس کی اقتدا کی جائے۔''(۱)

(۱) الرسالۃ القشیریۃ ص: ۲۴

چنانچہ ذکر وسلوک کے راستے میں علم کا ہونا ضروری ہے۔

طبقۂ اول کے مشائخ اپنے مریدین کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، مکتوبات میں لکھا ہے: ''سالک کو علم حاصل کیے بغیر اس راستے میں قدم نہیں رکھنا چاہیے؛ ورنہ کافر اور مجنون ہونے کا خطرہ ہے!!''

ابن جوزی جیسے ناقد محدث اور بزرگ اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں لکھتے ہیں:

وَما كَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ فِيْ التَّصوُّفِ، إلّا رُؤُسًا فِيْ الْقُرْآنِ، وَالْفِقْهِ''[1]

''جو تصوف کے متقدمین تھے، یہ وہی تھے، جو علوم، تفسیر، فقہ اور حدیث میں بھی اپنے وقت کے امام تھے''۔

اسی لیے حسن بصریؒ جہاں تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں، وہاں ان کی احادیث آپ کو بخاری شریف میں بھی نظر آئیں گی، چنانچہ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

قَالَ الْحَسَنُ الْبَصرِیُّ[2]

پتہ چلا کہ جس کے پاس علم ہو، وہ اس راستے پر زیادہ تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔

حاصلِ کلام

بہر حال طلبہ بھی اس راستے پر قدم بڑھائیں، بس ان دو باتوں کا خیال رکھیں (نماز سے پانچ دس منٹ پہلے مسجد میں پہنچ کر مراقبہ کے لیے وقت دیدیں، اور گھنٹے سے پہلے رجوع الی اللہ کرلیا کریں) پھر دیکھیں تہجد میں خود بخود آنکھ کھلتی ہے، یا نہیں کھلتی؟ اگر ذکر نہیں ہوگا، تو پھر فرض نمازوں کے لیے مہتمم صاحب کو بھی جگانا پڑے گا۔

جب زبردستی ہی نماز کے لیے جگانا ہے، تو پھر وہ اس کو بوجھ محسوس ہوگا؛ چنانچہ جب ذکر کریں گے، تو اس ذکر کی برکت سے خود بخود اللہ تعالی جگائیں گے، تہجد میں اٹھنا آسان ہوجاتا ہے، اور نمازوں میں پہنچنے کو خود بخود دل کرتا ہے۔

(۱) تلبیس ابلیس مع ترجمہ اردو تحنیس تدلیس ص: ۴۵۳ (۲) صحیح بخاری باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین ۱/ ۴۴ باب: ۳۵

ذکر واذکار، علم کے لیے معاون ہیں؛لہذا مدارس کے طلبہ کو چاہیے، کہ جہاں ان کی طبعی مناسبت ہو، اس بزرگ کے ساتھ منتھی کریں۔ جب وہ منتھی ہوجائیں گے، تو پھر ان کا ایمان محفوظ ہوجائے گا؛ ورنہ کیا پتہ کل کو کس کے پیچھے چل پڑیں گے؟ طلباء تو طلباء ہوتے ہیں؛ اس لیے جہاں ان کا دل چاہے وہاں ان کو منتھی ہوجانا چاہیے، اس سے ان کو فائدہ ہوتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں: کہ اس زمانے میں جُنیدؒ و بایزیدؒ نہیں ہیں، اگر طلب سچی ہوگی تو کوئی شخص تمہارے لیے بایزید بنا دیا جائے گا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ فرماتے تھے: کہ طالب علم اگر طالب علمی کے زمانے میں ''صاحب نسبت'' نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔

راہِ الٰہی کے مسافر....

محترم جماعت! دنیا میں کچھ لوگ کاروبار کے لیے سفر کرتے ہیں، کچھ رشتے داری کے لیے سفر کرتے ہیں، کچھ خوبصورت مناظر کو دیکھنے کے لیے سفر کرتے ہیں؛ لیکن آپ نے یہ سفر اللہ کے لیے کیا۔ ہمارے مشائخ بہت سفر کر کے جاتے تھے۔

ایک ایسے بھی بزرگ تھے، جنھوں نے پوری دنیا کا چکر لگایا، حتی کہ ان کا نام ''جہانیاں جہاں گشت'' پڑ گیا۔

جب قیامت کے دن یہ حضرات اللہ کے حضور پیش ہوکر عرض کریں گے: اللہ! ہم نے آپ کی تلاش میں اور آپ کی طلب میں یہ سفر کیا، تو وہاں ہمارے نامۂ اعمال میں بھی ایک سفر نکل آئے گا، کہ اللہ! ہم نے بھی آپ کی تلاش میں ایک سفر کیا تھا۔

اس لیے جب قیامت کے دن اللہ تعالی پوچھیں گے: کہ میری تلاش میں دنیا میں سفر کرنے والے کہاں ہیں؟ میری یاد میں سفر کرنے والے کہاں ہیں؟ میری یاد میں گھر والوں کو چھوڑ کر مسجدوں، مدرسوں کے دھکّے کھانے والے کہاں ہیں؟ تو ممکن ہے ہمیں بھی ان

میں شمار کرلیا جائے۔ اگر ہم ان اوقات کی قدر کرلیں گے، تو یہ ہماری زندگی کا سرمایہ بن جائیں گے۔تو -ان شاء اللہ- ہمارے یہ قدم بھی اللہ کے ہاں یقینا قبول ہوں گے، پروردگار ہماری اصلاح فرمادے۔(آمین ثمَّ آمین)
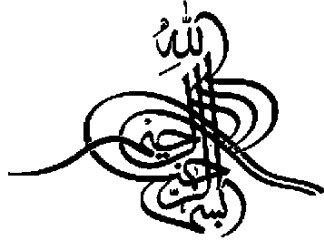
اخلاص اور اختصاص علم

ہمارے لیے دو باتیں ضروری ہیں: (۱) اخلاص (۲) اختصاص

دل چاہتا ہے، کہ آج کی اس محفل میں اِن دونوں کے بارے میں کچھ بات کی جائے۔

(۱) اخلاص

پہلی چیز اخلاص ہے، مقصد اللہ کی رضا ہو، اخلاص ہو۔ ہمارے حضرات اخلاص کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اخلاص اتنا ضروری ہے، کہ علم کی کمی عمل پوری کرجاتا ہے، عمل کی کمی، اخلاص پوری کرجاتا ہے؛ مگر اخلاص کی کمی، کبھی پوری نہیں ہوا کرتی!! فرمایا: **اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ. مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ،** [1] بھئی! ملاوٹ تو دنیا بھی پسند نہیں کرتی حدیث پاک میں نبی -علیہ السلام- نے فرمایا: **مَنْ غَشَّ ، فَلَيْسَ مِنَّا**، جس نے ملاوٹ کی، وہ ہم میں سے نہیں۔ [2]

جس طرح لوگ مادی چیزوں میں ملاوٹ پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ تعالی بھی عمل میں ریا کی ملاوٹ کو پسند نہیں فرماتے، جس طرح ہم ایک روپے کے بدلے میں گلے ہوئے پھل کو بھی تولنے کی اجازت نہیں دیتے، بالکل اسی طرح، قیامت کے دن اللہ -رب العزت-

سنن ترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع، ۱/ ۲۴۵ رقم: ۱۳۱۵ (۲) پ: ۲۳، سورۃ الزمر، آیت: ۳۔ پ: ۳۰، سورۃ البینۃ، آیت: ۵)

اپنی جنتوں کے بدلے میں ریا والے، گلے ہوئے عملوں کو میزان پر تُلنے ہی نہیں دیں گے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: **فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔** [1]

ریا کار کی علامات

ہمارے اکابر نے ریا کار کی تین علامتیں لکھیں ہیں، جن سے انسان اپنے آپ کو تول سکتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں؟

پہلی علامت

''خلوت میں سستی اور جلوت میں چستی''، یعنی کہ وہ تنہائی میں عبادات کے اندر غفلت اور سستی برتتا ہے، نماز پڑھتا ہے، تو مختصر سی۔ جب لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں تو پھر بڑا صوفی صافی بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ طلبہ جب تک مدرسہ میں رہتے ہیں وہ بڑے اچھے معمولات کرتے رہتے ہیں، اور جیسے ہی گھر جاتے ہیں بس گھر جاتے ہیں، یہ اخلاص کے منافی چیز ہے۔ جس طرح مدرسہ میں اعمال کی پابندی کرتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ جب گھروں میں جائیں، تب بھی اسی طرح اعمال کی پابندی کریں؛ اس لیے کہ جس پروردگار کو یہاں راضی کرنا تھا، اسی پروردگار کو وہاں بھی راضی کرنا ہے۔

دوسری علامت

جب مخلوق میں سے کوئی آدمی دین کے کام میں اس کی ملامت کرتا ہے، تو وہ دین کا کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے، چنانچہ ذرا سی کوئی بات کردے، تو سنت پر عمل ختم ہو جاتا ہے۔

تیسری علامت

وہ دنیاداروں سے تعریف کی توقع رکھے۔ دیکھیں! کہ تعریف ریا کار اور مخلص دونوں کی ہوتی ہے؛ مگر ریا کار، دل میں پسند کر رہا ہوتا ہے، اور جب مخلص بندہ کی تعریف جائے،

---

(۱) پ:۱۶، سورۃ الکہف، آیت: ۱۰۵

تو اس وقت اس کا دل رو رہا ہوتا ہے۔ امام اعظم کے بارے میں آتا ہے کہ جب کبھی کوئی بندہ ان کی تعریف کرتا، تو ہمیشہ وہ تنہائی میں دعا کرتے: ''اے اللہ! آپ نے لوگوں کو میرے ساتھ جو حسنِ ظن عطا کر دیا، اب مجھے ان کے حسنِ ظن کے مطابق بنا دیجیے''۔

ایک تعریف ماں، باپ اور پیر، استاذ کی ہوتی ہے، یہ تعریف مستحسن ہے؛ بلکہ مطلوب ہے؛ اِن کی دعاؤں سے انسان آگے بڑھتا ہے۔ ایک بات اور بھی ذہن میں رکھ لینا کہ یہ عاجز اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے: کہ ''ریا کار چاہتا ہے، کہ میری تعریفیں ہوں؛ لیکن اللہ تعالی اس کی اتنی تعریفیں نہیں کرواتے، جتنی اس مخلص بندہ کی کرواتے ہیں، جس کا دل مخلوق کی طرف سے تعریف کرنے پر رو رہا ہوتا ہے!!'' مزہ تو پھر اس لائن کا ہوا کہ اللہ کے ہاں اجر بھی ملا، اور اللہ تعالی نے مخلوق کی زبان سے تعریفیں بھی کروادیں۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب کوئی بندہ اعمال میں ریا کرتا ہے، تو اللہ تعالی اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ''فلاں بندے کی طرف دیکھو! کہ وہ ہمارے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہا ہے۔''(۱) ہمارے اسلاف کی تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ روزہ پہ روزہ رکھتے تھے، اور جب باہر نکلنے لگتے تھے، اپنا ہاتھ منہ دھو کر ہونٹوں پر گھی لگا لیتے تھے، تاکہ دیکھنے والے ہونٹوں کی خشکی سے بھی نہ پہچانیں کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے!!۔

صاحب ''ہدایہ'' کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے: تیرہ سال روزے رکھے، جتنے نفلی روزے رکھتے تھے، نہ گھر والوں کو پتہ چلا، نہ کام والوں کو پتہ چلا کہ، یہ روزے رکھتے ہیں!! گھر سے کھانا لیتے تھے کہ کھالیں گے، گھر والے سمجھتے تھے کہ کام پر جا کر کھائیں گے، اور وہ راستے میں صدقہ کر دیتے۔ کام والے سمجھتے تھے کہ گھر سے کھا کر آئے ہیں۔

مخلص بندے کی علامت یہ ہے: کہ، وہ اپنی نیکیوں کو دوسروں سے اس طرح چھپاتا

---

(۱) من طلب العلم بغير العمل فهو كالمستهزئ بربه عزوجل (الحديث) كنز العمال، كتاب العلم، ۱۰/۸۸، رقم: ۲۹۰۶۲

ہے، جیسے لوگ اپنے گناہوں کو دوسروں سے چھپاتے ہیں۔

☼ حضرت مدنیؒ کا اخلاص

حضرت لاہوریؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے، کہ حضرت مدنیؒ حج کے سفر سے واپسی پر ٹرین میں سفر کر رہے تھے، ان کے قریب ایک ہندو جینٹلمین بھی بیٹھا ہوا تھا، دورانِ سفر اس کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بہت گندہ تھا؛ چنانچہ وہ جلد ہی واپس آ گیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ گئے تھے اور جلد ہی واپس آ گئے؟ اس نے کہا کہ لوگ گند مچا دیتے ہیں، بیت الخلاء میں صفائی ہی نہیں کرتے، مجھے ضرورت تھی؛ لیکن بیت الخلاء اتنا گندہ تھا کہ میں اس کو استعمال ہی نہیں کر سکا۔ یہ بات کر کے وہ ہندو بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ الحدیث، شیخ طریقت حضرت مدنیؒ اٹھے، اور ٹرین کے بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، اور سارے بیت الخلاء کو صاف کرنے کے بعد واپس آ کر بیٹھے، تو کہنے لگے: کہ میں بیت الخلاء استعمال کرنے کے لیے گیا، تو ابھی تو بڑا صاف تھا۔ یہ اس لیے کہا، کہ وہ استعمال کر لے۔ اب جب ہندو دوبارہ گیا، تو اس نے اس کو صاف پایا، اس نے اسے استعمال کیا، اور واپس آ کر کہنے لگا، جی! واقعی کسی نے صاف کر دیا تھا۔

لوگوں کو تجسس ہوا کہ آخر اس کو کس نے صاف کیا، وہاں ایک عالم اور بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان کا نام خواجہ نظام الدین تھا، انہوں نے حضرت مدنیؒ کے بارے میں غائبانہ طور پر کچھ باتیں سنی ہوئی تھیں، وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے، انہوں نے جب کھود کرید کی تو پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ نے بیت الخلاء صاف کیا ہے، یہ دیکھ کر اس کھدر پوش فقیر کے سامنے خواجہ نظام الدین نے اپنے ہاتھ جوڑ دیے اور کہنے لگے، جی آپ مجھے معاف کر دیں، میں نے عمر بھر آپ کی غیبت کی، مجھے آپ کی عظمتوں کا پتہ نہیں تھا، آج پتہ چلا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں، کہ ایک ہندو کی خاطر آپ نے ایسا کام کیا ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا: کہ میں نے تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کیا ہے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے، وہ کیسے؟ تو

فرمایا: کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک یہودی آیا، اس کو بھوک لگی ہوئی تھی، نبی علیہ السلام نے اس کو کھانا دیا، تو اس نے کھانا زیادہ کھالیا، رات کو نبی علیہ السلام نے اس کو سونے کے لیے بستر دیا، پیٹ نرم ہونے کی وجہ سے قدرتاً اس کی ایسی کیفیت ہوئی کہ اسی بستر میں اس کا پاخانہ خارج ہوگیا، وہ صبح اسی حالت میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ جب وہ کچھ دور پہنچا، تو اسے یاد آیا کہ وہ جلدی میں اپنا کچھ سامان وہاں بھول گیا ہے؛ چنانچہ وہ سامان لینے کے لیے واپس آیا، تو دیکھا کہ نبی علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے اس بستر کو دھورہے تھے!!! یہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آئے، اور اس نے کہا: ''آپ کو اللہ نے وہ خُلق عطا کیے جو خلق دنیا میں کہیں کسی کے پاس نہیں ہوسکتے، لہذا آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنادیجیے۔''[1] تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان کی خاطر یہ عمل کیا تھا، اور میں نے بھی اپنے آقاؐ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ تو یہ مخلص لوگ تھے۔

اب اگر تصور میں سوچیں کہ یہ واقعہ اگر ہمارے ساتھ پیش آتا، ہم کیا کرتے؟ فرض کرو! ایک کمرے میں چند طلبہ رہ رہے ہوتے ہیں، بیماری کی وجہ سے کسی کے ساتھ یہ بات ہوئی، کہ اس کے کپڑے پاخانے کی وجہ سے خراب ہوجاتے ہیں، ہم ناک چڑھا لیتے، ہم اس کو کہتے ہیں: ''دفع ہوجاؤ! چلے جاؤ اس کمرے سے۔'' اور یہ نہیں پتہ، کہ ہم بھی اس گندگی سے روزانہ فارغ ہوتے ہیں۔ ہم اپنا عمل دیکھیں اور نبی-علیہ السلام- کی سنت اور اس پر ہمارے حضرات کا عمل دیکھیں، اور سوچیں کہ درمیان میں کتنا فرق ہے؟!!

❊ حضرت مدنیؒ سفروں میں جاڑے کی راتوں میں پلیٹ فارم پر، کسی کونے میں، مصلی پر کھڑے ہوکر تہجد میں مشغول ہوتے، خدّام عرض کرتے تھے کہ حضرت! ویٹنگ روم میں کیوں نہ کھڑے ہوگئے؟ تو جواب ملتا کہ مسافروں کی نیند خراب ہوتی ہے، مجھ جیسے شیخی خور اور روسیاہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو پریشان کرے؟!!!

---

(۱)

ایک شاگرد کا اخلاص

جب دل سے ریا نکلتی ہے، تو پھر ''میں'' کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں، اور انسان کے اندر عاجزی بھر جایا کرتی ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ آپ درس حدیث دے رہے تھے، کہ آپ کو درس کے دوران ایک جگہ پر اشکال وارد ہوا، کافی سوچا اور حاشیہ بھی دیکھا؛ مگر وہ اشکال رفع نہیں ہوتا تھا، اس وقت حضرت کے ایک شاگرد تھے، جنہوں نے حضرت سے ہی دورۂ حدیث کیا تھا؛ مگر چوں کہ ان کی استعداد اچھی تھی؛ اس لیے حضرت نے ان کو اپنے مدرسہ میں استاذ رکھا تھا، وہ استاذ حدیث تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کہنے لگے: اچھا میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ استاذ نے پوچھا، ''مولانا! مجھے اس جگہ اشکال وارد ہوا ہے، اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، میں آپ کے پاس آیا ہوں، کہ آپ ہی ذرا بتا دیں!'' جب شاگرد نے وہ جگہ دیکھی، اور اللہ نے ان کے دل میں جواب ڈال دیا، تو انہوں نے استاذ کی خدمت میں عرض کیا: حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا، تو اس وقت، اس مقام پہنچ کر آپ نے اس مسئلہ کو یوں حل کیا تھا، اور آگے اس کا جواب بتا دیا!! یہ نہیں کہا کہ حضرت! میرے دل میں یہ جواب آرہا ہے۔ ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ دو لفظ پڑھے نہیں ہوتے اور ٹر ٹر کرتے ہماری زبان نہیں تھکتی۔

ہر عمل کی قیمت ہوتی ہے، اگر دل میں یہ بات ہو، کہ لوگ مجھے اچھا کہیں اور لوگوں نے اچھا کہہ دیا، تو عمل کی قیمت مل گئی، قیامت کے دن جب اللہ کے پاس جائیں گے، تو فرمائیں گے: اے میرے بندے! **''فَقَدْ قِيْلَ''** (۱) میرے دوستو! اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم جو یہ سارا کچھ کرتے ہیں، کیا کسی بندے کے ایک فقرے کی وجہ سے کر رہے ہوتے ہیں؟ کیا یہ مشقتیں ہم دو لفظوں کی خاطر اٹھاتے ہیں؟ پھر ہم نے بڑے خسارے کا

---

(۱) صحیح مسلم، ۲/ ۱۴۰، رقم: ۱۹۰۵

سودا کرلیا۔ لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں، پتہ نہیں قیامت کے دن کیا بنے گا؟

کاش! ہم اللہ - رب العزت - کی رضا کے لیے عمل کرتے، اور دنیا سے کوئی طمع نہ ہوتی، قیامت کے دن ہمیں اس کا اجر ملتا، پھر پتہ چلتا کہ اللہ تعالی کے ہاں ان عملوں کی کتنی قدر و قیمت ہے!

(۲) اختصاص

اور عزیز طلباء! ہمارے اندر اخلاص کے بعد ایک دوسری صفت اختصاص کی ہونی چاہیے (اختصاص کا مطلب یہ ہے، کہ آپ اپنی پسند سے، اپنے ذوق کے لحاظ سے کسی ایک فن کو اس طرح اختیار کر لیجیے، کہ دوسرے فنون کے مقابلے میں اس فن پر آپ کی توجہ زیادہ مرکوز رہے، اس میں خوب مہارت حاصل کی جائے؛ یہاں تک کہ اس فن کی کوئی بات سامنے آئے، آپ کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جائیں کہ اس فن کو یہ خوب سمجھنے والے ہیں؛ خواہ کوئی بھی فن لیجیے، نحو، صرف، فقہ وغیرہ۔) ہمارے اکابر علماء دیوبند میں یہ دونوں نعمتیں تھیں، اخلاص بھی تھا، اور اختصاص بھی تھا، ان کے پاس جو مضمون ہوتا تھا، اس مضمون میں وہ بادشاہ ہوتے تھے۔

شیخ الہند اور اختصاص علم

ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند نے اپنی لائبریری کی کتابوں کو نکلوا کر دھوپ میں رکھا- برسات کے موسم میں چیزیں بھیگ جاتی ہیں، اور دیمک لگ جاتی ہے- جب دھوپ میں کتابیں رکھیں، تو ایک طالب علم نے کہا: حضرت! ایک کتاب کے پانچ چھ صفحے دیمک نے کھالیے ہیں، فرمایا: پھر دوسرا کاغذ ساتھ جوڑ دو۔ اس نے دوسرا کاغذ لگادیا، اور پوچھا: حضرت! اب کیا کروں؟ فرمایا: جو عبارت حذف ہو چکی ہے، وہ لکھ دو! اس نے کہا حضرت! مجھے تو زبانی یاد نہیں ہے، اور اصل نسخہ بھی نہیں ہے، میں نے تو یہ کتاب کئی سال پہلے پڑھی تھی، اب بھول چکا ہوں، کیسے لکھوں؟ فرمایا: بس بھول گئے؟ کون سی کتاب ہے؟ کہنے لگا:

حضرت! ''میبذی''، پوچھا کہاں سے عبارت منقطع ہوئی ہے؟ اس نے کہا: فلاں جگہ سے۔ حضرت شیخ الہند -رحمۃ اللہ علیہ- نے وہیں بیٹھے بیٹھے زبانی چھ صفحے کی عبارت، اس بچے کو کتاب پر لکھوادی۔ اُن کو یوں اختصاص حاصل تھا۔

مولانا یحییٰ اور اختصاص علم

مولانا یحییٰ نے مسلم کو دوسو مرتبہ تسبیح پر پڑھا۔ ان حضرات کی زندگی ہی کتابوں میں گزری تھی، ان کو کثرتِ مطالعہ کا ایسا شوق ہوتا تھا۔ جب تخصص حاصل ہوگا، تو پھر دیکھے گا کہ کام کیسے بنتا ہے؟۔

مولانا نور محمد پونٹوی اور اختصاص علم

حضرت شیخ الہند کا ایک شاگرد تھا، اس کا نام ''مولانا نور محمد پونٹوی'' تھا، آپ نے ''شرح ماۃ عامل پونٹوی'' دیکھی ہوگی، ''پونٹہ'' ایک شہر ہے، جو ''ملتان'' سے ستر پچھتر میل دور مین سڑک سے تیس کلومیٹر اندر ہے، طلباء تیس کلومیٹر پیدل سفر کر کے، سر پر سامان اٹھا کر اُن کے پاس پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ اس گاؤں میں تین سو طلبہ اُن کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ وہاں تانگہ بھی نہیں جاتا تھا، طلبہ اپنا سامان سر پر اٹھا کر وہاں جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا نور محمد پونٹوی -رحمۃ اللہ علیہ- کو کیا مقام عطا فرمایا تھا!! مولانا فرمایا کرتے تھے: ''اگر ساری دنیا سے شرح جامی ضبط کر لی جائے، مٹا دیا جائے، اور کوئی آدمی نور محمد کے پاس آ کر کہے: کہ شرح جامی کی ضرورت ہے، تو میں اس متن اور حاشیہ کے ساتھ شرح جامی دوبارہ لکھوا سکتا ہوں!!'' اُن کو یہ اختصاص حاصل تھا۔

جب اخلاص بھی ہو، اور اختصاص بھی ہو، تو پھر بندے کے اندر ایک لگن ہوتی ہے، اور وہ اس لگن کے ساتھ اپنے کام میں مگن ہوتا ہے، پھر اُس کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے، اور وہ اِدھر اُدھر کی باتوں پر توجہ نہیں دیتا۔ مولانا یحییٰ کے دل کے اندر خواہش پیدا ہوئی کہ میں دھوپ میں بیٹھ کر گنّا چوسوں؛ چنانچہ سوچا کہ جب فرصت ملی۔ تو چوسوں گا۔ اُن کو بیس

سال تک گنا چوسنے کی فرصت ہی نہ ملی ،وہ ہر وقت علمی کام میں مشغول ہوتے تھے،اور وقت فارغ ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب اختصاص حاصل کریں گے،تو آپ ہر وقت کتب کے مطالعے میں لگے رہیں گے، پھر یہ کتابیں ایک گلشن نظر آئے گا،اوراوڑھنا بچھونا نظر آئے گا، پھر مدرسہ وطن نظر آئے گا۔اور کتابوں کا کاغذ کفن نظر آئے گا،اگر آپ اپنے اندر یہ چیز پیدا کرلیں گے،تو ایک مقصد کے تحت زندگی گزرے گی۔

لمحۂ فکریہ

عزیز طلبہ! آج کے دور میں جب ہر طرف بے راہ روی بڑھ رہی ہے،عریانی اور فحاشی کا دوردورہ ہے، کیا مشرق اور کیا مغرب؛ ہر طرف حیا زندگیوں سے نکلتی جارہی ہے۔

آج وہ وقت آ گیا ہے، کہ اگر کسی کو بتادو کہ میں عربی مدرسے میں پڑھتا ہوں،تو دنیادار حیران ہوکر دیکھتے ہیں کہ پتہ نہیں یہ کیا کررہے ہیں؟

آج سبزی بیچنے والے کی قدر ہے۔

....تانگہ چلانے والے کی قدر ہے۔

....دفتر کے چپڑاسی کی قدر ہے۔

لیکن جب پتہ چل جائے کہ یہ بندہ عربی مدرسے میں پڑھتا ہے،تو لوگ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہی نہیں....گویا ناقدروں میں گھر گئے.....

یاد رکھیں! کہ اس دور میں دین پر جم جانا،اللہ-رب العزت-کا خصوصی انعام ہے، یہ اللہ-رب العزت-کی رحمت ہے، کہ اس نے آپ حضرات کو دین کی محنت کے لیے چُن لیا ہے۔

ایسے دور میں دین کی محنت کرنا،اور دین کے لیے کام کرنا،اللہ کے ہاں بڑی قبولیت کا باعث ہے۔بس دل میں یہ رکھیے! کہ جب حضرت ابراہیم-علیہ السلام-کو آگ میں ڈالا گیا،تو ایک چڑیا اپنی چونچ میں ایک دوقطرے پانی لیکر جاتی،اور آگ پر گراتی تھی، کسی

پرندے نے اُس سے کہا: بی چڑیا! تیرے دو قطرے پانی سے تو یہ آگ نہیں بجھے گی؟ وہ چڑیا کہنے لگی: یہ تو میں بھی سمجھتی ہوں کہ میری چونچ کے اس پانی سے آگ نہیں بجھے گی؛ مگر میں نے ابراہیم خلیل اللہ کی دوستی تو نبھانی ہے نا؟ جو ہمارے بس میں ہے، بس ہم وہ کردیں اور باقی کے لیے اللہ تعالی سے اس کی رحمت مانگیں، پھر پروردگار اپنی رحمت عطا فرمادیں گے۔

دونوں صفت اپنے اندر پیدا کیجیے اختصاص بھی ہو، اور اخلاص بھی ہو، جو کریں، بس مقصود اللہ کی رضا ہو۔

یاد رکھیے! ریا کار انسان دنیا میں لوگوں کے سامنے اچھا بننے کے لیے عمل کرتا ہے، اس کی سزا قیامت کے دن یہ ملے گی کہ، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے عیبوں کو، لوگوں کے سامنے کھولیں گے۔[1]

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دعا مانگ رہے تھے: اللہ میرے گناہوں کو معاف فرمادیجیے! معاف فرمادیجیے! اور پھر کہا: یا اللہ! اگر آپ نے فیصلہ کرلیا ہے، کہ مجھے معاف نہیں کرنا، تو پھر قیامت کے دن مجھے اندھا کھڑا کردینا؛ تاکہ مجھے نبی -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے سامنے رسوائی نہ اٹھانی پڑے!!

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی ہمیں ریاکاری سے محفوظ فرمائے، ہمارے عیبوں کو دنیا میں بھی چھپالے، اور قیامت کے دن بھی ہم پر اپنی رحمت کی چادر ڈال دے۔

---

(۱) (الحدیث) صحیح بخاری، باب رفع الامانۃ، ۲/ ۱۴۷۷، رقم: ۶۲۵۰

طلبہ اصلاحِ باطن کی طرف متوجہ ہوں!

دین اسلام نے علم حاصل کرنے کا حکم دیا، علماء کے فضائل بتائے، علم کی فضیلت بتائی۔ لیکن علم کو کیسے حاصل کرنا ہے؟ یہ راستہ کھلا رکھا ہے، متعین نہیں کیا، یہ میدان کھلا چھوڑ دیا؛ چوں کہ مختلف ادوار میں تقاضہ مختلف ہو سکتے ہیں، کہیں تو یہ علم فقط استاذ ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، جیسے صحابہ کرامؓ نے کیا۔ اور کہیں پر اس کے لیے مستقل کتابوں کی ضرورت ہوگی، جیسے آج کے زمانہ میں۔

نبی علیہ السلام کے زمانہ میں حدیث پاک کی کوئی کتاب نہیں تھی، جس میں نبی کے سارے اقوال جمع ہوں، اب اگر کوئی طالب علم یہ کہے کہ میں دیکھتا ہوں، کہ کس صحابی نے حدیث کی کتاب پڑھی؟ تو اسے کوئی کتاب ایسی نہیں ملے گی۔

پھر آج کے دور میں ایک مثال ہے، جسے درسِ نظامی کہتے ہیں، اللہ کے کسی نیک بندے نے شروع میں اسے تجویز کیا، اور پھر اللہ تعالی کی طرف سے ایسی قبولیت ہوئی، کہ اس نصاب کو پڑھ کر اتنے لوگ عالم باللہ بنے۔ اس وقت اگر کوئی بچہ آ کر کہے، کہ میں عالم بننا چاہتا ہوں، تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟ کہ درسِ نظامی پڑھو؛ لیکن درسِ نظامی کا لفظ تو نہ کہیں قرآن میں، اور نہ حدیث میں، جو آ کے پوچھے کہ میں حدیث پاک پڑھنا چاہتا ہوں، تو آپ کہیں گے، کہ ''صحاحِ ستہ'' پڑھو! ''صحاحِ ستہ'' کا لفظ نہ قرآن میں نہ حدیث

میں۔ اب ایک صاحب اگر بیٹھ جائے کہ مجھے تو وہی کرنا ہے، جو نبی علیہ السلام نے کیا ہے، بعد کے اعمال اور بعد کی چیزیں بدعت ہیں، تو پھر بخاری شریف پڑھنے کی دلیل کہاں سے ڈھونڈے گا؟ ترمذی شریف کا تذکرہ کہاں سے حدیث میں پائے گا؟ تو اس کو بات سمجھائیں گے، کہ بھائی! شریعت نے علم حاصل کرنے کا حکم بھی دیا، فضیلت بھی بتادی، تو یہ سبب ہے، وسیلہ ہے، اس علم کو حاصل کرنے کا؛ کیوں کہ علماء امت اس پر متفق ہیں، تو یہ ٹھیک ہے؛ لہٰذا اب یہ شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے؛ بل کہ اس کو شرعی حیثیت حاصل ہے۔

اب دیکھیے! ایک آدمی اگر بیٹھا ہو ''علم الصرف'' کی گردان یاد کر رہا ہو، **ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا فَهُوَ ضَارِب**، اب دوسرا بندہ کہے کہ جی خلاف سنت عمل کر رہا ہے، تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ بھئی! اپنی عقل کا ٹیسٹ کراؤ، یہ بچہ جو اس وقت یہ پڑھ رہا ہے، یہ حقیقت میں ایک فن، ایک علم جاننا چاہتا ہے، جس سے اس کو زبان پر عبور ہوگا، اور اس زبان پر عبور حاصل کر کے قرآن وحدیث کو آسانی سے سمجھ پائے گا، یہ ضرورت ہے ہماری۔ تو آج اس علم کی تفصیل سامنے کھل گئی ہے، یہ ایک مستقل مضمون بن گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ مضمون کتنا تھا، حضرت سیدنا علیؓ نے فرمایا: کہ ''فاعل'' مرفوع ہوتا ہے، اور جو ''مفعول'' ہے وہ منصوب ہوتا ہے، اور ''مضاف الیہ'' مجرور ہوتا ہے، بات ختم، اتنے سے فقرے میں ''علم النحو'' کو سمجھا دیا، اور آج کے دور میں ماشاءاللہ ''علم النحو'' پر ایک مستقل کتاب ہے، کہ جی ''ہدایۃ النحو'' پڑھ رہے ہیں۔ طلبہ کی جان جاتی ہے ''ہدایۃ النحو'' کا نام سن کے، کیوں؟ اس لیے کہ تفصیل سامنے آگئی، تو یہ چیزیں وقت کے ساتھ ساتھ ضرورت کے طور پر اپنائی جاتی ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب

اس کو سامنے رکھتے ہوئے آپ یہ سوچیے کہ شریعت نے اپنے من کو صاف کرنے کا حکم

بھی دیا ہے، اور اسے پسند بھی کیا ہے۔ من کو صاف کرنے کا نام تزکیہ ہے۔ تو قرآن مجید میں فرمادیا "**قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى**" (تحقیق فلاح پا گیا وہ جو ستھرا ہوا)[1] جس نے اپنے من کو آلائشوں سے پاک کرلیا یہ ایک اصول بتادیا، اور کہہ بھی دیا کہ "**قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا**"

(تحقیق کامیاب ہوا، جس نے اس (نفس) کو پاک کیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو خاک آلود کیا)[2]

لیکن تزکیہ نفس حاصل کرنے کا کیا سبب؟ کیا طریقہ ہے؟ یہ مشائخ امت کے کندھوں پر ذمہ داری ڈال دی، اب آپ لوگ متعین کریں، کہ کس دور اور زمانے میں کیا طریقہ ہے؟ انسان کے من کو صاف کرنے کا۔

دلوں کی گندگیاں

آج ہمارے دلوں پر جو گندگیاں لگتی ہیں نا، یہ ایسی ایسی ہیں، کہ وہ پہلے زمانے کے لوگوں کے تصور میں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ پہلے پاکیزہ دور ہوتا تھا، حیا کا دور ہوتا تھا، بہت ساری برائیاں، گناہ اس زمانہ میں ہوتے ہی نہیں تھے۔ اس سے اندازہ لگائیں، کہ اس زمانہ میں اگر کوئی پاگل ہوجاتا، تو وہ کثرت سے اذانیں دینی شروع کردیتا۔ لوگ سمجھ جاتے کہ یہ پاگل ہوگیا ہے، اس لیے ہر وقت اذانیں دیتا رہتا ہے۔ اس وقت کے پاگل ایسے تھے، اور آج کل کے تو عقل مند گالیاں بکنے لگتے ہیں، تو یہ زمانہ اور ہے۔

یہ "مراقبہ" کہاں سے آگیا؟

جو ذکر و سلوک کے احباب کرتے ہیں اس میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں، کہ ان کو علاج کے طور پر اپنایا جاتا ہے، یہ اصول کی خاطر اس کو کہتے ہیں، کہ چونکہ نیا بندہ ہے، آنکھیں کھلی رکھے گا، تو مراقبے کی بجائے کچھ اور تماشے بیٹھا دیکھتا رہے گا، تب اس کو کہتے

---

(۱) پ: ۳۰، سورۃ الاعلیٰ، آیت: ۱۴ (۲) (پ: ۳۰، سورۃ الشمس، آیت: ۹/ ۱۰)

ہیں، کہ آنکھیں بند کرلو، یکسوئی ہوجائے گی، اب یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ایسا عمل نبی علیہ السلام سے ثابت بھی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے: جب نبیؑ پر وحی نازل ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادرِ مبارک اپنے سرِ مبارک پر ڈال لیا کرتے تھے۔[1] اب آج اگر ہم نے مراقبے کے لیے رومال سر پر ڈال لیا، تو یہ کونسی خلافِ شریعت چیز بن گئی؟ کچھ طلباء ایسے ہوتے ہیں، ان کو کہیں نا مراقبہ کرلیں، تو کہتے ہیں، کہ یہ حدیث میں تو کہیں نہیں ملتا۔ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے، حدیث میں یہ تو ملتا ہے کہ مَن کو صاف کرنا ہے، اور یہ بھی ہے کہ ذکر انسان کے باطن کو دھودیتا ہے، یہ سب چیزیں مل جائیں گی؛ لیکن کس بندے کے لیے کونسا طریقۂ ذکر مناسب ہے، سری یا جہری، اللہ اللہ کا ذکر، یا لا الہ الا اللہ کا ذکر؟ یہ تفصیلات اب مشائخ کے کندھوں پر ہیں، اب وہ جو ترتیب بنادیں گے وہ کرنی ہے۔

تمام دینی شعبوں سے محبت رکھیں

نبیؑ دنیا میں تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے چار مقاصد قرآن مجید میں بیان کیے گئے:

"يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ"[2]

نبی علیہ السلام کامل تھے، تمام صفات کے حامل تھے، آپ کے اندر یہ سب خوبیاں موجود تھیں؛ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان تمام شعبوں میں تفصیل آئی گئی، چنانچہ علم والوں نے مدارس بنادیئے، انہوں نے "علم" کے شعبے کو سنبھال لیا، کہ ہم نبی علیہ السلام کے وارث ہیں، یہ محبوب کی وراثت ہے، ہم اس کو تقسیم کرنے میں زندگی کھپائیں گے، اب وہ سارے دن پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ مشائخ نے "تزکیہ" والے شعبہ کو سنبھال لیا۔ بعض نے کہا ہم اللہ کے راستے میں نکلیں گے، اور دعوت وتبلیغ کا کام کریں گے۔ سبحان اللہ! تمام کام برحق ہیں، سب دین کے شعبے ہیں۔ سب کے ساتھ محبت ہونی چاہیے، سب کے

---

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ کتاب المغازی ۲۰/۲۶۴، رقم: ۳۸۰۱۷ (۲) (پ: ۲۸، سورۃ الجمعۃ، آیت: ۲)

لیے دعا ہونی چاہیے، اور سب کے ساتھ نیک امیدیں ہونی چاہئیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ باقی شعبوں کے لوگ کام چھوڑ کے صرف یہ کرنا شروع کر دیں، تو ان کی غلط فہمی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آنکھ کا ڈاکٹر کہے کہ اس ہسپتال کے سارے ڈاکٹر بس آنکھ کے ڈاکٹر بن جائیں۔ ہر شعبے کی اپنی اہمیت ہے۔ پہلے زمانے کے لوگ جن اساتذہ سے علم ظاہر پاتے تھے، انہی اساتذہ سے اپنے من کو صاف کرنا سیکھ لیتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے کتنے شاگرد ہیں، حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے ان سے علم بھی پڑھا، احادیث مبارکہ بھی انہی سے پڑھیں،، اور ساتھ ساتھ باطن کو بھی صاف کرایا۔

تو اس لیے یہ وہم ذہن سے نکال دینا چاہیے، کہ ہم تو عالم ہیں، ہم تو مفتی ہیں، ہم تو فلاں ہیں، اور جب مشائخ کے پاس جاتے ہیں تو ہر محفل میں مراقبے شروع کروا دیتے ہیں، تو یہ مراقبے ذریعہ اور وسیلہ کے طور پر کرواتے ہیں، اصل مقصود توجہ الی اللہ ہے، یہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔ کون کہتا ہے کہ یہ فرض ہے؟ یہ تو صرف ذریعہ اور وسیلہ ہے، دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس کے بغیر بندے کے اندر یکسوئی پیدا نہیں ہوتی، اس ذریعہ کے طور پر اس کو سکھاتے ہیں، باقی یہ کہ تزکیہ حاصل کرنا بندے پر لازم ہے، اس سے انسان فرار اختیار نہیں کر سکتا۔

تزکیہ کی اہمیت اور ضرورت

حقیقت یہ ہے کہ ''تزکیہ'' حاصل کرنے کے لیے اللہ-رب العزت- نے قرآن مجید میں سات مرتبہ قسمیں کھائی ہیں۔ کوئی اور ایسا کام نہیں جس کی خاطر اللہ تعالی نے ایک ہی وقت میں لگاتار سات چیزوں کی قسم کھائی ہو۔ فرمایا: **وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالْقَمَرِ إِذَاتَلٰهَا، وَالنَّهَارِ إِذَاجَلّٰهَا، وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا، وَالسَّمَاءِ وَمَابَنٰهَا، وَالْأَرْضِ وَمَاطَحٰهَا، وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا.** (پ: ۳۰، سورۃ الشّمس، آیت: ۱/تا۷)

آج کے دور کا ایک فتنہ ہے، کوئی بیٹھا ورد وظیفہ کر رہا ہو، تو ذہن یہ ہوتا ہے، کہ نفلی کام کر رہا ہے، صوفی صاحب ہے۔ ضروری ہی نہیں سمجھتے، کہ ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے، اس کے بغیر اندر کی میل دور نہیں ہوگی،

"لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ، وَصَقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ"

ہر چیز کی پالش ہوتی ہے، اور دلوں کی پالش اللہ کی یاد ہے (۱)

ہمارے مشائخ نے جو اسباق بتائے، لاکھوں انسانوں نے کیے، اور اللہ نے ان کو نسبت کا نور عطا کیا۔ اور اس نسبت کے نور کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کو صبر اور شکر کی زندگی نصیب ہوئی، ان کو قضاء وقدر کے اوپر اطمینان نصیب ہوا، اور ان کو شریعت کی کسی بات کو قبول کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوئی، بلا دلیل انہوں نے سب مانا۔ اب یہ نعمتیں کسی کو بغیر اسباق کے نصیب ہیں، تو وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے، ہم اس بندے کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

جب شریعت نے کہہ دیا، کہ چھت پر پہنچو تو اب جو ایک چھلانگ لگا کے پہنچ سکتا ہے، وہ پہنچے، ہڈی کے جوڑ میں درد ہے، تو لفٹ کے ذریعہ چھت پر پہنچے، مگر سب کے لیے چھت پر چڑھنا ضروری ہے، یہی حال ان معمولات کا ہے، جہری ذکر، مراقبے اور باقی مجاہدے، نفس کے خلاف کرنا، کم کھانا، کم سونا، کم باتیں کرنا، یہ سب کے سب سیڑھیاں ہیں یا لفٹ ہیں۔

یاد رکھنا! کہ نفس آپ کو ایسا دھوبی پٹڑا لگائے گا، کہ آپ سمجھ رہے ہوں گے، میں اپنا علاج کر رہا ہوں، اور حقیقت اس وقت کھلے گی، جب معاملہ کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوگا۔ یہ نفس انسان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھتا ہے، کہ اس کو کچھ ہوش ہی نہیں رہتا۔

مقام احسان چوں کہ دین کا ایک حصہ ہے، اس لیے اس کا حاصل کرنا ہم میں سے ہر

---

(۱) الترغیب والترہیب، کتاب الذکر والدعاء ۲/ ۲۵۴

ایک پر لازم ہے۔کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرے لیے اس کیفیت کا حاصل کرنا ضروری نہیں۔ یہ دین ہے، اگر ہم اس کو حاصل نہیں کریں گے، تو دین کے ایک حصہ سے محروم ہوجائیں گے، تو شاگرد کو بھی لازم ہے، استاذ پر بھی لازم ہے، دفتر والے پر بھی لازم ہے، مدرسہ والے پر بھی لازم ہے، ضرورت کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔اب حاصل کیسے کیا جائے؟اس میں ہم کسی کے ساتھ اصرار نہیں کرتے، کہ تم یونہی کروگے تو سنوروگے یہ تو تجربہ کی بات ہے۔

ہمارے مشائخ کو اللہ نے جو بصیرت دی، تو انہوں نے اس طریقۂ ذکر کو اختیار کیا، ہمارے مشائخ نے اس سے فائدہ پایا، صحت پائی، اور انہوں نے دوسروں کو بھی بتایا کہ بھئی! تم بھی یہ دوائیاں استعمال کرنا۔تو ہم بھی وہی دوائیاں استعمال کررہے ہیں۔

طلباء متوجہ ہوں!

تو یہ بات عرض کرنی تھی، کہ طلباء اس طرف متوجہ ہوں، پہلے ایک وقت تھا کہ مدرسہ کے طلباء کو ذکر نہیں سکھایا جاتا تھا، اور یہ واقعی صحیح بات ہے؛ اس لیے کہ ان کو علم حاصل کرنے میں اتنی یکسوئی ہوتی تھی، کہ علماء ومشائخ اس یکسوئی میں کوئی بھی کمی ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے مقصود پر جمے رہیں، جمعیت کے ساتھ اس علم کو حاصل کرتے رہیں، ان کو ذکر بھی نہیں بتاتے تھے، اور کئی مرتبہ بیعت بھی نہیں کیا کرتے تھے۔آج کے دور کا معاملہ وہ نہیں ہے۔

آج کے دور میں طالب علم کو علم کے سوا باقی ہر چیز کے پڑھنے سے محبت ہوتی ہے۔ کتاب کھولتا ہے، یکسوئی نہیں۔یاد کرتا ہے، بھول جاتا ہے۔خارجی چیزوں کی طرف اس کی توجہ پڑگئی۔اتنا الجھ گیا کہ اسے پڑھنے کی طرف یکسوئی ہی نہیں ہوتی، اس کا دل ہی نہیں چاہتا پڑھنے کو۔ہم ایسے طلباء کو بھی جانتے ہیں جو کہتے ہیں: کہ ”کلاس میں جاتے ہیں، اونگھتے رہتے ہیں۔واپس آتے ہیں، نہ تکرار ہوتا ہے نہ کچھ ہوتا ہے۔بس سال گزر جاتا ہے۔“اب

یہ بچہ جو پڑھ بھی ٹھیک نہیں رہا، اب اس کے بارے میں کہیں کہ ''اس کو بیعت کریں،'' تو یہ بڑی بات نہیں ہے۔ اس کو بیعت کرنا چاہیے، اس کو ذکر بتانا چاہیے، تاکہ محبت الٰہی بڑھے، اور اس کا علم کی طرف پہلے کی نسبت رجوع زیادہ ہو۔

ہمارے تجربہ میں یہ بات آئی، کہ جن مدارس کے طلباء سلسے میں داخل ہوجاتے ہیں، بیعت ہوتے ہیں، ان کے اندر عبادت کا بھی شوق آجاتا ہے۔ وہ اپنی کتابوں کے مطالعہ میں بھی پہلے کی نسبت بہت بہتر ہوجاتے ہیں۔ ان کے اساتذہ ہمیں بتاتے ہیں، کہ جب سے طلباء ذکر کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، تب سے علم کی طرف ان کی دلچسپی زیادہ ہوگئی ہے۔ تو اب یہ جو بیعت کا عمل ہے یہ علم میں رکاوٹ نہیں؛ بل کہ علم کے لیے معاون بن گیا۔ جس نے بیعت کی، اب وہ نگاہیں بھی بچائے گا، جھوٹ سے بھی بچے گا، مخلوق کے ساتھ نفسانی تعلقات سے بھی بچے گا۔ تو ذکر کی برکت سے علم میں ترقی جلدی ہوجاتی ہے، تیز ہوجاتی ہے۔ ہمارے مشائخ آج کے دور میں طلباء کو بھی بیعت کرلیتے ہیں، ہاں لمبے وظیفے نہیں بتاتے۔

جنہیں منزلوں نے پناہ دی....

نبی علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے بھی مشائخ گزرے ہیں، ان میں سے ایک ایک کے حالات زندگی پڑھیے، پھر پتہ چلے گا، کہ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت کیسی تھی؟ ان کے دن اور راتیں کیسی تھیں؟ مشائخ نقشبند ایک ٹولہ ہے، ایک جماعت ہے، ایک قافلہ ہے، جو اللہ کی محبت کے راستہ پر چلا؛ بالآخر کتنے خوش نصیب تھے، جو اس منزل پر پہنچ گئے۔ آج ہم انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، اگر ہم بھی محبت کے اس راستہ پر قدم اٹھاتے رہیں گے، اور آگے بڑھتے رہیں گے، تو یقیناً پروردگار عالم ہمیں بھی اپنی سچی محبت عطا فرمادیں گے۔ اور ہمیں بھی قیامت کے دن انہی کے ساتھ واصل فرمادیں گے۔ اور اگر ہم پیچھے ہٹے، تو میرے دوستو! نقصان ہمارا اپنا ہے، اس کے چاہنے والوں میں کوئی

کمی نہیں آتی۔

امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فارسی کا ایک شعر کہتے ہیں، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے دوست! میں نے تجھے منزل کا پتہ بتادیا، میں نہیں پہنچ سکا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی تجھے پہنچادے۔''

اللہ تعالی ہمیں قیامت کے دن اپنی محبت کرنے والے عُشّاق کی قطار میں کھڑا فرمادے۔

میرے دوستو! آپ ایسے لوگ بہت تھوڑے دیکھیں گے، جو اس لیے حیران پریشان ہوں گے، کہ آج ہمارے دل کی حالت اچھی نہیں ہے، ہمارے دل میں غلط خیالات کیوں آتے ہیں؟ ہمارے دل میں گناہوں کے جذبے کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ ہمارے دلوں میں ایمان حقیقی کا جو لطف آنا چاہیے تھا، وہ کیوں نہیں آرہا ہے؟ لہذا اپنی توجہ کا قبلہ ٹھیک کرنے کی ضروت ہے.... جب وہ دن آگیا جب ہم نے دنیا کے بجائے آخرت پر محنت شروع کردی، مادے کے بجائے روحانیت پر محنت کرنا شروع کردی، تن کے بجائے اپنے من پر محنت کرنا شروع کردی، اور عقل کے بجائے دل پر محنت کرنا شروع کردی؛ تو پھر ہماری توجہ کا قبلہ ٹھیک ہوجائے گا، اور جو قدم بھی اٹھے گا وہ ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کردے گا۔ دعاء ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں آخرت کی فکر نصیب فرمادیں اور جب دنیا سے جانے لگیں تو صدا آرہی ہو۔ **يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِي إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي، وَادْخُلِي جَنَّتِي**(۱)

---

(۱) پ: ۳۰، سورۃ الفجر، آیت: ۲۷ تا ۳۰

سب سے پہلا مدرسہ اور طلبہ کی قربانیاں

اسلام میں پہلا مدرسہ

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلا مدرسہ مسجد نبوی میں بنا، گو وہ اس کا نام تو نہیں تھا؛ لیکن آج کے زمانے میں ہم اگر اس کا نام معلوم کرنا چاہیں، تو اس کو ''جامعہ صُفّہ'' کہہ سکتے ہیں، یہ چند مہاجرین صحابہ تھے، جو اپنے گھر کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں آ گئے تھے، مسجد نبوی میں رہتے تھے اور وہاں پر وہ نبی -علیہ السلام- سے دین سیکھتے تھے۔

مدرسہ صُفّہ کا نصاب

چنانچہ ہر جامعہ کے اندر کوئی نصاب ہوتا ہے، تو جامعہ صفہ کا نصاب تھا: قرآن عظیم الشان، **''الٓر كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ''** یہ قرآن اللہ نے اتارا، تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں[1] تو ان کا نصاب قرآن تھا۔

پھر ہر کتاب کی تشریح ہوتی ہے، تو اگر کوئی پوچھے کہ قرآن مجید کی تشریح کیسے ہوئی؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ کو بھیجا **''لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ**

(۱) پ: ۱۳، سورۃ ابراہیم، آیت: ۱

مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ" تاکہ آپ اس کو واضح فرمادیں جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے،[1] تو احادیث مبارکہ گویا اس کی تشریح تھیں۔ صحابہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زبان سے بھی پڑھاتے تھے اور عمل سے بھی سکھاتے تھے۔

عہد نبوی میں اوقاتِ تعلیم ۲۴ گھنٹے

ہر مدرسہ کے اندر اوقات ہوتے ہیں، کہیں پر صبح آٹھ بجے سے لے کے دو بجے تک، کہیں آٹھ سے لے کے ۴ بجے تک؛ لیکن یہ جامعہ صفہ ایسا تھا کہ اس کے اوقاتِ تعلیم چوبیس گھنٹے تھے۔ چنانچہ رات کا وقت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے، دیکھا کہ ابوبکر صدیقؓ تہجد میں بہت ہی خفی انداز کے ساتھ، قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، اور عمرؓ تلاوت کر رہے ہیں ذرا جہر کے ساتھ، جب دونوں نے نفل مکمل کر لیے، تو حاضر خدمت ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے ابوبکر! آپ اتنا آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس ذات کو سنا رہا تھا جو سینوں کے بھید جانتی ہے، اونچا پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمر! تم اونچا کیوں پڑھ رہے تھے؟ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سوئے ہوؤں کو جگا رہا تھا، شیطان کو بھگا رہا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو سکھایا کہ عمر! تم ذرا آہستہ آواز کرلو، اور ابوبکر! تم ذرا سا جہر کرلو۔[2] اب یہ رات کا آخری پہر ہے، اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شاگردوں کو دین سکھا رہے ہیں۔ تو جس وقت اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد آجاتے تھے، درجہ شروع ہوجاتا تھا۔ یہ صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دین سیکھتے تھے اور باقی صحابہؓ آکر ان سے پوچھتے تھے کہ آج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون سی آیت سکھائی، کیا بات سکھائی۔ تو یہ دوسرے صحابہؓ کو بتادیتے تھے۔

---

(۱) پ: ۱۴، سورۃ النحل، آیت: ۴۴ (۲) سنن ابی داؤد باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل ۱/ ۱۸۸ رقم: ۱۳۲۹

جامعہ صفہ کے اندر مطبخ نہیں تھا

یہ دین اسلام کا پہلا اقامتی مدرسہ تھا؛ مگر فرق تھا، ہر مدرسہ کے اندر مطبخ ہوتا ہے، طباخ ہوتا ہے، شاگردوں کے لیے کھانے کا انتظام ہوتا ہے؛ یہ وہ مدرسہ تھا جس میں نہ مطبخ تھا، نہ کوئی طباخ تھا، اللہ ان کا رزّاق تھا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے رزق بھیج دیتے تھے، یہ کھالیتے تھے، ورنہ فاقہ ہوتا تھا۔ اتنا فاقہ کہ اس مدرسے کے ایک طالب علم کا نام ابوہریرہؓ ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں اتنا بھوکا تھا کہ مجھ سے اٹھ کے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا، میں مسجد کے دروازہ کے قریب آ کے لیٹ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، لوگ چلے گئے، میرے پاس ابوبکرؓ آئے اور گزر گئے، میں سمجھ گیا کہ ان کے گھر میں بھی آج کوئی کھانا نہیں ہے، عمرؓ آئے گزر گئے، میں سمجھ گیا کہ ان کے گھر میں بھی کھانے کا انتظام نہیں ہے، ورنہ یہ مجھے اس حال میں دیکھ کے ضرور مجھے دعوت دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے پوچھا: ابوہریرہ! کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ بتایا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی بھوک ہے کہ بھوک کی بنا پر کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنے گھر لے گئے، گھر والوں سے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ عرض کیا کہ دودھ کا ایک پیالہ ہے، تو فرمایا کہ بھجواؤ، ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے امید لگ گئی کہ چلو ایک پیالہ دودھ تو ملے گا؛ لیکن جب پیالہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ابوہریرہؓ! جاؤ اور مدرسہ کے باقی طلبہ کو بھی بلا کے لاؤ- یہ جو آج کی مدرسی زبان ہے یہ عاجز اس کو خود استعمال کر رہا ہے تا کہ بچے جلدی سمجھیں- چنانچہ وہ مسجد نبوی گئے اور وہاں پر جتنے اصحاب صفہ تھے ان کو بلا کے لائے۔ اب وہ سوچتے ہیں کہ ۷۰ لوگ ہیں تو میرے لیے دودھ کیا بچے گا؟ اور ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ جو دعوت دے کے لاتا تھا، اسی کو حکم ہوتا تھا کہ پلاؤ بھی تم ہی، اور پلانے والے کا نمبر تو آخر میں آتا ہے، تو پتہ نہیں میرے لیے کیا بچے گا؟ فرماتے ہیں کہ وہ سب لوگ آئے، میں نے دودھ پلانا شروع کیا، ہر بندے نے جی بھر کے پیا، سیراب

ہوتے گئے؛ لیکن دودھ کا پیالہ ویسے کا ویسے ہی، جب سب نے پی لیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ مجھ کو دیا پھر میں نے بہت پیا فرمایا اور پی لو، فرماتے ہیں کہ میں نے اور پیا، میرا پیٹ بھر گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، فرمایا اور پی لو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **"حَتّیٰ قُلْتُ وَالَّذِيْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ: لاأَجِدُ لَهٗ مَسَاغًا"** اب میرا پیٹ بھر گیا، مجھ سے نہیں پیا جا رہا ہے، تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے ہوئے دودھ کو نوش فرمایا، تب وہ ختم ہوا۔ (۱) معلوم ہوا کہ ان طلباء کا رازق پروردگار تھا، وہ ان کے لیے رزق بھیجتا تھا، رزق میں برکت ڈال دی جاتی تھی۔

اب ہر مدرسہ میں ایک معلم ہوتا ہے، اس مدرسے کے معلم اعظم مرشد اعظم مبلغ اعظم سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ پھر ہر کلاس کا امین الصّف ہوتا ہے تو اس جامعہ میں کلاس کا مانیٹر ایک صحابی تھے جن کا نام تھا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، وہ مانیٹر تھے، ان کے ذمہ تھا کہ تم ذرا ان کا خیال رکھنا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان اور ان کی کامیابی

پھر جب بھی پڑھاتے ہیں تو سال کے بعد امتحان بھی ہوتا ہے، تو جامعہ میں امتحان بھی ہوا۔ امتحان لینے کے لیے باہر سے کوئی نہ کوئی ممتحن آتا ہے، تو اس جامعہ کا ممتحن کون تھا؟ اور اس نے امتحان کیا لیا؟ اللہ فرماتے ہیں: **اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی"** (۲) ہم نے ان کے دلوں کو دیکھا کہ تقوی ہے یا نہیں؟ ہم نے ان کا امتحان لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا ممتحن اللہ تھا اور پیپر کا نام تقوی تھا۔ پھر اس امتحان کے اندر وہ پاس ہوگئے؟ فرمایا: **"وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا"**۔ (۳) یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگرد تھے، استاذ کا اندازہ لگانا ہو تو شاگردوں کو دیکھنا ہوتا ہے، درخت کا اندازہ لگانا ہو تو پھل کو دیکھنا ہوتا ہے، تم میرے محبوب

---

(۱) معجم الاوسط ۷/ ۲۴۰ رقم: ۷۳۸۷ (۲) پ: ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۳ (۳) پ: ۲۶، سورۃ الفتح، آیت: ۲۶

کی عظمتوں کو دیکھنا چاہو، تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگردوں کو دیکھ لو! یہ ایسے لوگ تھے جن کے دل تقویٰ سے بھرے ہوئے تھے، اللہ نے ان کو تقویٰ پہ جمائے رکھا تھا۔

صحابۂ کرام کو کامیابی کا انعام

جب کوئی طالب علم امتحان میں کامیاب ہوتا ہے تو پھر اسے انعام بھی تو ملتا ہے، ہر مدرسہ میں انعام دیتے ہیں، کہیں سند دیتے ہیں، کہیں کچھ اور، تو اس مدرسہ کے طلبہ کو بھی کوئی سند ملی؟ اللہ فرماتے ہیں ہاں، میں نے ان کو سند دی، فرمایا: **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ**، اللہ ان سے راضی، یہ اللہ سے راضی [1] سبحان اللہ! یہ کیسے خوش نصیب طلبہ تھے کہ جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلیم پائی اور اللہ نے ان کو یہ شان عطا فرمائی۔ ہر مدرسہ میں کچھ اقامتی بچے ہوتے ہیں، کچھ غیر اقامتی ہوتے ہیں تو ۷۰ طلبہ تو اقامتی تھے اور باقی صحابہ غیر اقامتی طلبہ تھے، وہ دن میں اپنے کام کرتے تھے، شام میں یا رات میں آ کے اس مدرسے میں پڑھا کرتے تھے۔ تو یہ دین اسلام کا پہلا مدرسہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہنے کا حکم

یہ لوگ اللہ کو کتنے پیارے تھے؟ سنیے کہ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جائیں اور ان کے پاس جا کر بیٹھیں "**وَاصْبِرْ نَفْسَكَ**" اپنے آپ کو صبر کیجیے، اپنے آپ کو بیٹھائیے، اپنے آپ کو نتھی رکھیے "**مَعَ الَّذِيْنَ**" ان لوگوں کے ساتھ "**يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ**" جو صبح شام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ [2] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، صحابہؓ سے پوچھا تم کیا کر رہے تھے؟ بتایا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکھ سکھا رہے تھے، مذاکرہ کر رہے تھے، تکرار کر رہے تھے—— جو مدرسوں میں ہوتا ہے——

---

(۱) پ: ۳۰، سورۃ البینۃ، آیت: ۸ (۲) پ: سورۃ الکھف، آیت: ۲۸

فرمایا کہ تم خوش نصیب لوگ ہو، اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے درمیان آکر بیٹھوں[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں طلب صادق کا ایک نمونہ

اس مدرسے کے طلبہ کی طلب عجیب تھی، سبحان اللہ! ایک طالب علم ایسے بھی تھے جو آنکھوں سے نابینا تھے، مگر من کے بینا تھے، ان کو کوئی سوال پوچھنا تھا، وہ آئے اپنے استاذ کے پاس، معلم اعظم کے پاس کہ میں سوال پوچھوں تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قریش مکہ کے بڑے سردار آئے ہوئے تھے او رمحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، اب چونکہ ان کی ظاہری بینائی تو تھی نہیں، تو ان کو پتہ نہیں تھا کہ یہ مجلس کیسی ہے، وہ آئے اور انھوں نے آکے سیدھے سوال کر دیا، تو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اب یہ جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو انتظار کروا دیا، یہ سچ بات تھی اس لیے کہ ڈاکٹر کے پاس اگر کوئی کینسر کا مریض آجائے، تو وہ نزلے زکام کے مریض سے انتظار کروالیتا ہے، کہ تم تو نزلے زکام کے مریض ہو، کوئی مسئلہ نہیں، تمہیں بعد میں دوائی دے دوں گا، یہ کینسر کا مریض ہے، یہ تو ICU کا مریض ہے، اس کو جلدی مجھے Attend (معائنہ) کرنا ہے، تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ ایسا ہی تھا، آپ اس وقت ان مشرکوں کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، مگر اس طالب علم کو انتظار کروانا اللہ-رب العزت-کو اتنا عجیب لگا کہ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبوبانہ خطاب فرمایا، ارشاد فرمایا: **"عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی"**[2] ان آیات کے مفہوم کو جب پڑھتے ہیں، تو حیران ہوتے ہیں کہ طلب والے بندے کی اللہ کے یہاں کتنی قدر ہوا کرتی ہے۔

سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی شان

پھر اسی جامعہ کے ایک اور طالب علم ابن کعب ہیں جو سید القراء تھے، بہت اچھا قرآن پاک پڑھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن کعب! سورۂ بینہ سناؤ، کہا کہ

---

(۱) مستفاد: سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص: ۲۰ رقم: ۲۲۹ (۲) پ: ۳۰، سورۃ عبس، آیت: ۱/ ۲

اے اللہ کے حبیب ﷺ! یہ قرآن آپ پر نازل ہوا، میں آپ کے سامنے سناؤں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے، وہ سمجھ گئے کہ اوپر سے اشارہ ہوا ہے، چنانچہ پوچھتے ہیں، **آاللّٰہُ سَمَّانِي؟**" اے اللہ کے حبیب ﷺ! کیا اللہ-رب العزت- نے میرا نام لے کر فرمائش کی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "**نَعَمْ اللّٰہُ سَمَّاکَ**" ابن کعب! تیرا نام لے کر اللہ نے فرمایا کہ ابن کعب سے کہو **سورۃ البینہ** پڑھیں، آپ بھی سنیں گے، میں پروردگار بھی سنوں گا۔ (۱) یہ ایسے طلبہ تھے، انھوں نے ایک نہج قائم کر دیا، انھوں نے دین سیکھنے کے لیے قربانیاں دیں، دن رات چٹائیوں پہ پڑے رہتے تھے۔

تمام دینی درسگاہیں جامعہ صفہ کی شاخیں ہیں

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اصحاب صفہ! جس نہج پر تم نے زندگی گزاری، جو بندہ اس نہج پر زندگی گزارے گا قیامت کے دن وہ میرے رفقاء میں سے ہوگا۔ (۲) یہ مدرسے کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، آج دنیا میں جتنے مدارس ہیں وہ اسی جامعہ صفہ کی شاخیں ہیں، اسی شمع سے پھوٹتی ہوئی کرنیں ہیں، دنیا کے کسی خطے میں ہو یہ جامعہ دارالعلوم دیوبند وقف ہو، یا دارالعلوم دیوبند ہو، یہ سب دارالعلوم اور جامعات اسی کی کرنیں ہیں جو یہاں پر پڑ رہی ہیں اور روشنی پھیل رہی ہے، لہذا آپ لوگوں کو اصحاب صفہ کے ساتھ یہ نسبت حاصل ہے۔

تعلیمی میدان میں امت مسلمہ کی قربانیاں

اس امت کے طلبہ نے علم حاصل کرنے کے لیے کتنے مجاہدے کیے اور کتنی قربانیاں دیں، ان کے حالات انسان پڑھتا ہے تو حیران ہوتا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ امام ذہبیؒ بیس سال کی عمر میں علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے، فرما رہے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ لم یکن، (۲) تاریخ بغداد بعد ترجمۃ مبادر بن عبد اللہ ابو سابق الرقی ۱۳/ ۲۷۶

ہیں کہ میں سات سال میں علم مکمل کرنے کے بعد گھر لوٹا۔ آپ حضرات تو جمعرات کو چلے جاتے ہیں، جمعہ گھر رہ کے آتے ہیں، یا دو ہفتے بعد یا مہینے بعد چکر لگا لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں علم حاصل کرنے کے لیے نکلا، متواتر سات سال میں علم حاصل کرتا رہا، جب علم حاصل کرلیا: تب میں ماں باپ کو ملنے کے لیے واپس آیا۔

حافظ بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابن طاہر قدسیؒ طلب علم کے لیے نکلے ـــــ اس زمانے میں ایسا نہیں تھا کہ جہاں جائیں گے وہاں آپ کو کتابیں مل جائیں گی، یہ نعمت تو آج ہے کہ جس مدرسے میں داخلہ لو تو پڑھنے کے لیے ناظمِ تعلیمات وہاں کتابیں دے دیتے ہیں، اس زمانے میں استاذ کے پاس کتابیں خود لے کر جانی پڑتی تھیں ـــــ وہ فرماتے ہیں کہ کتابیں اتنی تھیں کہ میں اپنی پیٹھ پر جب لاد کر چلتا تھا تو مشقت اٹھانے کی وجہ سے پیشاب میں خون آیا کرتا تھا، میں اپنے استاذ کے پاس جانے کے لیے اتنا بوجھ اٹھاتا تھا۔

خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب تبریزیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پشت کے اوپر کتابیں لے کر چلتا تھا اور گرمی کی وجہ سے اتنا پسینہ آتا تھا کہ میری کتابیں پسینے سے بھیگ جایا کرتی تھیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبلؒ شروع میں غربت کے حالات میں تھے، فرماتے ہیں کہ میں علم حاصل کرتا تھا تو فاقہ ہوتا تھا، میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں کوئی مزدوری کرلوں؟ تو فرماتے ہیں کہ جب میں پڑھ لیتا تو شام کو میں اونٹوں کے اڈّے پہ جاتا ـــــ جیسے ہمارے زمانے میں بسوں کا اڈہ اور ٹیکسی کا اڈہ ہوتا ہے، اس زمانے میں چوں کہ اونٹ ذریعۂ آمد ورفت ہوتا تھا تو فرماتے ہیں کہ شہر میں ایک جگہ بنی ہوئی ہوتی تھی وہاں اونٹوں کا قیام ہوتا تھا، میں وہاں چلا جاتا تھا ـــــ اور جب مسافر سامان اٹھا کر اونٹوں پر لادنا چاہتے تھے تو میں ان

سے کہتا تھا کہ میں اس کام کے لیے حاضر ہوں، وہ مجھے تھوڑا کچھ دے دیتے تھے، میں ان کے بوجھ اٹھا اٹھا کر کبھی اونٹ پر چڑھاتا تھا، کبھی اونٹ سے نیچے اتارتا تھا------اور دنیا نہیں جانتی تھی کہ یہ دوسروں کے بوجھ اپنے سر پہ اٹھانے والا بچہ آنے والے وقت میں امام احمد بن حنبلؒ بننے والا ہے-فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا اس نے مجھے پیشکش کی کہ بھائی! آپ کے کھانے کا انتظام میں کر دیتا ہوں مجھے اچھا نہ لگا، میں نے کہا کہ نہیں بھائی، محنت کروں گا پھر کھاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ پھر ایسا کریں کہ مجھے دو کتابوں کی ضرورت ہے، آپ لکھ کے دے دیں، املاء کر دیں، میں نے کہا ٹھیک ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے سامان اٹھانے کا کام چھوڑا، پھر میں نے کتابیں لکھنی شروع کیں، لوگ مجھ سے کتابیں لکھواتے تھے، میں فارغ وقت میں لکھتا تھا، اس پر کچھ مل جاتا تھا، جس سے میں اپنا پیٹ بھر لیا کرتا تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایسا وقت تھا کہ میرے پاس لکھنے کے لیے کوئی کاغذ نہیں ہوتا تھا، تو میں بڑے جانور کی بڑی ہڈیاں ڈھونڈتا تھا، خشک ہڈی مجھے مل جاتی تو میں اس کے اوپر لکھ کے رکھتا تھا اور ان کو گھر کے کونے میں ڈال دیتا تھا، یہ میری کتاب ہوتی تھی-کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بڑی ہڈیوں کو تلاش کرنے والا بچہ آنے والے وقت میں امام شافعیؒ بننے والا ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر سے نکلا تو میں نے ۳۰ برس علم حاصل کرنے میں لگائے، اس حال میں کہ میرے پاس بستر نہیں ہوتا تھا اور میں سردی سے بچنے کے لیے جس مسجد میں ہوتا اس کی صف کے ایک کنارے پر لیٹ کر پکڑ لیتا اور گھومنا شروع کر دیتا تھا اور صف میں لپٹ جاتا تھا، تو میرے جسم کو سردی ذرا کم لگتی تھی، گو سر اور پاؤں کو

لگ رہی ہوتی تھی، اس طرح میں رات گذارا کرتا تھا۔ اگر ہم طلب علم کی مثالیں دیکھیں تو دین اسلام میں علم کو طلب کرنے کے لیے، نوجوان بچوں نے جو قربانیاں دیں، ایسی تاریخ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتی۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ

تین طلبہ تھے، ایک کا نام تھا ابن المقری، ایک کا نام تھا ابو شیخ، اور ایک کا نام تھا طبرانی، وہ (طبرانی) کہتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی میں استاذ سے احادیث مبارکہ پڑھا کرتے تھے؛ لیکن کھانا اپنا ہوتا تھا، ہم تینوں کے پاس کھانا ختم ہوگیا، ایک دن روزہ، دوسرے دن روزہ، اب تیسرے دن اٹھا نہیں جاتا تھا، میرے دوساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ ہم گھر جاتے ہیں، بھوک نہیں برداشت ہوتی، میں نے ہمت کرلی، میں نے کہا مجھ کو رہنا یہیں ہے، میں حدیث پڑھنا نہیں چھوڑوں گا، کہنے لگے کہ چوتھے دن میرے لیے اٹھ کے بیٹھنا مشکل ہوگیا، اتنی بھوک تھی، اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ طبرانی! تم جن کے مہمان ہو تم میزبان کو جاکے کیوں نہیں بتاتے؟ میں اسی وقت اٹھا اور مواجہ شریف پر حاضر ہوا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا، صلاۃ وسلام پیش کیا اور میں نے کہا: **"یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْجُوْعُ"** اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بھوک لگی ہے، کہتے ہیں کہ دعا مانگ کے میں وہاں سے باہر نکلا، تو دروازے کے اوپر ایک علوی النسب شخص تھا، اس کے سر کے اوپر ہنڈیا تھی، اس کے ہاتھ میں پھلوں کی ایک ٹوکری سی تھی اور میرا نام لے کر پکار رہا ہے، میں نے نام سنا، میں حیران ہوا، میں نے کہا کہ تمہیں میرا نام کس نے بتایا، کہنے لگا میں مسجد نبوی کا پڑوسی ہوں، دیوار ایک ہے، دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہا تھا، قیلولہ میں مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، فرمایا علوی! میرا ایک مہمان بھوکا ہے، جاؤ اس کو کھانا کھلاؤ، میری آنکھ کھلی میں نے بیوی کو دیکھا کہ ہنڈیا اتار رہی تھی، میں نے کہا اپنے لیے اور ہنڈیا بنالینا، مجھے ہنڈیا اور روٹی دو، اور میں نے تمہارا نام پکارنا شروع کیا، تم اللہ کے

حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ہو۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلباء علماء کے ساتھ کیا محبت تھی!۔

امام بلخی رحمۃ اللہ علیہ

امام بلخیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کئی دن فاقہ اٹھانا پڑا اور کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا، تو محلے میں ایک نان بائی تھا، تنور کی دوکان تھی، وہاں روٹیاں پکتی تھیں، تو میں کتاب لے کر وہاں تنور کے پاس جا کر بیٹھ جاتا کہ روٹی پکنے کی جو مہک آئے گی اس سے کچھ میرے لیے بھوک کو برداشت کرنا آسان ہوجائے گا۔ اللہ اکبر کبیرا، ان اکابر نے اللہ کے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اتنی بھوک برداشت کی۔

ابو جعفر منصور رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا

"قِيلَ لِأَبِىْ جَعْفَرَ مَنْصُورٍ: هَلْ بَقِىَ مِنَ اللَّذَّاتِ شَيْئًا لَمْ تَنَلْهُ" ابو جعفر منصور حدیث کا عالم تھا، ایک مرتبہ وزراء نے کہہ دیا: کہ آپ کو اللہ نے دنیا کی اتنی نعمتیں دیں، کوئی ایسی بھی خواہش ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟ **"قَالَ: شَئٌ وَاحِدٌ"** ایک بات میری پوری نہ ہوئی **"قَالُوا": وَماهُوَ"** کہنے لگے کونسی؟ **"قال"** کہنے لگا **"قَولُ الْمُحَدِّثِ لِلشَّيخِ حَدِّثْنا"** کہ وہ جو شاگرد اپنے شیخ کو کہتے ہیں اے استاذ! ہمیں حدیث سنائیں۔ مجھے علم تھا، میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے بھی یہ علم حاصل کرتا **"قَالَ فَغَدَاعَلَيْهِ الْوُزَرَاءُ وَالنُّدَمَاءُ بِالْمَحَابِرِ وَالدَّفَاتِرِ"** دوسرا دن ہوا تو جو کام کرنے والے وزرا تھے وہ اپنے کاغذ قلم اور دواتیں لے کر آ گئے اور وہ سامنے بیٹھ گئے **"فقالو"** کہنے لگے کہ آپ ہمیں حدیث سنائیں، **"فقال"** اس وقت ابو جعفر منصور نے ان وزراء کو کہا **"لَسْتُم بِهِم"** تم طالب علم نہیں ہو **"إِنَّمَاالدَّنِسَةُ ثِيَابُهُمْ"** طالب علم تو وہ تھے جن کے کپڑے میلے ہوتے تھے **"الْمُغْبَرَّةُ وُجُوهُهُم"** ان کے چہرے گرد آلود ہوتے تھے **"اَلْمَشَقَّقَةُ أَرْجُلُهُمْ"** ان کے پاؤں، ایڑیوں کے گوشت پھٹے ہوئے ہوتے تھے، **الطَّوِيْلَةُ شُعُوْرُهُمْ"** ان کے بال بڑے ہوتے تھے، **"رَوَّادُ الآفَاقِ"** علم حدیث حاصل کرنے کے لیے دنیا کی خاک چھانتے

تھے، **قُطَّاعُ الْمَسَافَاتِ**"مسافتوں کو پیدل طے کرنے والے ہوتے تھے"**تَارةً بِالعِرَاقِ وتارةً بِالحِجَازِ**" حدیث لینے کے لیے کبھی وہ حجاز جاتے تھے،کبھی عراق جاتے تھے، "**وَتارةً بِالشَّامِ وتارةً بالْيَمَنِ**" کبھی شام جاتے تھے،کبھی یمن جاتے تھے،"**فَهٰؤُلَاءِ نَقَلَةُ الحَدِيْثِ**" حدیث کونقل کرنے والے یہ لوگ ہوا کرتے تھے (۱) جنھوں نے دنیا کی مشقتیں تو اٹھائیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو انھوں نے جمع کیا، سینے سے لگایا۔مبارک باد کے لائق ہیں وہ نوجوان۔

طالبانِ علوم دینیہ کا مقام

نوجوان طالب علمو! اپنی قسمت پہ اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ -رب العزت- نے آپ کو اس دین کے لیے چنا ہے،آپ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے،اللہ -رب العزت-فرماتے ہیں "**ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ**" پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا "**الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا**" جو میرے چنے ہوئے بندے تھے۔(۲) کتاب کے وارث وہی بنتے ہیں جن کا اللہ کے یہاں چناؤ ہوتا ہے۔ یہ خوش نصیب نوجوان ہیں، اگرچہ ظاہر میں معمولی کپڑے ہیں، یہ مشقتیں اٹھاتے ہیں،مگر ان کا مقام اللہ کے سامنے بڑا بلند ہے، ذرا غور کیجیے!

آج مختلف لوگ صبح کرتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ -رب العزت- نے کپڑا رکھ دیا، وہ کپڑے کو کاٹتا ہے، جوڑتا ہے ہم اس کو درزی کہتے ہیں۔

کسی کے سامنے اللہ نے لکڑی کو رکھ دیا، وہ لکڑی کو کاٹتا ہے، جوڑتا ہے، فرنیچر بناتا ہم اس کو کارپینٹر کہہ دیتے ہیں۔

کسی کے سامنے اللہ -رب العزت- نے اینٹ کو رکھ دیا، وہ اینٹ کو دوسری اینٹ سے جوڑتا ہے، وہ مکان تعمیر کرتا ہے، ہم اسے مستری کہتے ہیں۔

---

(۱)البدایہ والنہایہ ترجمۃ المنصور ۱۰ / ۷ ۵۴ (۲) پ:۲۲، سورہ فاطر، آیت:۳۲

کسی کے سامنے اللہ نے لوہے کو رکھ دیا، وہ لوہے کے پرزوں کو کھولتا ہے، پھر لوہے کو جوڑتا ہے، اس سے اس کا گُذران ہوتا ہے، آج کسی کے سامنے کچھ رکھا، کسی کے سامنے کچھ رکھا، عزیز طلبہ! میں سلام کرتا ہوں آپ کی عظمت کو، کہ آپ صبح اٹھتے ہیں، اللہ آپ کی جھولی میں اپنا قرآن رکھ دیتا ہے، آپ کی جھولی میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان رکھ دیتا ہے، آپ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں، اللہ نے آپ کو اس کام کے لیے چن لیا، قیامت کا دن ہوگا، اس وقت اصحابِ صفہ کھڑے ہوں گے، اللہ تعالی پوچھیں گے: میرے بندو! بتاؤ، کیا لے کر آئے؟ اس وقت یہ طلبہ بھی کھڑے ہوں گے، کہیں گے: اللہ! ہم علم و عمل میں ان کے پیچھے تو نہ چل سکے جیسے چلنا چاہیے تھا، مگر میرے مولی ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوششیں تو ہم نے کی تھیں۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس آسرا یہی ہے

ہمارا قیامت کے دن یہی آسرا ہے، اللہ ہمیں طالب علموں میں شمار کر لے۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنے طلبہ کے سامنے ایک حدیث مبارک بیان کرتے تھے، قیامت کا دن ہوگا اللہ کے سامنے علماء وطلباء کھڑے ہوں گے، اللہ فرمائیں گے: **"یا مَعْشَرَ العُلَمَاءِ"** اے علماء کی جماعت! **"لم أَضَعْ عِلْمِيْ فِيْكُمْ لِأَعَذِّبَكُمْ"** میں نے تمہارے سینے کو علم کے نور سے اس لیے نہیں بھرا تھا کہ آج میں دوسروں کے سامنے تمہیں رسوا کروں، آج میں دوسروں کے سامنے تمہارا مؤاخذہ کروں **"فَانْطَلِقُوْا"** جاؤ **"قَدْ بَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ"** میں نے تمہارے گناہوں کو تمہاری نیکیوں میں تبدیل کر دیا۔ (۱) اس دن طلبہ کو پتہ چلے گا کہ اللہ -رب العزت- کی کیا نظر کرم ہوئی اور یہ نسبت کتنی کام آ گئی۔

(۱) کنز العمال، کتاب العلم، قسم الاقوال، ۱۰/ ۵۷، رقم: ۲۸۸۹۶

ہمارے پلے کچھ نہیں ہے، مگر اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھیں گے: میرے بندو! کیا کرتے تھے؟ عرض کریں گے: اللہ! چٹائیوں پر بیٹھتے تھے، گھٹنوں کو دیکھ لیجیے، ٹخنوں کو دیکھ لیجیے جیسے جانوروں کے نشان پڑے ہوتے ہیں، نیچے بیٹھ بیٹھ کے ہمارے نشان پڑ گئے، میرے مولیٰ! بس اسی کو قبول کر لیجیے، ہمارے عملوں کو نہ دیکھیے گا، ہمارے عمل خالص نہیں ہیں، مگر مولیٰ کوشش تو کیا کرتے تھے، میرے مولیٰ! یہ وہ وقت تھا جب لوگ انگریزی تعلیموں کے لیے بھاگتے تھے، کالج اور یونیورسٹیوں کے پیچھے بھاگتے تھے، ہمارے لیے مدرسوں میں جانا بھی طعنہ بنتا جا رہا تھا، اپنے پرائے سب سمجھاتے تھے کہ کن کاموں میں لگے ہوئے ہو، اللہ! یہ وہ وقت تھا مگر اللہ! اس وقت میں ؎

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

اللہ! ہم قرآن کو سینوں سے لگا کے تفسیر کا درس پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے، مولیٰ! بس اسی مناسبت کی لاج رکھ لیجیے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما لیجیے، اللہ تعالیٰ سب طلبہ کو علم نافع عطا فرمائے اور ہمیں قیامت کے دن اپنے اکابر کے قدموں میں جگہ نصیب فرمائے۔

عالمِ ربّانی کی صفات

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ”**كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ**“[1] اس آیت کے شروع میں اللہ نے فرمایا ”**كُونُوا رَبَّانِيِّينَ**“ (بن جاؤ رب والے) تو ذہن میں یہ بات آتی ہے، کہ کیا یہ حکم عام مؤمنین کو ہوا ہے؟ نہیں بلکہ ساتھ ہی اس کی تفصیل بھی بتادی، فرمایا ”**بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ**“ (اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور پڑھاتے ہو) گویا یہ حکم خاص طور پر پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے ہے، ان کو ربِّ کریم کی طرف سے حکم ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ! اس لیے علم کی برکت تب ظاہر ہوتی ہے، جب انسان اللہ والا بن جاتا ہے۔ ورنہ اس دنیا میں بہت لوگ آئے، جنہوں نے ظاہری علم تو بڑا حاصل کیا؛ لیکن اللہ والے نہ بن سکے؛ گمراہ ہو گئے۔

اب دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اللہ والوں کی پہچان کیا ہے؟ علامات کیا ہیں؟ صفات کیا ہیں؟ کہ وہ صفتیں ہم اپنے اندر بھی پیدا کریں، تو اس کی پانچ علامات بتائی گئیں:

طمع بجائے زہد

سب سے پہلی علامت یہ بتائی گئی، کہ اُن میں طمع کے بجائے زہد ہوتا ہے، ”زہد“

(۱) پ:۳، سورۂ آل عمران، آیت:۷۹

کہتے ہیں: لذات دنیا سے بالکل دور رہنا''، دل میں ہوَس نہ ہو، جب دل میں دنیا کی محبت آجاتی ہے، تو پھر بندے کے اوپر نصیحت اثر نہیں کرتی۔

مرد ناداں پے کلامِ نرم ونازک بے اثر

جتنی نصیحت کرتے رہو، ادھر سے سن کر ادھر نکال دیتا ہے۔

چنانچہ یونس علیہ السلام کو اللہ تعالی نے وحی فرمائی:

"يَا يُونُسُ! إِذَا أَحَبَّ الْعَالِمُ الدُّنْيَا نَزَعْتُ حُبَّ مُنَاجَاتِيْ مِنْ قَلْبِهِ"

(اے یونس جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرتا ہے، تو پھر میں اپنی مناجات کی لذت سے اس بندے کو محروم کردیتا ہوں)(۱)

اور جب دل میں ہوس آتی ہے، تو پھر بندہ شریعت کے حکموں کی پیروی نہیں کرپاتا۔ تو اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے، جب تک دل نہیں بدلے گا، اس وقت تک انسان کی سوچ نہیں بدل سکتی۔

اس لیے ہم اپنے دلوں کو صاف کریں، اپنے رب کی یاد اپنے دلوں میں بسائیں، اپنے علم کے نور سے اپنے دلوں کو منور کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو پھر ہمارا علم فائدہ دے گا۔ سوچ کو جب تک پاک نہ کیا جائے، تب تک یہ بندے کی جان نہیں چھوڑتی، یہی تو مصیبت ہے۔ اگر آخری وقت میں یہ سوچیں غالب آگئیں تو کیا بنے گا؟ اس بیماری کو کوئی چھوٹی بیماری نہیں سمجھنا چاہیے، کہ ''کوئی بات نہیں گزارہ ہو رہا ہے''؛ دل پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔ جب تک دل نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آئے گا، تو انسان علم کی حلاوت نہیں پاسکے گا۔ طبیعت کے اندر زھد ہو، اس کو کہتے ہیں ترکِ لذاتِ دنیا۔

اچھا اس کا یہ مطلب نہیں، کہ جو بندہ دل کی لذتوں کو ترک کردے گا، اس کو لذتیں ملتی نہیں؛ اللہ تعالی شاید اس کو زیادہ لذتیں دیتے، ہیں مثلاً دل میں تو حال یہ ہوگا کہ خشک روٹی

(۱) احیاء علوم الدین، ج:۱ص:۶۶ مطبعہ مصطفی البابی الحلبی بمصر

کا ٹکڑا بھی مل گیا،تو بندہ خوش ہو کر کھالے؛لیکن اللہ-رب العزت-دستر خوان پر بیسیوں کھانے لگوادیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ کے پاس حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ تشریف لائے،حضرت اقدس تھانویؒ نے جب ان کے لیے دستر خوان بچھادیا،تو اس پر چالیس سے زیادہ کھانے رکھوائے۔دل کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے،کہ ہمیں لذتیں نہیں چاہییں؛لیکن جو نصیب میں ہے وہ اللہ نے دینی ہیں۔

(۲)عداوت کے بجائے ہمدردی

دوسری علامت یہ ہے کہ عداوت کی بجائے ہمدردی ہو،طبیعت کے اندر عداوت نہ ہو، بلکہ ہمدردی ہو۔محبت بھی اللہ کے لیے اور دل کی ناراضگی بھی اللہ کے لیے۔

"اَلْحُبُّ فِيْ اللهِ والْبُغْضُ فِي اللهِ" (۱)ان کے دل میں ہر ایک کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے،حتی کہ اگر کوئی حسد کرتا ہے، دشمنی کرتا ہے؛تو اس کے ساتھ بھی ان کو دشمنی نہیں ہوتی۔

نبیؑ بڑے حلیم الطبع تھے،تاریخ انسانیت میں اتنا حلم کہیں نہیں دیکھا گیا،جو حلم اللہ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا تھا،ہر ایک کے ساتھ حلم کا معاملہ۔اس بات کو سمجھنے کے لیے تمہیں چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا:رات کا اندھیرا ہے، چٹائی ہے؛اس پر کوئی ہستی سجدے میں پڑی ہے، کہہ رہی ہے:

رَبِّ أُمَّتِيْ!رَبِّ أُمَّتِيْ!

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبیؑ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو جو گرتے تھے، مجھے ایسے لگتا تھا جیسے بارش کے قطرے زمین پر گر رہے ہوں۔(۲) میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

(۱) سنن أبي داود، باب مجانبة أهل الأهواء وبغضهم ۲ / ۶۳۲ رقم:۴۵۹۹ (۲) مثلہ فی سنن النسائی، ۱ / ۱۳۴، رقم: ۱۲۱۴

آنسو اس طرح برستے تھے !!۔ یہ آنسو کیوں گر رہے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ نے دل میں امت کی محبت ڈالی تھی

جو عاصی کو کملی، میں اپنی چھپالے
جو دشمن کو بھی زخم، کھاکر دعادے
اسے اور کیا نام، دے گا زمانہ؟
وہ رحمت نہیں تو، پھر اور کیا ہے؟

یہی حلم ہمارے سب اکابر کی زندگیوں میں رہا۔

یہ ذہن میں رکھیں، کہ علم کے ساتھ ہمدردی سجتی ہے، ساری مخلوق کے ساتھ ہمدردی ہو۔

تو رحمۃ للعالمین کی وراثت اور نیابت پانے کے لیے دل میں یہ رحمت پیدا کرنی ہوتی ہے، ہر ایک کے ساتھ ہمیں ہمدردی ہو، اپنوں سے تو لوگ کرتے ہی ہیں، غیروں سے بھی بھلائی کریں۔ کیا آج ہمارے اندر حلم ہے؟ اگلے بندے کے منہ پر بات پوری نہیں ہوتی، ہم پہلے غصہ میں آجاتے ہیں، ہم پہلے سے ہی آگے سے بولنا شروع کر دیتے ہیں، اور ہم اس کو صفت بتاتے پھرتے ہیں کہ جی! میری طبیعت بڑی جلالی ہے، کبھی سوچا کہ قیامت میں اللہ تعالی نے بھی جلال کا معاملہ کیا جلالی صاحب کے ساتھ، تو کیا بنے گا؟ تو بھئی حلم کا معاملہ کرنا چاہیے، چھوٹی چھوٹی بات پر بولنا چھوڑ دیتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم صوفی تو بن جاتے ہیں، طالب علم تو بن جاتے ہیں، کب تک؟ جب تک سب ٹھیک ہے۔ ذرا سا کسی سے جھگڑا ہو جائے، تو تصوف بھی رخصت ہو جاتا ہے، اور علم بھی چلا جاتا ہے۔ ایسی دینداری کس کام کی؟ کیا دین نے ہمیں یہی سکھایا ہے؟

تو علم کے ساتھ کیا چیز سجتی ہے؟ حلم سجتا ہے۔ آج علم تو ہوتا ہے، مگر حلم نہیں ہوتا۔ اللہ -رب العزت- سے علم بھی مانگنا چاہیے، اور حلم بھی مانگنا چاہیے۔

✼ عمرو بن حارثؒ فرماتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا كَتَبَ إِلٰى أَخٍ لَّهُ: اِعْلَمْ أَنَّ الْحِلْمَ لِبَاسُ الْعِلْمِ فَلَا تَعْرَيَنَّ مِنْهُ

''ایک بندے نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور کہا: حلم، علم کا لباس ہے، اپنے علم کو کبھی ننگا نہ کرنا۔''(۱)

عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں

مَا أُوْوِيَ شَيْءٌ إِلٰى شَيْءٍ أَزْيَنَ مِنْ حِلْمٍ إِلٰى عِلْمٍ

''کسی بندہ کو کوئی چیز اس سے زیادہ اچھی نہیں ملی کہ اس کو علم کے ساتھ اللہ تعالی حلم عطا فرمادیں۔''(۲)

(۳) تکبر کے بجائے تواضع

تیسری علامت یہ ہے کہ طبیعت کے اندر تکبر کے بجائے تواضع ہو۔ ''جس شاخ پر جتنا پھل لگا ہوتا ہے، وہ شاخ اتنی ہی جھکی ہوتی ہے۔'' چنانچہ جس کے اندر جتنی زیادہ عاجزی ہوگی، وہ اتنا زیادہ علم حاصل کرنے والا بنے گا۔ آپ نے پانی کو دیکھا ہوگا کہ جدھر جھکان ہوتی ہے ادھر کو زیادہ بہتا ہے، علم بھی اس پانی کی طرح ہے جس میں عاجزی زیادہ ہوتی ہے، استاذ کے دل سے اس کی طرف زیادہ جاتا ہے۔ تو طالب علم کو عاجزی سجتی ہے؛ اسی لیے حضرت مجاہدؒ کا قول ہے فرمایا کرتے تھے **((لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ))** ''جو حیا کرتا ہے اس کو بھی علم نہیں ملتا اور جو متکبر بن کے رہے اس کو بھی علم نہیں ملتا۔''(۳) یہ تواضع بڑی عجیب نعمت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ - رحمۃ اللہ علیہ - کی تواضع

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اندر بڑی تواضع تھی، ان کی والدہ ایک بزرگ حضرت ابوزرعہ سے مسئلہ پوچھ کرتا تھیں؛ کیوں کہ وہ بڑی عمر کے تھے۔ وہ کئی مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کہتیں، کہ مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے مجھے ابوزرعہ کے پاس لے جاؤ، چنانچہ امام صاحب

(۱) شعب الایمان ۲/۳۰۰رقم:۱۸۵۴ (۲) جامع بیان العلم وفضلہ ص:۱۷۱ (۳) صحیح بخاری باب الحیاء فی العلم ۱/۳۶

ان کو اونٹ پر سوار کراتے اور لے کر ان کے پاس جاتے۔

اب ان کی والدہ بڑھاپے کی وجہ سے ذرا اونچا سنتی تھیں، اس لیے وہ حضرت کو بتاتے کہ، میری والدہ یہ مسئلہ پوچھنا چاہتی ہیں، وہ آگے سے کہتے کہ اس مسئلہ کا جواب تو آپ ہی بتا دیجیے اس طرح امام صاحب ان کے مسئلہ کا جواب بتا دیتے، اور وہ اونچی آواز سے ان کی والدہ کو مسئلہ سنا دیتے۔ امام صاحب پوری زندگی اپنی والدہ کو لے جاتے رہے اور ان کو یہ ظاہر نہ کیا، کہ امی! آپ کو جو مسئلہ کا جواب دینے والے ہیں وہ مجھ سے جواب پوچھ کر آپ کو بتایا کرتے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ میری والدہ کی تسلی ان سے مسئلہ پوچھنے سے ہوتی ہے؛ لہذا جب انہی کی زبان سے سن لیں گی، تو میری والدہ کو سکون ملے گا، تسلی ملے گی؛ لہذا انہوں نے ساری زندگی اس بات کو چھپائے رکھا۔ ان کی اس تواضع کو اللہ تعالی نے اتنا پسند کیا کہ ان کو ''امام اعظم'' کے نام سے دنیا میں شہرت عطا فرمادی۔

ایک نکتہ کی بات سنیے کہ علم کے سامنے فرشتے بھی جُھک گئے۔ جو طالب علم طلبِ علم کے لئے نکلتا ہے، اس کے سامنے پاؤں کے نیچے جو فرشتے پر بچھاتے ہیں، وہ اسی علم کے سامنے جھکنے کی وجہ سے ہے، تو فرشتے علم کے سامنے سرنگوں۔

انبیاء بھی علم کے سامنے سرنگوں اور علم کے سامنے دنیا کے بادشاہ بھی سرنگوں ـــــ کتنے ہی بادشاہوں کے واقعات ہیں کہ، علم کے سامنے جھکتے رہے ـــــ تو بھئی! طالب علم کو بھی سرنگوں ہونا پڑے گا۔ جو سر اٹھا کے رہے گا، پھر اس کو علم کیسے ملے گا؟

(۴) ریا کے بجائے اخلاص

چوتھی چیز ریا کے بجائے اخلاص، ان کی طبیعتوں میں اخلاص ہوتا ہے، وہ جو بھی کرتے ہیں اللہ - رب العزت - کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

اخلاص سے برکت زیادہ

جس عمل میں خلوص ہو، اس عمل میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔ امام مالکؒ نے ''موطا''

کتاب لکھی، اسی وقت ایک اور عالم تھے، انہوں نے بھی ''مؤطا'' کے نام سے کتاب لکھی، ان کی کتاب سے بھی زیادہ بڑی اور موٹی لکھی۔ تو کسی نے آکر امام مالک سے کہا: کہ جی! انہوں نے ''مؤطا'' لکھی ہے، اور بڑی کتاب ہے، تو اس ''مؤطا'' کی کیا ضرورت تھی؟ تو انہوں نے آگے سے جواب دیا:

مَا كَانَ لِلّٰهِ يَبْقِيَ (جو اللہ کے لیے ہے وہ باقی رہے گی)[1]

جو عمل اللہ کی رضا کے لیے ہوگا، اللہ تعالی اس عمل کو ہمیشہ کے لیے دوام عطا فرمائیں گے؛ چنانچہ دوسری کتاب کا آج پتہ ہی نہیں، اور امام مالک کی جو ''مؤطا امام مالک'' ہے اس کو آج ہر طالب علم دورۂ حدیث میں پڑھا کرتا ہے۔

(۵) شک کے بجائے یقین

اور پانچویں چیز یہ ہے کہ شک کے بجائے یقین ہو۔ ایک آدمی سانپ کو دیکھ کر دور بھاگتا ہے؛ کیوں کہ اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے، کہ اگر سانپ ڈس لے، تو اس کے زہر کی وجہ سے وہ موت کا شکار ہوجاتا ہے، اسی طرح جب دین پر یقین پختہ ہوجاتا ہے تو انسان گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا، کیوں کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کا خطرہ ہے۔ ہمارے اکابر اللہ کی ذات پر یقین اور بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے اسی یقین کی بدولت اللہ تعالی ان کو سب نعمتیں عطا فرماتے تھے۔ اگر ہمیں بھی اللہ کے وعدوں کے سچا ہونے کا یقین ہوجائے، تو ہماری زندگی میں بھی بہار آجائے، حضرت مرشد عالَم -رحمۃ اللہ علیہ- فرمایا کرتے تھے:

''تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں ہو پریشان؟

ترے ہاتھ میں ہو قرآن، اور تو دنیا میں رہے ناکام؟

ترے ہاتھ میں ہو قرآن، اور تو دنیا میں رہے غلام؟

---

(۱) تدریب الراوی ۱/۴۱

غلامی، نفس کی ہو، شیطان کی ہو۔ یا کسی انسان کی ہو؛ نا، نا

ہمیں کہتا ہے یہ قرآن، اے میرے ماننے والے مسلمان!

اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَم

تو پڑھ قرآن، تیرا رب کرے گا تیرا اکرام [۱]

تیرا رب تجھے عزت و وقار دے گا، تیرے ظاہر اور باطن کو نکھار دے گا۔''

اللہ - رب العزت - ہمیں بھی عالم باللہ بننے کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

---

(۱) پ: ۳۰ سورۃ العلق آیت: ۳

طلبہ کے لیے ذکر وسلوک کی ضرورت

علم اور ذکر کا جوڑ

دو لفظ ہمیشہ اکٹھے بولے جاتے ہیں: ایک تعلیم و تربیت اور دوسرا علم و ذکر اگر انسان کے پاس فقط علم ہو، تو انسان کے اندر تکبر آ جاتا ہے، ''میں'' آجاتی ہے، جسے ''زعمِ علم'' کہا جاتا ہے، اس کے اندر تکبر پیدا کر دیتا ہے۔ یہود کا حال دیکھیے! یہ پچھلی امتوں میں علم والی امت گزری ہے، علم کی نسبت ان کے اندر غالب تھی؛ لیکن ان میں ''میں'' آ گئی تھی، ان کے اندر تکبر آ گیا تھا، چنانچہ **وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ** ''اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق'' [1] انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنا تو اور بات ہے، یہ اُن کو ناجائز طور پر قتل اور شہید کر دیا کرتے تھے!! حالاں کہ علم غالب تھا؛ مگر حالت یہ تھی۔

اگر فقط علم ہو تو یہ انسان کو متکبر بنا دیتا ہے؛ حتی کہ انسان اپنے نفس کا پجاری بن جاتا ہے، اسی لیے اللہ - رب العزت - نے قرآن میں فرمایا: **أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ؟** ''کیا دیکھا آپ نے اُسے، جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا؟'' [2] اور آگے کیا فرمایا: **وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ** ''اور علم کے باوجود اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا''

---

(۱) پ: ۴، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۱۲ (۲) پ: ۲۵، سورۃ الجاثیہ، آیت: ۲۳

یہاں علم کا تذکرہ اس لیے کیا کہ صرف علم ہو، تو انسان کو خواہشات کا پجاری بنا دیتا ہے، پھر وہ بندہ اپنی مرضی کے اجتہاد کرتا پھرتا ہے۔

خالص ذکر کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا، چنانچہ عیسائیوں کے اندر ''ذکر'' کی نسبت غالب تھی؛ اسی لیے عبادت خانے بنا کر تنہائی کے ماحول اور خانقاہ میں رہتے تھے؛ مگر وہ بھی راستے سے بھٹک گئے، اُن میں بدعتیں آ گئیں۔ معلوم یہ ہوا کہ ''نمٹ عشق'' ہو تو وہ بدعت سکھاتا ہے، اور ''نمٹ علم'' تکبر سکھاتا ہے۔ ''علم''، ذکر والوں کو متوازن رکھتا ہے، بدعات سے بچاتا ہے اور ''ذکر'' علم والوں کے اندر حلم پیدا کر دیتا ہے۔ تو ''علم و ذکر'' کا ایک قدرتی جوڑ ہے۔ اس لیے حضرت مولانا الیاس صاحب - رحمۃ اللہ علیہ - نے جب چھ نمبر مرتب کیے، تو ہر نمبر ایک ایک رکھا؛ لیکن ''علم و ذکر'' دونوں لفظوں کو جدا نہیں کیا، اس لیے کہ یہ لازم وملزوم تھے، ایک دوسرے کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

علماء دیوبند ''مرج البحرین'' تھے

ہمارے اکابرین علماء دیوبند کے اندر یہ خصوصیت تھی، کہ اللہ تعالی نے انہیں ''مرج البحرین'' بنایا تھا۔ ایک ہی وقت کے اندر ان میں علم کی نسبت بھی تھی، ذکر کی نسبت بھی تھی: چنانچہ یہ اکابرین جب مسندِ ارشاد پر بیٹھتے، تو جنید بغدادی اور بایزید بسطامی نظر آیا کرتے تھے اور جب کبھی مسند حدیث پر بیٹھتے تھے تو عسقلانی اور قسطلانی کی یادیں تازہ کر دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں نسبتیں اللہ نے دی تھیں، اس وجہ سے پھر اللہ کے مقبول بندے بنے اللہ نے پھر ان کا فیض پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

آج بھی اگر آپ دار العلوم دیوبند جائیں، تو آپ میاں عابد حسینؒ کا کمرہ علیحدہ پائیں گے، حضرت حاجی صاحبؒ کا کمرہ علیحدہ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا کمرہ علیحدہ؛ بھئی! یہ چھوٹے چھوٹے کمرے کیوں بنے ہوئے ہیں؟ کہنے لگے کہ وہ یہاں بیٹھ کر ''اللہ اللہ'' کیا کرتے تھے۔

یہ عاجز ''تھانہ بھون'' حاضر ہوا تھانہ بھون کے جو سجادہ نشیں اور مہتمم تھے، عالم تھے، وہ فرمانے لگے، کہ ہم نے آپ کے سونے کا انتظام کر دیا ہے؛ چنانچہ وہ مجھے ایک چھوٹے سے کمرہ میں لے گئے کہ یہاں سو جائیں، میں نے ذرا دیکھا-ایسے ہی کہ بندہ دیکھتا تو ہے-وہ کہنے لگے، کہ یہ کمرہ اصل میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا تھا، آج آپ کے آنے کی وجہ سے ہم نے اس کو کھولا، اور آپ کا بستر یہاں لگوایا۔ تو آج بھی ان مشائخ کی وہ جگہیں موجود ہیں۔

کیا آج کے طلبہ کو اس کی ضرورت نہیں؟

اگران اکابرین کو خلوت کی ضرورت پڑتی تھی تو کیا آج کے طالب علموں کو اس کی ضرورت نہیں ہے؟ ذکر کو اہم نہ سمجھنے کی وجہ سے معمولات ہی نہیں کرتے، اکثر طلبہ سے پوچھیں کہ مراقبہ کرتے ہیں؟ تو کہتے ہیں، جی وقت ہی نہیں ملتا۔ وقت تو ملتا ہے؛ اصل میں دل میں اس کی اہمیت نہیں ہے، وہ اس کو نفلی سا کام سمجھتے ہیں، فارغ بندہ جس کو کوئی کام نہیں ہے وہ یہ کرے، نہیں؛ یہ ایسا نہیں ہے، اس سے تزکیہ ملتا ہے، یہ اوراد و وظائف نہ کئے جائیں، تو تکبر سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ جو ''ت ک ب ر'' ہے یہ اندر سے نہیں نکلتا، بندہ جتنا علم حاصل کر لے علم کے باوجود یہ ہوتا ہے، اس سے جان چھڑانی ایک مصیبت ہے۔ اس کے بالمقابل تواضع ہے، اور تواضع کا حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اب کیسے حاصل کریں؟ یہی اسباق، یہی سلوک، یہی طریقہ، کبر سے جان چھڑانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ذرا اپنے آپ کو مٹا کر تو دیکھیے، پھر دیکھنا کہ خوش بختی کس طرح قدم چومتی ہے؟ نفس بہانے ڈھونڈھتا ہے، نفس حجتیں بناتا ہے، وہ اپنے اوپر پابندیاں برداشت نہیں کر سکتا، حالاں کہ اس نفس کو مٹانے میں ہی انسان کی عافیت ہے۔

ذرا اللہ تعالی کے سامنے جُھک دیکھیے پھر دیکھنا اللہ-رب العزت-کیسے قدردانی فرماتے ہیں۔

صد کتاب وصد ورق در نار کن
جان ودل را جانبِ دل دار کن

سو کتابوں اور سو ورق کو تو آگ میں ڈال دے، اور جان ودل کو اپنے محبوب کے حوالے کردے، پھر تمہیں محبوب حقیقی کے وصل کا جام نصیب ہوگا۔

جو بندہ اپنے اندر سے باطنی بیماریوں کو دور کرنا چاہتا ہے، اسے یہ ذکر ومراقبے کرنے پڑیں گے، آزما کر دیکھ لیجیے، محبت الٰہی میں خود آپ کو ترقی محسوس ہوگی، ورنہ طلباء کے لیے عبادات کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

ایک طالب علم بتانے لگے، کہ جب سے میں نے دورہ مکمل کیا اتنے سال گزر گئے، اب تک میں نے ایک مرتبہ بھی پورا قرآن پاک ترتیب سے نہیں پڑھا!! دورہ کئے ہوئے کئی سال گزر گئے، پڑھتے ہیں، کبھی کہیں سے کبھی کہیں سے؛ لیکن ترتیب سے ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھا۔

ایک طالب علم بیعت ہوئے، — میں تو اُن کو طالب علم ہی کہوں گا — ان کو دورۂ حدیث کیے ہوئے نو سال گزر چکے تھے، حافظ قرآن تھے؛ مگر غفلت کی زندگی ایسی کہ بیعت ہونے کے بعد کہنے لگے کہ نو سال کے بعد پہلی دفعہ میں نے رمضان میں قرآن مجید پڑھا ہے!! ایسی بھی غفلت ہوتی ہے۔

عبادت کے ساتھ مناسبت ہی نہیں۔ تو بھئی! یہ عبادت کا شوق وذوق پیدا ہو جائے، اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں، شہوات دور ہوں، انسان کو حیاء اور پاکدامنی کی زندگی نصیب ہو جائے؛ ان کیفیات کو حاصل کرنے کے لیے یہ ذکر واذکار کرنے پڑیں گے، ''منگورہ'' میں ایک بزرگ سے میری ملاقات ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں فرمانے لگے: جب اپنے پیرو مرشد سے بیعت ہوا تھا، اس کو آج پینتالیس سال گزر چکے، انہوں حکم دیا تھا کہ قرآن پاک کا ایک پارہ روزانہ پڑھنا، پینتالیس سال میں ایک دن بھی وہ پارہ قضاء

نہیں ہوا!! یہ لوگ ابھی زندہ ہیں۔

ان معمولات کو کر کے پھر وہ نعمتیں ملتی ہیں، کہ جن کی تمنا میں انسان پوری زندگی گزارے، تو بھی تھوڑی ہے، تو اس ذکر وسلوک کو فقط یہ نہ سمجھیں، کہ بس سر جھکا کے بیٹھ گئے تو یہ مراقبہ ہو گیا، نہیں، یہ تو پہلا قدم ہے۔ کچھ ہمارے اوراد و وظائف ہیں، جو انسان بیعت ہوتا ہے، اس کو چھ باتیں سمجھائی جاتی ہیں: (۱) وقوفِ قلبی (۲) مراقبہ (۳) درود شریف (۴) قرآن پاک (۵) استغفار (۶) صحبت شیخ۔

طالب علم کتنا مراقبہ کرے؟

ایک باغ سے ذرا اس کی بہار کا اندازہ لگاؤ، کہ اس کی بہار کیسی ہو گی؟ اگر ایک طالب علم ہے، تو اس کو کئی گھنٹوں مراقبہ کرنے ضرورت نہیں۔ دورانِ سال وہ کیا کرے؟ وہ ہر نماز میں چند منٹ پہلے آنے کی عادت ڈالے۔ یہ تو اب کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ ہر مدرسہ میں اذان کے وقت چھٹی ہو جاتی ہے، جو چاہے کلاس ہو رہی ہو۔ تو پندرہ بیس منٹ ہوتے ہیں نا؟ اگر اس وقت کو ضائع کرنے کے بجائے وضو کر کے مسجد میں پہنچ جائیں، سنتیں بھی ادا کریں، سنتوں اور فرضوں کے درمیان پانچ منٹ، سات منٹ، دس منٹ؛ جو چند منٹ ہیں اگر طالب علم اس میں بیٹھ کر مراقبہ کرلے گا، تو اللہ تعالی اس کے من کو روشن فرمادیں گے، اب یہ کونسا مشکل کام ہے؟ اگر طالب علم کہے، کہ میرے پاس فرصت نہیں؛ بھئی! نماز تو پڑھنی ہے، چاہیں تو وقت نکال سکتے ہیں۔

ہوتا کیا ہے، کہ اذان ہو گئی، کہ مسجد میں آگئے، اور جہاں جوتے پڑے ہیں، وہاں کھڑے ہو جاتے ہیں، اور گھڑی دیکھ کر کہتے ہیں: ''ابھی ایک منٹ باقی ہے''۔ اب یہ جوتوں پہ کھڑے ہو کر پندرہ منٹ گزار رہے ہیں، اور گھڑی دیکھ کر کہتے ہیں، ابھی جماعت میں ایک منٹ باقی ہے۔ تو کیا اس وقت کو ضائع ہونا چاہیے؟ نماز اور سنتوں کے وقت کی ہی پابندی کرتے رہیں، تو تسبیحات بھی ہو جاتی ہیں اور مراقبہ بھی ہو جاتا ہے۔

اچھا! یہ بتائیں، کہ سو مرتبہ درود شریف پڑھنا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ وقت بھی ہوتا ہے، کر بھی سکتے ہیں؛ مگر نفس بنا رہا ہوتا ہے۔ اس لیے آج سے اپنے دلوں میں ارادہ کر لیجیے، کہ ہم نفس کو بہانے بنانے کی اجازت نہیں دیں گے اپنے معمولات پر ہم روزانہ پابندی سے عمل کریں گے، کھانا تو قربان کر دیں گے اپنے معمولات کو قربان نہیں ہونے دیں گے۔

اگر آپ نے یہ معمولات باقاعدگی سے کرنے شروع کر دیے تو یقینا اس دوائی کا اثر آپ دیکھیں گے، جیسے بندے کو دو ضرب دو، چار کا پکا یقین ہوتا ہے، اس عاجز کو اس سے بھی بڑھ کر یقین ہے، کہ جو بندہ اِن معمولات کی پابندی کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے دل کی دنیا کو یقینا بدلتے ہیں۔ اور یہ بات کرتے ہوئے عاجز کے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ اتنے یقین سے یہ بات کہتا ہوں یہ ایسے اسباق ہیں، جو بندہ بھی ان کو کرنا شروع کرے گا، اس کے من کی حالت ضرور بدلے گی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تبدیلی نہ آئے، ممکن ہی نہیں۔ یہ کوئی نئی گولی نہیں نکلی، کہ آج ٹیسٹ ہو رہی ہے، کروڑوں لوگوں نے اس کو استعمال کیا، اور شفا پائی۔ یاد رکھیے! کہ ہمارے مشائخ کی یہ محنت کوئی معمولی چیز نہیں ہے، یہ بڑی مقبول ہستیوں کی بتائی ہوئی محنت ہے، انہوں نے اللہ -رب العزت- کی پسندیدہ زندگی گزاری۔ اور اس کے سامنے سالہا سال تہجد کے وقت رو رو کے مانگا کہ اے مالک! ہمیں وہ طریقہ بتا دے، جس سے تیری یاد ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے۔ ان کی تقوی وطہارت کی زندگیوں پر خوش ہو کر، پروردگار نے ان کے سامنے یہ طریقے کھول دیے۔ یہ اوراد وظائف ہوتے ہیں۔

طالب علموں کی پریشانی کا حل

طلباء اپنے آپ سے بہت تنگ ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو بدلیں، تو ان کا حل یہی ہے، کہ وہ ان اوراد و وظائف کو پابندی سے کریں، اللہ تعالی ان کے دل کی حالت کو بدل دیں گے۔ کب تک ہم نفس کے غلام بنے پھریں گے؟ کب تک ہم شیطانی خواہشات کو پورا کرتے رہیں گے؟ دوغلا پن کب تک رہے گا؟ معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ

ہے، بندہ کے ساتھ تو نہیں، کہ ہم دھوکہ دے جائیں گے، علیم وقدیر کے ساتھ معاملہ ہے۔
آپ ان اوراد و وظائف کی خوب پابندی فرمائیے گا؛ تاکہ اللہ-رب العزت- ہمارے قلب کی سختی کو دور فرمائیں، غفلت کو دور فرمائیں، اور ہمیں قلب میں اپنی یاد والی زندگی نصیب فرمائے۔

اللہ وہ دل دے جو تیرے عشق کا گھر ہو
دائمی رحمت کی تیری اس پہ نظر ہو
دل دے کہ تیرے عشق میں یہ حال ہو اسکا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ خبر ہو

اللہ-رب العزت-ہمیں ایسا دل عطا فرمادیں۔

لمحۂ فکریہ

آج ہماری یہ حالت بن چکی ہے، کہ، ہماری آنکھیں کُھلی رہتی ہیں، گردن تنی رہتی ہے، ہم دوسروں کے چہروں پر نظر ڈالتے ہیں، اور ان کے عیب ٹٹولتے پھرتے ہیں۔
اے کاش! یہ گردن جُھک جاتی، یہ آنکھیں بند ہوتیں، اور یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں!!
ایک وقت تھا کہ یہ مومن نوجوان رات کے آخری پہر میں اٹھتا تھا، ''لا الہ الا اللہ'' کی ضربیں لگاتا تھا، اور اس کے سینے میں دل کانپتا تھا۔ وہ سسکیاں لے لے کر روتا تھا، اپنے رب کو مناتا تھا، اس کے آنسوؤں سے دامن تر ہو جاتا تھا!!
آج وہ چہرے نظر نہیں آتے!!!! اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر کی انگیٹھی ٹھنڈی ہو چکی ہے، ہمارے اندر کا انسان کہیں گم ہو گیا ہے، وہ کہیں کھو گیا ہے، کہیں سو گیا ہے، اُسے جگانے کی ضرورت ہے، ہمیں اپنے من کی دنیا کو بنانا ہے، اپنے من کی دنیا کو بسانا ہے اور اپنے اعمال پر محنت کرنی ہے۔
آج اللہ کی زمین بھی تلاش کرتی ہے، کہ کہاں گئے وہ لوگ جو اتنے خلوص سے سجدہ کرتے تھے، کہ زمین بھی کانپ اٹھتی تھی؟

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی، تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں ؟!

ہمارے دل سِل بن چکے ہیں، پتھر بن چکے ہیں، ان کو موم کرنے کی ضرورت ہے۔

وصول الی اللہ کے لیے تین قدم

''وصول الی اللہ'' کا راستہ تین قدم ہے۔ جب تک تینوں قدم نہیں اٹھیں گے، اس وقت تک منزل پر نہیں پہنچیں گے۔

پہلا قدم.... علم

اس میں پہلا قدم، علم کا حاصل کرنا ہے۔

بے علم نتواں خدا را شناخت

یعنی بے علم انسان اپنے پروردگار کو نہیں پہچان سکتا، گویا علم اس راستے کی ضرورت ہے۔ ہم اُس تصوف کے قائل نہیں، جو علم سے انسان کو روکتا ہو۔

فرمایا گیا: کہ علم ایک روشنی ہے۔ اس کے برعکس دیکھا جائے، تو جہالت اندھیرے کی مانند ہے۔ جس طرح روشنی کے بغیر راستہ نظر نہیں آتا، اسی طرح علم کے بغیر انسان کو شریعت کے راستے کا پتہ نہیں چلتا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کہ ہم دو دوست تھے، اور دونوں سلوک میں ایک ہی جذبے کے ساتھ لگے، اس دوست سے میں اس لیے آگے بڑھ گیا، کہ اللہ- رب العزت- نے مجھے دوسرے سے علم زیادہ عطا کیا تھا۔ جی ہاں! زیادہ علم والا جب اس راستے پر چلتا ہے، تو بلندیاں بھی زیادہ پایا کرتا ہے؛ اس لیے کہ جیسے گدھا اور گھوڑا برابر نہیں ہوسکتے، اسی طرح عالم اور جاہل بھی برابر نہیں ہوسکتے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: کہ ''اگر نیک نیت ہو، تو طالب علم سے افضل کوئی نہیں۔''

جی ہاں! حقیقت بھی یہی ہے۔

طلبہ کی فضیلت پر روشنی ڈالنے کے لیے ایک دو واقعات عرض کرتا چلوں....

طلبہ کی دعوت، نبی-علیہ السلام- کی دعوت

سائیں توکل شاہ انبالوی-رحمۃ اللہ علیہ- کا دسترخوان بہت وسیع ہوتا تھا، وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ کی مخلوق کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اُن کی طرف سے اِذنِ عام تھا کہ جو آئے، کھانا کھائے؛ چنانچہ غریب، یتیم، مسکین اور نادار لوگ آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے تھے۔ اُن کو ایک مرتبہ خواب میں نبی-علیہ السلام- کی زیارت نصیب ہوئی، تو نبی اکرم-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے ارشاد فرمایا: ''توکل شاہ! تم اللہ کی دعوت تو روزانہ کرتے ہو؛ لیکن تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی۔'' اس کے بعد اُن کی آنکھ کھل گئی، وہ بڑے پریشان ہوئے کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے؟ چنانچہ انہوں نے رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگیں کہ پروردگارِ عالم! اس خواب کی حقیقت کو واضح فرمادے؛ بالآخر اُن کے دل میں ڈالا گیا، کہ تم اللہ کی مخلوق کو اللہ کے لیے ہر روز کھلاتے ہو؛ مگر تم نے میرے نبی-علیہ السلام- کے وارثوں؛ یعنی علماء طلباء اور قرّاء کو اپنے دسترخوان پر، اہتمام کے ساتھ کبھی نہیں بُلایا؛ اس لیے فرمایا: کہ تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی، چنانچہ انہوں نے شہر بھر کے علماء طلبہ اور قرّا کی دعوت کی، اور پھر یہ سمجھے کہ، گویا میں نے نبی-علیہ السلام- کی دعوت فرمادی ہے۔

طالب علم کی دعا کی برکت

سلطان محمود غزنوی کے دل میں تین باتیں کھٹکتی تھیں: ایک بات تو یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ میں سبکتگین کا بیٹا ہوں۔ اور سبکتگین تو پہلے بادشاہ نہیں تھا؛ بل کہ ایک فوجی تھا، پھر بادشاہ بنا۔ کیا میری نسبت صحیح ہے، یا کچھ اور ہے؟

....دوسری بات یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ، دین کے مختلف شعبے ہیں؛ لیکن سب سے

افضل اور بہترین شعبہ کون سا ہے؟ یعنی امت میں سے جو سب سے اعلی لوگ ہیں، وہ کون ہیں؟

.... تیسری بات یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ مجھے بڑے عرصے سے نبی-علیہ السلام-کی زیارت نصیب نہیں ہوئی؛ اس لیے مجھے زیارت نصیب ہو جائے۔

ایک مرتبہ وہ گلی میں راؤنڈ کر رہے تھے۔ انہوں نے باہر آکر ایک طالب علم کو کسی روشنی میں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا: کہ تم مسجد میں کیوں نہیں پڑھتے؟ اُس نے کہا: کہ مسجدوں کے اندر روشنی کا انتظام نہیں ہے، یہ ایک بندے کے گھر کے باہر روشنی جل رہی ہے؛ اس لیے میں یہاں بیٹھ کر مطالعہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: بچے! تم جاؤ اور میں آج کے بعد تمہارے لیے روشنی کا انتظام کروادوں گا۔ جب طالب علم نے روشنی دیکھی، تو اُس نے دُعا کر دی، کہ اے اللہ! اس بندے کی مرادیں پوری کر دے! چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی گھر آئے، تو اُن کو نبی-علیہ السلام-کی زیارت ہوئی اور آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے ارشاد فرمایا: ''اے سبکتگین کے بیٹے! تو نے میرے وارث کی عزت کی، اللہ تعالی تجھے دنیا اور آخرت میں عزتیں عطا فرمائے''۔

سبحان اللہ! اس طالب علم کی دعا کی برکت سے سلطان محمود غزنوی کی تینوں مرادیں پوری ہو گئیں: ایک تو انہیں نبی-علیہ السلام-کی زیارت نصیب ہوگئی۔ دوسرا، ان کے دل میں اپنے نسب کے بارے میں جو چھوٹی موٹی باتیں تھیں، وہ ختم ہو گئیں۔ تیسرا اُن کو یہ پتہ چل گیا کہ علماء کرام ہی نبی-علیہ السلام-کے وارث ہیں اور یہی لوگ دوسروں سے افضل ہیں۔

دوسرا قدم..... عمل

اللہ-رب العزت-جسے علم عطا فرمائیں، وہ بڑا خوش نصیب انسان ہے، کہ ایک قدم تو اسے سلوک کے راستے پر اٹھانے کی توفیق عطا فرمائی؛ لیکن یاد رکھیں! کہ، ابھی کام ختم

نہیں ہوا؛ بلکہ ابھی کام شروع ہوا ہے، اس سے اگلا قدم ہے ''عمل کرنا'' آپ دیکھیں گے کہ جن حضرات کا اپنے علم پر عمل نہیں ہوتا، وہ تھوڑے ہی عرصے میں علم سے خالی ہو جاتے ہیں، فقط علم کا نام رہ جاتا ہے؛ مگر علم کی حقیقت ان کے دلوں سے اٹھالی جاتی ہے۔ گویا علم مہمان ہوتا ہے، جب تک کہ عمل کی شکل میں نہ ڈھل جائے، ''علماء راسخین'' تب بنتے ہیں، جب اِس علم پر ان کا عمل ہو جاتا ہے۔

کائنات کی جتنی سعادتیں ہیں، اللہ تعالی نے ان کو اس آیت میں بھر دیا ہے: **مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ ،وَالشُّهَدَاءِ،وَالصَّالِحِينَ** (۱) نبیین اور صدیقین دونوں کا علم سے تعلق زیادہ ہے، ایک نبوت کا دعوی کرنے والے اور دوسرے دعوی کی تصدیق کرنے والے، شہداء، اور صالحین کا عمل سے زیادہ تعلق ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے کائنات کی تمام تر سعادتوں کو علم وعمل میں سمو دیا ہے۔ جب علم بغیر عمل کے ہوتا ہے، تب بھی نقصان دیتا ہے۔ اور جب عمل بغیر علم کے ہوتا ہے، تب بھی نقصان دیتا ہے۔

ملکۂ بلقیس کا تخت کون لایا تھا؟

یاد رکھیے! کہ جب علم پر عمل ہوتا ہے، تو یہ ایک قوت بن جاتی ہے، اس کی دلیل کے لیے قرآن پاک سے دو واقعات بیان کر دیتا ہوں: ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کا، کہ آپ نے اپنے ماننے والوں سے فرمایا: کہ ملکۂ بلقیس کا تخت کون اٹھا کر لائے گا؟ اللہ کا ایک بندہ آصف بن برخیا اس وقت کھڑا ہوتا ہے، بھلا یہ کون تھا؟ قرآن میں اس کے بارے میں فرمایا: **قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ.** جس کے پاس کتاب کا علم تھا، کھڑے ہوئے، اور اللہ نے ان کو علم وعمل اور معرفت کا نور عطا کیا تھا، اس کی بنیاد پر کہنے لگے: **أَنَا اٰتِيْکَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْکَ طَرْفُکَ** میں آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں، اس سے پہلے، کہ آپ اپنی پلک کو جھپکیں۔ (۲) سبحان اللہ، سبحان اللہ! جہاں ''عفریت'' بھی کوئی

(۱) پ:۵، سورۂ آل عمران، آیت:۶۹ (۲) پ:۱۹، سورۃ النمل، آیت:۴۰

کام کرنے سے بے بس ہو جاتے ہیں، وہاں ایک اہل علم کھڑا ہوتا ہے۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ (۱) جب پلک جھپک کر دیکھا، تو تخت سامنے موجود تھا، فرمانے لگے: یہ تو میرے رب کا فضل ہے، تو معلوم ہوا کہ جس علم پر انسان عمل کر لیتا ہے، وہ اللہ کا فضل بن جاتا ہے۔

علم وعمل کی بدولت فرش سے عرش پر

دوسرا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کا، کہ جب آپ کو علم حاصل نہیں ہوا تھا، تو اس وقت مصر کے بازار میں ایک بکاؤ مال کی طرح آپ کی قیمت لگ رہی تھی؛ لیکن جب اللہ نے آپ کو علم عطا کیا اور اس علم پر آپ کا سو فیصد عمل ہوا، تو اللہ-رب العزت- نے آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا۔ اور آپ کے بھائی جو علم پر عمل نہ کر سکے، وہ جانتے تھے کہ اگر ہم یوسف کو قتل بھی کر دیں گے، تو یہ زیادتی ہوگی؛ مگر چوں کہ دل میں حسد تھا؛ اس لیے کہنے لگے: **اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ** (۲) کہ اس کو قتل کر کے اس کا معاملہ نمٹا دو، اور بعد میں توبہ کر کے نیک بن جائیں گے، بہر حال انہوں نے نفس کی مانی اور ایک کنویں میں پھینک دیا۔ معلوم یہ ہوا کہ جو آدمی علم پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے: کہ گناہ تو میں کروں گا، بعد میں توبہ کر لوں گا، اس کا معاملہ حضرت یوسف-علیہ السلام- کے بھائیوں والا ہے۔

ہر دور میں اور ہر زمانے میں یوسف کے بھائیوں کی طرح جو آدمی توبہ کی امید پر گناہ کرے گا، اس کو فرش پر کھڑا کیا جائے گا اور جو یوسفؑ کی مانند گناہوں سے بچ کر زندگی گزارے گا، اللہ-رب العزت- اسے تاج وتخت عطا فرمائیں گے۔ اِدھر بھی نبی زادے تھے اور اُدھر بھی نبی زادے؛ مگر عمل کی وجہ سے رتبہ میں فرق پڑ گیا کہ یہ فرش پر اور وہ عرش پر۔

---

(۱) پ:۱۹، سورۃ النمل، آیت:۴۰ (۲) پ:۱۲، سورۃ یوسف، آیت:۹

تیسرا قدم....اخلاص اور استغناء

جس کو اللہ تعالی علم عطا فرمائے، اُسے چاہیے کہ اپنے اندر اخلاص اور استغناء پیدا کرے؛ کیوں کہ یہ اس راستے کا تیسرا اور اہم ترین قدم ہے، میرے دوست! بات ایسی ہی ہے، جی نہ مانے تو پھر بھی اس کو اپنے دل میں جگہ دے دو۔ آج نہیں تو زندگی کے کسی موڑ پر بات سمجھ میں آجائے گی، وہ بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالی علم عطا فرمائے، اسے چاہیے کہ اپنے اندر اخلاص اور استغناء پیدا کرے۔ اگر استغناء نہ ہو، تو پھر علم کی شان نہیں رہتی۔

علماء طلباء کی خدمت میں گزارش ہے کہ اللہ کے خزانوں پر نظر رکھیے، کسی کی جیب پر نظر رکھنے کی ضرورت نہیں، ان دنیادار غافلین کو استغناء کی چھری سے ذبح کیجیے، علم کا وقار پیدا کر لیجیے، پھر دیکھیے کہ کیسے عزتیں ملتی ہیں؟

حضرت سالم کا واقعہ

حضرت سالمؒ محدث گزرے ہیں، غلام تھے، تین سو درہم میں بکے تھے، پھر علم حاصل کیا، علم حاصل کر کے ایسے مقام پر پہنچے کہ بادشاہ اجازت لے کر ان سے ملنے آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ ملاقات کے لیے آیا، آپ سے اجازت چاہی، آپ نے علمی مشغولیت کی وجہ سے معذرت کر دی؛ چنانچہ بادشاہ کو بغیر ملاقات کے واپس جانا پڑا۔ حضرت سالمؒ بکے تھے، تین سو درہم میں؛ لیکن علم نے ایسے مقام پر پہنچا دیا کہ وقت کا بادشاہ بھی ان کے دروازے پر دستک دے رہا ہوتا تھا۔ سبحان اللہ! یہاں اللہ سے سودا کیا تھا اس لیے قیمت بڑھ گئی۔

جب تک بکے نہ تھے، کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر، ہمیں انمول کر دیا

ماشاء اللہ! اللہ تعالی سے سودا کیا، اللہ تعالی نے انمول بنا دیا۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو دوڑ لگا دو ڈر کیسا؟

گر جیت گئے تو کیا کہنے؟ گر ہار گئے، تو مات نہیں

اگر جیت گئے اور علم کا وہ مقام حاصل ہوگیا تو کیا ہی نصیب ہیں! اور اگر وہ مقام حاصل نہ ہوا اور طلبہ ہی میں رہے تو پھر بھی خوش نصیبی ہے۔ سبحان اللہ!

رزق کیسے ملتا ہے؟

میرے دوستو! اللہ تعالی تقوی کے ذریعہ رزق کے دروازں کو کھول دیتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ زمانہ طالب علمی میں امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں آئے۔ ماں نے تو بھیجا تھا کہ دھوبی کے پاس جاؤ، اور کپڑے دھونا سیکھو۔ راستہ میں کہیں امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت نے کچھ ایسا معاملہ کیا، کہ حضرت کے شاگرد بن گئے؛ حتی کہ علم میں بہت بڑا مقام حاصل کرلیا۔ ماں نے کہا: میں نے تجھے دھوبی کی طرف بھیجا تھا تیرا باپ فوت ہوگیا، تو کچھ کام کرتا ہم کھاتے پکاتے۔ جس پر مجھے بہت زیادہ آمدنی کی امید ہے۔ انہوں نے آکر امام اعظم ابو حنیفہؒ کو یہی بات سنائی۔ حضرت نے فرمایا: کہ اپنی والدہ کو کہنا کہ میں ایک کام سیکھ رہا ہوں، جس پر مجھے بہت زیادہ آمدنی کی امید ہے۔ انہوں جا کر کہدیا، ان کی والدہ کی تشفی نہ ہوئی، تو وہ خود امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پاس آئیں اور کہا: میں نے تو بیٹے کو دھوبی کے پاس بھیجا تھا کہ کوئی ہنر سیکھتا، آپ کے پاس کتابیں پڑھتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں اس کو ایسا ہنر سکھا رہا ہوں کہ یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ کھایا کرے گا۔ ان کی والدہ نے سوچا، کہ حضرت ایسے ہی میری تسلی کے لیے بات کر رہے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: کہ بات آئی گئی ہوگئی، والدہ صاحبہ مطمئن ہوگئیں۔ ایک وقت آیا کہ امام ابو یوسفؒ چیف جسٹس ہے، فرماتے ہیں: کہ وقت کا بادشاہ ہارون الرشید میرے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ کہنے لگا حضرت! میں نے آپ کے لیے ایک چیز بنوائی ہے، میں روز آپ کے لیے بھجوادیا کروں گا، میں نے وہ چیز کھائی تو بڑی لذیذ تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ تھی کیا؟ کہنے لگے: کہ حضرت! یہ میرے لیے بھی کبھی کبھی بنتی ہے؛ لیکن آپ کو علمی مقام ایسا ملا کہ آپ کے لیے یہ روزانہ آیا کرے گی، کہنے لگے: کہ

میں نے پوچھا بتاؤ کہ ہے کیا؟ کہنے لگا کہ یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ ہے، فرماتے ہیں: کہ امام اعظمؒ کی بات مجھے یاد آئی کہ انہوں نے میری والدہ کو کہا تھا، کہ میں اس کو ایسا ہنر سکھا رہا ہوں کہ یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ کھایا کرے گا۔ دیکھا اللہ تعالی یوں رزق دیتے ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا استغناء قلبی

انسان جب استغناء کے ساتھ کام کرتا ہے، تو دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے: کہ جو آدمی مجھے محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش کرے، میرا دل اس کا ہدیہ قبول کرنے کو نہیں کرتا؛ البتہ سنت سمجھ کر پیش کرے، تو میں اُسے ضرور قبول کروں گا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے آکر آپ کو ہدیہ پیش کیا، آپ نے محسوس کیا، کہ یہ تو احسان چڑھا کر ہدیہ دے رہا ہے؛ چنانچہ آپ نے انکار کر دیا؛ مگر وہ پیچھے لگا رہا کہ، حضرت قبول کیجیے! حضرت! قبول کیجیے۔ حضرت نے دو چار دفعہ کے بعد اُسے سختی سے ڈانٹ دیا، کہ نہیں میں قبول نہیں کروں گا۔ جب اس نے دیکھا کہ، چہرے پر جلال ہے، تو پیچھے ہٹ گیا، جب مسجد سے باہر نکلنے لگا، تو اس کی نظر حضرت کے جوتوں پر پڑی، اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت جب باہر نکلیں گے، تو جوتے تو پہنیں گے ہی سہی؛ چنانچہ اس نے وہ پیسے حضرت کے جوتوں میں رکھ دیے۔ جب حضرت مسجد سے باہر نکلے، اور پاؤں جوتوں میں رکھا، تو اس میں پیسے تھے۔ آپ نے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: کہ یہ وہی پیسے ہیں، جو وہ آدمی ہدیہ میں پیش کر رہا تھا، پہلے سنا کرتے تھے، اور آج آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو انسان دنیا کو ٹھوکر لگاتا ہے، دنیا اس کے جوتوں میں آیا کرتی ہے۔

اللہ -رب العزت- ہمیں علم اور عمل عطا فرمائے۔ اور اس میں اخلاص پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، یہ تین درجے حاصل کرنے پر انسان کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، اللہ -رب العزت- ہم فُرقت زدوں کو بھی اپنا وصل نصیب فرما دے۔
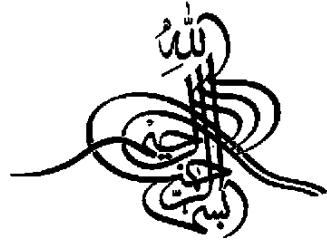
علم نافع کی پہچان....تقوی اورتوکل

دین اور دنیا کے راستے اور اہل علم کا راستہ

انسان کو اس دنیا میں کئی ایسے مواقع پیش آتے ہیں، کہ جہاں ایک طرف دنیا اسے اپنی طرف بلا رہی ہوتی ہے، دوسری طرف اللہ -رب العزت- بلا رہے ہوتے ہیں، یہ ایک دوراہا ہوتا ہے، ایک طرف جائے تو اللہ ملتا ہے، دوسری طرف جائے تو دنیا کی لذتیں اور ررنگینیاں ملتی ہیں؛ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو ایسے موقع پر دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر، اس سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ آج کل طبیعتیں اس قدر لذات کی خوگر ہو چکی ہیں، کہ ہر بندہ آسانی اور لذت کے پیچھے بھاگتا ہے، ایک عام ابتلا ہے کہ

یٰلَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ قَارُوۡنُ

''اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا جتنا قارون کے پاس تھا''

اس وقت بھی جو اہل علم تھے انہوں نے کہا:

قَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَیۡلَکُمۡ

''اہل علم نے کہا: تمہاری بربادی ہو''(۱)

تمہارا ناس، ہو تمہاری مَت ماری گئی، تم آخرت کو بھول کر دنیا کی چیز مانگتے ہو۔ آج بھی وہی اصول اپنی جگہ قائم ہے کہ جو صاحب علم ہوگا، جس کے سینے میں علم کا نور اتر چکا

---

(۱) پ:۲۰، سورۃ العنکبوت، آیت:۷۹ / ۸۰

ہوگا؛ وہ ہمیشہ دین کو پسند کرے گا، ہمیشہ آخرت کو پسند کرے گا۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشادفرماتے ہیں:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا، وَالْآخِرَۃُ خَیْرٌ وَّأَبْقٰی

’’تم دنیا کی زندگی کوترجیح دیتے ہو،اورآخرت کی زندگی اس سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔‘‘[1] تو یہ ذہن بنالیں، جہاں دین اوردنیا آپس میں آمنے سامنے آئیں،توہم دین کومقدم کریں، جہاں بھی نیکی اور معصیت آپس میں آمنے سامنے آئیں،تو آپ کونیکی کو ترجیح دینی ہے؛اگر یہ دو چیزیں آپ نے اپنے اندر پیدا کرلیں،تو اپنے اللہ کی مدد کو اپنے ساتھ لے لیا۔

یہ چیزیں کیسے پیدا ہوں گی؟

اور یہ چیز’’علم نافع‘‘ کےبغیر حاصل نہیں ہوسکتی،اس لیے انسان اللہ تعالیٰ سے علم نافع مانگے،یعنی نفع دینے والاعلم،ایساعلم جو سینے میں اتر جائے،تو سینےکودین کے لیے کھول دیتا ہے،پھرانسان کے لیے دین پر چلنا مشکل نہیں ہوتا،دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم نافع کیا ہے؟تو ہمارے بزرگوں نے اس کی تفصیل بتائی ہے،اس کی پہچان بتائی ہے۔

پہلی پہچان....خوف خدا

علم نافع کی ایک پہچان تو یہ ہے کہ بندے کے اندرخوف (تقوی) بڑھتا ہےفرمایا:

کُلَّمَا ازْدَادَ عِلْمًا، ازْدَادَ خَوْفًا

’’جتناعلم بڑھتا جائے،اتنا اللہ کا خوف بھی بڑھتا جائے۔‘‘[2]

خوف خدا پیدا ہونا، یہ علم نافع کی پہچان ہے۔اوراگرعلم تو بڑھتا جارہاہے،خوف خدا نہیں بڑھ رہا،تواس کا مطلب ہے کہ یہ علم نافع نہیں ہے۔

---

(۱)پ:۳۰،سورۃ الاعلی،آیت:۱۷/۱۶(۲)رسالۃ المسترشدین ص:۱۰۰

اب ہمیں یہ ایک ’’تھرمامیٹر‘‘ مل گیا، یہ پیمائش کرنے کے لیے کہ ہمارا علم، علم نافع ہے یا نہیں؟

ہم اپنی زندگی کو دیکھیں کہ اس میں خوفِ خدا کتنا ہے؟ جب انسان کے دل میں خوف ہوتا ہے، تو انسان گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے، جب خوف بڑھتا ہے تو انسان کے گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ ہمارے مشائخ جو گناہ سے بچتے تھے، وہ فرشتے نہیں تھے، وہ انسان تھے؛ مگر انہوں نے اپنے دل میں اللہ کے خوف کو اتنا بڑھا لیا تھا، کہ گناہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ ان کو گناہ کے مواقع ملتے تھے، یہ نہیں کہ انہیں موقع نہیں ملتا تھا؛ گناہ کی دعوت ملتی تھی؛ مگر وہ فورًا کہتے تھے **معاذ اللہ** میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ اس لیے کہ دل میں خوف ہوتا تھا۔

آج خوفِ خدا کی کمی ہے.... دوڑ دوڑ کر گناہ کرتے ہیں، بھاگ بھاگ کر گناہ کرتے ہیں، سوچ سوچ کر گناہ کرتے ہیں، ترکیبیں بنا بنا کر گناہ کرتے ہیں تمنائیں ہوتی ہیں کہ ہائے! گناہ کا موقع مل جائے.... کیا وجہ؟ خوفِ خدا کی کمی۔

ہمیں پتہ بھی ہوتا ہے کہ اس گناہ کا کتنا بڑا عذاب ہے پھر بھاگ رہے ہوتے ہیں گناہ کی طرف کیوں ں؟ بے خوفی ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت علم ساتھ نہیں ہوتا، اس وقت ہم جاہل ہوتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ

’’بے شک جس توبہ کو قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے، وہ تو ان لوگوں کی توبہ ہے، جو جہالت سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں۔‘‘[1]

’’جہالت‘‘ کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، علم کے ساتھ مرتکب نہیں ہوتا۔ کئی گناہ ایسے ہیں کہ جن کو کرتے ہوئے بندے کا ایمان ساتھ نہیں ہوتا۔

(۱) پ: ۴، سورۂ اٰل عمران، آیت: ۱۷

جب علم بڑھتا ہے تو خوف بڑھتا ہے، اور انسان نیک عمل کرتا ہے۔ پھر اس سے بھی آگے۔

كُلَّمَا ازْدَادَ عَمَلًا ،ازْدَادَ تَوَاضُعًا

''جتنا عمل زیادہ ہوتا ہے، اتنی تواضع بڑھ جاتی ہے۔''(۱)

جتنا انسان کا عمل بڑھتا جائے، اتنا انسان کی تواضع بڑھتی جائے، اتنا جھکتا جائے، یہ نہیں کہ میں تو تہجد کی پابندی کرتا ہوں، تکبیر اولی کی پابندی کرتا ہوں، میں اعلی ہوں اور باقی سارے جو ہیں یہ کم درجہ پر ہیں، نہیں، جتنا عمل زیادہ ہو اتنی تواضع بڑھے۔

ہمارے اکابر جتنا زیادہ عمل کرتے تھے، اتنے ہی متواضع ہوا کرتے تھے۔

✳ ....ایک بزرگ تھے تہجد کے لیے اٹھے تو بیٹا بھی اٹھ گیا۔ جب تہجد پڑھ لی تو بیٹا کہنے لگا: ابو! اور کوئی بھی تہجد کے لیے نہیں اٹھا۔ بزرگ نے فرمایا: تو سویا رہتا، تو تیرا سویا رہنا جو بات تو نے کہی اس سے بہتر تھا۔ مطلب کہ تو نے عجب کے ساتھ یہ بات کی کہ میں اٹھ گیا، اور یہ سوئے رہے، تو اِس سے بہتر تھا کہ تو بھی سویا رہتا۔ اس لیے علمِ نافع کی یہ پہچان ہے کہ

كُلَّمَا ازْدَادَ عِلْمًا ،ازْدَادَ خَوْفًا. كُلَّمَا ازْدَادَ عَمَلًا ،ازْدَادَ تَوَاضُعًا

علم نافع کے بعد حالت کیا ہونی چاہیے تھی؟!!!

ابن جوزیؒ نے ایک مرتبہ علمِ نافع پر بیان کیا، فرمانے لگے: کہ ''دوستو! ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم نے جو کچھ سنا، اس کی وجہ سے رات بھر نیند نہ آتی، تم اللہ کی عظمت کے بارے میں سوچتے اور اپنی نافرمانیوں کے بارے میں سوچتے، تو تمہاری نیندیں اڑ جاتیں۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

(۱) رسالۃ المسترشدین ص: ۱۰۰

''بستر سے پہلو جدا رہتے ہیں''[1] خوفِ خدا کی وجہ سے''

گڑگڑا رہے ہوتے ہیں، رو رہے ہوتے ہیں، آہ وزاری کرر ہے ہوتے ہیں، اللہ! خطا ہوگئی، گناہ ہوگئے، اپنوں کی فہرست سے نام نہ نکال دینا، اپنے سے دور نہ کردینا۔

میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

یہ جو تقوی ہے، یہ انسان کے علمِ نافع حاصل کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

تقوے کے دو پہلو

اس تقوی کے دو پہلو ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ اپنی ذات کے معاملہ میں انسان ہر اس عمل سے جو معصیت کا ارتکاب کروائے، بچے اور احتیاط کرے۔

مثلاً کھانے پینے میں جس پر شک پڑ جائے اس کو چھوڑ دے۔ جس پر شبہ ہو اس کو بھی چھوڑ دے۔ ہمارے مشائخ کھانے پینے میں بہت احتیاط کرتے تھے، بڑا خیال رکھتے تھے؛ حتی کہ ہمارے بعض مشائخ بل کہ اکثر حضرات عام طور پر بازار کی بنی ہوئی چیز نہیں کھاتے تھے۔ جب تک تصدیق نہ ہوجاتی کہ بنانے والا نمازی ہے یا طہارت کا خیال رکھنے والا ہے یا نہیں؟ یا اس کھانے میں جو اشیاء استعمال ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری شرعاً ٹھیک ہیں یا نہیں؟ اس وقت تک نہ کھاتے تھے۔

(۲) تقوی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ انسان کے جو معاملات ہیں، ان کو بھی ایسے اچھے طریقے سے کرے کہ کسی کا دل نہ دکھے، یہ بھی تقوی ہے۔ آج دونوں چیزوں کی کمی ہے کہ گناہوں کے کرنے سے بھی نہیں بچتے، اور دوسروں کا حق پامال کرنے سے بھی نہیں بچتے؛ اس لیے ظلمت بڑھتی جارہی ہے۔ ہمارے اکابر اس چیز کا کتنا خیال کرتے تھے۔ سبحان اللہ!۔

---

(۱) پ: ۲۱، سورۃ السجدۃ، آیت: ۱۶

ایک طالب علم نے نماز عشاء کے تھوڑی دیر بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا، اور مطالعہ کے لیے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے ایک صاحب وہاں موجود تھے، انہوں نے وجہ دریافت کی، تو طالب علم نے کہا: کہ ''یہ مسجد کا چراغ ہے، جتنی دیر اس کے جلنے کی اجازت ہے، اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں، بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں۔

علم نافع کی دوسری پہچان....

بعض بزرگوں نے علمِ نافع کی ایک اور بھی پہچان بتائی، وہ فرماتے ہیں کہ

تَقْدِيْمُ الْعِلْمِ عَلٰى حُظُوْظِ النَّفْسِ وَ الْإِسْتِغْنَاءُ بِاللهِ عَنْ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ

''علم کو لذاتِ نفسانی پر مقدم کرے، اور اللہ کے تعلق کے ساتھ ساری مخلوق سے مستغنی ہو جائے۔''(۱)

تو پہلے:

تَقْدِيْمُ الْعِلْمِ عَلٰى حُظُوْظِ النَّفْسِ

علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں تو علم حاصل کرنا مقدم رہے؛ ورنہ تو دوستیوں میں لگ جاتے ہیں، کبھی کسی شکل نے دل پر غلبہ کیا، کبھی کسی شکل نے دل پر غلبہ کیا۔

اس دل کے ٹکڑے، ہزار ہوئے
کوئی یہاں گرا، کوئی وہاں گرا

جدھر نظر پڑتی ہے اسی کا غلبہ دل پر ہو جاتا ہے، یہ دل کیا ہوا؟ ''ٹریش کین'' بنالیا۔ جو چیز استعمال کی، ''ٹریش کین'' میں پھینک دی۔ دل کو بھی ایسا ہی بنالیا، یہ بھی دل میں تو وہ بھی دل میں؛ جدھر نظر اٹھی وہی دل میں۔ انسان ایسا بھی نہ ہو کہ پیشاب سے ہی پھسلتا پھرے۔

طلبہ توجہ فرمائیں! کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع

---

(۱) رسالۃ المسترشدین ص:۱۰۱

فرمادیا ہے۔ایک جمال سے، اور دوسرا مال سے؛ کیوں کہ یہی چیزیں انسان کی بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ بہت ہی عجیب فتنے ہیں۔ یہ بات ذہن نشیں کرلیں کہ شہوات والے گناہ کی ابتداء ہمیشہ آنکھ سے ہوتی ہے۔

یادرکھیے! کہ آنکھ کا گناہ پہلا قدم ہے، اس سے آگے زنا کے راستے ہموار ہوتے ہیں؛ اس لیے اس پہلے قدم کو ہی روک لیجیے۔ جو انسان یہ کہے کہ میں فقط ادھر اُدھر دیکھتا ہوں، اور عمل بالکل نہیں کرتا، یہ ممکن ہی نہیں؛ کیوں کہ جب آنکھ دیکھے گی، تو جی چاہے گا اور پھر جسم اس پر عمل کرے گا۔ ہمارے مشائخ نے تو یہاں تک کہہ دیا: ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سرِّ حق، برما بخند

یعنی ’’تو اپنی آنکھوں کو بند کرلے، کانوں کو بند کرلے اور زبان کو بند کرلے، پھر بھی اگر تجھے حق کا راز نہ ملے، تو میرے اوپر ہنسی اُڑاتے پھرنا۔‘‘ ہم یہ تینوں کام نہیں کرتے، تو پھر ہمیں حق کا راز کیسے ملے؟

آگے فرمایا:

وَالْاِسْتِغْنَاءُ بِاللّٰہِ عَنْ جَمِیْعِ خَلْقِہٖ

ساری مخلوق سے انسان مستغنی ہوجائے اور اپنی ساری امیدیں اللہ سے لگالے، اس کو کہتے ہیں ’’توکل‘‘، مخلوق سے نظریں ہٹالینا اور خالق پر نظریں جمالینا۔

تقوی اور توکل کی کمی

تو علم نافع کی دونشانیاں سامنے آئیں؛ کہ جس کو علم نافع نصیب ہوگا، اس کی زندگی میں تقوی بھی ہوگا، اور اس کی زندگی میں توکل بھی ہوگا، بہت عجیب بات ہے کہ آج ہمارے مدارس والوں کی زندگی سے تقوی نکل گیا اور خانقاہ والوں کی زندگی سے توکل نکل گیا،

حالانکہ یہ تقویٰ کے اہل زیادہ تھے، وہ توکل کے اہل زیادہ تھے۔

....زندگی جہنم بن جائے گی!!

حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے بہت خوبصورت بات کہی کہ ''اے دوست! تو جتنا چاہے گناہ کرلے، اگر اللہ نے تیری اسی زندگی کو جہنم کی طرح نہ بنادیا تو میرا نام بدل دینا'' تو جو بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے لیے یہی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔اتنی پریشانیاں آتی ہیں۔کہ دن کو چین نہیں آتا، رات کو نیند نہیں آتی۔آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ جو دنیا والے، مال والے، عہدوں والے، عمارتوں وزارتوں والے ،فیکٹریوں والے ،بڑے بڑے کاروباروں والے ہیں؛ یہ پرسکون زندگی گزارتے پھرتے ہیں؟ اس عاجز کو اللہ نے پچاس سے زیادہ ملکوں میں سفر کی توفیق دی، میں نے آج تک اپنی زندگی میں کسی دنیادار بندے کو پرسکون زندگی گزارتے نہیں دیکھا۔ جہاں پرسکون نظر آیا، کوئی نیک بندہ، متقی پرہیز گار بندہ ہی پرسکون نظر آیا۔ عام آدمی تو ایک ہی دفعہ زندگی میں مرنا ہے، یہ بیچارے پتہ نہیں کتنی دفعہ مرتے ہیں، کتنی دفعہ جیتے ہیں؟ اِدھر کا صدمہ، اُدھر کا صدمہ، اِدھر کی ٹینشن اُدھر کی ٹینشن۔ ظاہر میں ان کے یہاں- ماشاء اللہ- بنگلے بھی ہوں گے کارے بھی ہوں گی ،نوکر خادم بھی ہوں گے؛ مگر اندر کا حال یہ ہوگا کہ نیند ہی غائب ہوگی۔ گولیاں کھا کھا کر تو یہ لوگ سوتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ پہلے تو ایک گولی کھانے سے نیند آجاتی تھی اب دو کھانے سے بھی نیند نہیں آتی۔ہم کہتے ہیں تین کھاؤ۔ کہتے ہیں کیسے تین کھائیں؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر گولیوں سے جان چھڑانی ہے تو اللہ سے صلح کرلو، پھر دیکھو! اللہ کیسے تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتے ہیں؟

تو آسان طریقہ تو یہ ہے کہ ہم گناہوں کو چھوڑ دیں، اور اللہ کے دروازے پر آکر پڑ جائیں، دعا مانگیں: میرے مولیٰ ہم جاہل بندے ہیں، ہم غافل بنے رہے، اللہ! ہم نے وہ کام کئے کہ آپ کے عذاب کو ہم نے دعوت دی، یہ تو آپ کا حلم ہے، کہ ہم صحیح حال میں

موجود ہیں، اب احساس ہوا کہ ہمارے گناہ ہی ہمارے راستہ کی رکاوٹ ہیں، اے اللہ !ان گناہوں کو چھوڑنے کے لیے آج آپ کے در پر آئے ہیں، اے اللہ! وہ نہ کرنا جس کے ہم اہل ہیں؛ ہم اہل ہیں سزا کے، ہم اہل ہیں عذاب کے، ہم اہل ہیں ذلت وخواری کے، اللہ! وہ کرنا جس کے آپ اہل ہیں، آپ اہل ہیں بخش دینے کے، آپ اہل ہیں رحم فرمادینے کے، اللہ وہ نہ کرنا جس کے ہم اہل ہیں، اللہ وہ کرنا جس کے آپ اہل ہیں؛ آپ کو غفاری سجتی ہے، ستاری سجتی ہے، حلم سجتا ہے، اے کریم آقا! ہم پر رحمت فرما دینا، ہمیں گناہوں سے محفوظ فرما دینا۔

علم کے ساتھ ذکر الٰہی کی اہمیت

کوئی مسافر اپنی منزل پر جانا چاہے، تو اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک تو اس کو منزل کے راستے کا پتہ ہو، اور دوسری منزل، تک جانے کے لیے وسائل بھی ہوں، اگر گاڑی پہ سفر کر رہا ہے، تو گاڑی ٹھیک ہو۔ جس کو منزل کا پتہ نہ ہو، اس کی ٹھیک گاڑی بھی وہیں کھڑی رہتی ہے اور جس کی گاڑی ٹھیک نہ ہو، اس کو منزل کا پتہ ہو؛ پھر بھی راستے میں کھڑا رہتا ہے۔ راستہ کا پتہ ہونا اس کا نام علم ہے اور گاڑی کا ٹھیک ہونا اس کا نام ذکر ہے؛ چنانچہ جو شخص علم بھی رکھتا ہو اور وہ اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہو، تو وہ بہت آسانی کے ساتھ اللہ کی رضا والی زندگی گزار سکتا ہے۔

ہم نے ایک مرتبہ ایک بڑے ٹینکر کو دیکھا، جو سڑک پہ کھڑا تھا، اس کے اندر پیٹرول تھا؛ مگر اس نے ٹریفک بلاک کی ہوئی تھی۔ تو پوچھا کہ بھئی! یہ کیوں کھڑا ہے؟ کہنے لگے کہ اس کی اپنی ٹینکی میں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ تو اس دن بات سمجھ میں آئی کہ بے عمل عالم کی مثال کیا ہوتی ہے؟ کہ جس طرح اس ٹینکر کی پشت پہ ہزاروں لیٹر کے حساب سے پٹرول موجود ہے؛ لیکن اپنی ٹینکی خالی ہونے کی وجہ سے وہ چل نہیں سکتا۔ اسی طرح ایک بے عمل عالم کے پاس علم کا ذخیرہ تو ہے کہ وہ لاکھوں کو منزل پہ پہنچا سکتا ہے؛ مگر عمل نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی راستے میں کھڑا ہوتا ہے، دوسروں کے لیے بھی ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ بنتا ہے۔ جن جگہوں پہ علم حاصل کرتے ہیں ان کو مدرسہ کہتے ہیں۔ جہاں ذکر سیکھتے ہیں، ان کو

آج کے دور میں خانقاہ کہتے ہیں۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہیں
کہ در رہ بود قیل وقال محمد

جو بندہ بھی ولی بننا چاہے اس کو ذکر کا راستہ اپنانا پڑتا ہے۔

علماء، طلباء ذکر سیکھا کرتے تھے

پہلے وقتوں میں لوگ مشائخ کے پاس جاکر کچھ وقت گزارتے تھے اور ذکر سیکھتے تھے۔

✳ اللہ کرے آپ کبھی ''تھانہ بھون'' تشریف لے جائیں! تو اس وقت بھی وہاں جو خانقاہ ہے، اس میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہے، یہاں وہ الگ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ حضرت اقدس تھانویؒ کے زمانہ میں وہاں پر علماء خلفاء کا آنا جانا بہت کثرت کے ساتھ تھا۔

چنانچہ دو نوجوان طلبہ تھے، ایک کا نام محمد یوسف اور دوسرے کا نام محمد شفیع تھا۔ اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا، کہ یہ نوجوان بڑے ہوکر کتنے بڑے درجہ کے علماء وصلحاء بنیں گے۔ جب انہوں نے دورۂ حدیث مکمل کرلیا، تو وہاں گئے اور ان دونوں کو ایک کمرہ میں ٹھہرادیا گیا۔ جب رات کا وقت ہوا، تو خانقاہ میں تو خاموشی تھی۔ اور حضرت تھانویؒ گھر تشریف لے جاتے تھے۔ پیچھے سالکین ہی ہوتے تھے۔ اب یہ دونوں نوجوان آپس میں بیٹھے ہیں، کسی موضوع پر بات شروع ہوگئی تو پھر چلتی رہی۔ خانقاہ کا خادم آیا اور اس نے کہا کہ آپ لوگ نووارد ہیں، آپ کو یہاں کی ترتیب کا پتہ نہیں ہے، یہاں عشاء کی نماز کے بعد بات کرنا منع ہے؛ لہٰذا آپ باتیں مت کریں اور سوجائیں۔ اگلے دن پھر اسی طرح باتیں شروع ہوگئیں۔ پھر دوسرے دن خانقاہ کے خادم نے آکر کہا، کہ جی میں نے کل آپ لوگوں کو بتایا تھا، اور آپ لوگوں نے اس کو سیریس نہیں لیا، تو آج وارننگ دے رہا ہوں، کہ اگر آپ کی

آواز مجھے عشاء کے بعد آئی، تو حضرت کا حکم ہے، کہ بستر آپ کے سروں پر رکھ کر آپ کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے۔ پھر ان دونوں بچوں کو اہمیت کا احساس ہوا، کہ یہاں کا ماحول اور ہے۔ پھر انہوں نے خاموش رہنا شروع کر دیا۔ اور یہ وہ بچے تھے کہ ان میں سے ایک بڑے ہوکر ''حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ'' بنے، اور دوسرے بڑے ہوئے تو ''حضرت مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان'' بنے۔

بڑے بڑے علماء یوں خانقاہوں میں وقت گزارتے تھے، جس سے ان کے اوپر رنگ چڑھتا تھا۔

آج کے دور کا فتنہ

آج کے دور کا یہ فتنہ ہے کہ ہم اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے کہ ہمیں ذکر کرنا ہے۔ عوام الناس کا تو کیا کہنا، آج کل خواص کو بھی دیکھا گیا ہے، کہ وہ ذکر کو فقط ایک نفلی کام سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی معمولات کر رہا ہو، تو علماء اور طلبہ! اس کو دیکھ کر کہیں گے: یہ تو بس تسبیح پھیر رہا ہے؛ یعنی ان کے دلوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور ایک بڑا شیطان کا حربہ ہے کہ وہ دل میں ڈال دیتا ہے، کہ جی ہم سارا دن پڑھتے پڑھاتے ہیں، تو ثواب تو ہمیں تہجد کا بھی مل جاتا ہے، اور ذکر کا بھی مل جاتا ہے۔ بھئی! فقط ثواب سے تو کام نہیں چلتا، اگر بندے کی اصلاح نہ ہوئی، اور اللہ کا قرب حاصل نہ ہوا۔ فرمایا گیا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ

''جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی طرف رغبت کریں''(۱)

اللہ کی طرف رجوع کریں۔ تو جب ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں، تو اس کے بعد جو وقت ہے، کیا اس میں ہم رغبت دکھاتے ہیں اللہ کو؟ تنہائی کا محبت کے ساتھ گہرا تعلق ہے، یہ وقت گزارنا ہی پڑے گا، اس وقت کو گزارے بغیر انسان کے دل میں اللہ کی محبت جڑ نہیں

(۱) پ: ۳۰، سورۃ الشرح، آیت: ۷/ ۸

پکڑ سکتی۔ اسی لیے نبی کریم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- بعض اوقات اس قدر اللہ- رب العزت- کی طرف متوجہ ہوتے تھے کہ ظاہر کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا تھا!![1]

ہمارے اکابرین نے جو دین کا کام کیا، تو اس کی بنیادوں میں یہی ذکر کی محنت تھی۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کا ایک کمرہ تھا، جہاں وہ فجر کے بعد ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اتنی شدّ ومدّ کے ساتھ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کی ضربیں لگاتے تھے کہ کمرہ کے باہر جو بندہ کھڑا ہو کر سنتا تھا، اس کو بھی مزہ آتا تھا۔ تو زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں انسان کو ذکر کثرت سے کرنا سیکھنا پڑتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی کے بارے میں پڑھیے۔ ''یادِ ایام'' کتاب میں، حضرت شیخ الحدیثؒ نے بہت کھول کر لکھا ہے: کہ جس زمانے میں، ان پر تبلیغ کا کام کھل رہا تھا، تو بستی ''نظام الدین'' کے بالکل قریب ایک جگہ تھی، اُن کا ایک احاطہ تھا، اس احاطہ میں جا کر صبح سے لے کر شام تک ذکر کیا کرتے تھے!! ہماری زندگی اگر ذکر سے خالی ہوگی، تو ہمارے دل کیسے منور ہوں گے؟۔

عوام الناس کا تو کیا کہنا، علماء اور طلبہ بھی وہ محنت نہیں کر رہے ہیں، جو کرنی چاہیے تھی؛ اسی لیے نفسانیت سے جان نہیں چھوٹتی۔ طلبہ اکثر شکوہ کرتے ہیں کہ حضرت! نظر قابو میں نہیں رہتی۔ حضرت! وسوسوں پہ قابو نہیں رہتا۔ حضرت! جو پڑھتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں۔ سب کا لب لباب فکر کی گندگی ہے۔ اور فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوا کرتی ہے۔ آپ ذرا توجہ سے ذکر کیجیے! پھر دیکھیے کہ اللہ تعالی فکر کو کیسے پاک فرما دیتے ہیں؟ سوچ بھی پاک ہوجاتی ہے اور انسان کے اندر سے ہوَس بھی ختم ہوجاتی ہے۔ اس کی نگاہ کی حفاظت ہوجاتی اور اللہ تعالی اس کی طبیعت میں سکون پیدا کر دیتے ہیں۔ آج ہمیں ہماری ہوس نے پریشان کر رکھا ہے۔

جب دل، صنم خانہ بن چکا ہو، بُت خانہ بن چکا ہو؛ تو پھر سجدے کی لذت نہیں آیا

(۱) کشف الخفاء ۲/۲۲۶

کرتی۔ جن پہ سجدے مچلتے تھے، وہ پیشانیاں کہاں گئیں؟

جو اللہ کے ڈر سے کانپتے تھے، وہ کہاں گئے؟ ؎

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے
ہائے عشاق گئے، وعدۂ فردا لے کر
اب ڈھونڈ اُنہیں، چراغِ رُخِ زیبا لے کر!!!

اس بیماری سے جان چھڑانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کا باقاعدہ علاج کروایا جائے۔ اور یاد رکھیے کہ اس کا علاج ذکر سے ہوگا۔ کیوں کہ حدیث پاک میں ہے کہ **ذِكْرُ اللهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ** ۔ اللہ کا ذکر دلوں کی شفاء ہے۔[1]

ذکر میں اصل مقصود....

اب اس ذکر سے مقصود کیا ہے؟

"اَلذِّكْرُ الْمَطْلُوْبُ ذِكْرُ الْقَلْبِ وَإِنَّمَا اللِّسَانُ طَرِيْقٌ إِلَيْهِ"

''کہ اصل مقصود دل کا ذکر کرنا ہے، اور زبان سے جو ذکر کرتے ہیں یہ اس کے اظہار کا ایک طریقہ ہے''۔[2]

آپ یہ ذہن میں رکھیں، کہ یاد کا مقام انسان کے جسم میں ''قلب'' کہلاتا ہے۔ نہ آنکھیں ہیں، نہ کان ہیں، نہ زبان ہے۔ جب بھی ماں پردیس میں گئے ہوئے بچے سے بات کرے گی، تو یہی کہے گی: ''بیٹا! میرا دل بہت یاد کرتا ہے''۔ کبھی اس نے کہا: میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے؟ زبان کا نام نہیں لیتی؛ اس لیے کہ اصل یاد دل میں ہوتی ہے، زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان زبان سے ذکر کرتا ہے، دل سے بھی ذکر کرتا ہے۔

---

(۱) کنز العمال کتاب الاذکار قسم الاقوال ۱ / ۲۱۲ رقم: ۱۷۴۷ (۲) فی حاشیۃ ''تنبیہ السالکین إلی غرور المتشیخین'' ص: ۲۴۵ بحوالہ ''طہارۃ القلوب''

زبان کا ذکر کر کے بھی اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے؛ مگر ٹائم لگتا ہے، اور جو دل کا ذکر ہے یہ انٹراوین انجکشن کی طرح فوری اثر دکھاتا ہے۔

ذکر کو کس مقام تک پہنچانا ہے؟

ہمارے سلسلہ میں اللہ کا ذکر کرنا یہ ابتداء میں سکھاتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب ''تہلیل'' کا سبق دیتے ہیں۔تہلیل سے مطلب **''لا الہ الا اللّٰہ''** کا ذکر ہے۔ **''لا الہ الا اللّٰہ''** سے دل صاف ہوتا ہے۔

انسان جب ذکر شروع کرتا ہے، پہلے فقط زبان پہ ذکر ہوتا ہے، دل غافل ہوتا ہے۔ پھر دل میں بیداری آتی ہے۔ پھر ذکر کر رہا ہوتا ہے، دل بیدار بھی ہوتا ہے؛ مگر ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر کے خیالات بھی ہوتے ہیں۔ کرتے کرتے ایک وقت ہوتا ہے، جب خیالات کم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ذکر کرتے کرتے ایسا مقام آئے کہ جہاں بیداری کے ساتھ ذکر کرنے کے ساتھ، انسان کو حضوری کی کیفیت بھی نصیب ہو جائے۔ یعنی اللہ کے سوا تمام چیزوں سے غفلت۔ تو ہمیں اپنے ذکر کو اس مقام تک پہنچانا ہے۔

جب اس مقام پہ انسان ذکر کو پہنچا دیتا ہے، تو پھر شریعت کے اوپر عمل آسان ہو جاتا ہے۔

آج وقت ہے....

دوستوں! کتنے لوگ ہوں گے، جو نرم بستروں پر سونے والے ہوں گے ذکر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو نور کے ممبروں کے اوپر بٹھائیں گے۔ [1]

آج ذکر سے دلوں کو منور کر لیجیے؛ ورنہ ذکر سے اگر زندگی خالی ہوگی، تو موت کے وقت بھی ذکر کی توفیق نہیں ملا کرتی۔

ملتان کے ایک ڈاکٹر صاحب ہیں، کافی عرصہ پہلے موت کے بارے میں ان کی ایک کتاب پڑھی تھی، وہ لکھتے ہیں: ''مجھے زندگی بھر ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی دینے کا موقع

---

(۱) مستفاد: مجمع الزوائد ۲۸ / ۲۰ رقم: ۱۶۷۲۹

ملا، جب بھی میرے پاس کوئی بندہ آتا، جو آخری لمحوں پے ہوتا، تو میں اسے سمجھاتا کہ کلمہ پڑھو، کلمہ پڑھو! میں نے سو میں سے صرف دس بندوں کو اونچا کلمہ پڑھتے سنا، نوے بندے کہتے تھے کہ زبان نہیں چلتی!!! یہ چیز اللہ والوں کو رُلا دیتی ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ آج وقت ہے کہ ہم اللہ کا ذکر کر کے اپنے دلوں کو زندہ کرلیں، جب اللہ کا بندہ، ذکر کرتے کرتے اپنے دل کو زندہ کرلیتا ہے، تو پھر دل کو موت نہیں آتی۔ جسم پہ موت آجاتی ہے؛ دل پہ موت نہیں آتی۔

☆ .... چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ تھے، حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ، مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوگئی، ڈاکٹر صاحب آتے ہیں، اور آ کر ان کے جسم کے ساتھ ''سٹیتھوسکوپ'' کوپ لگاتے ہیں، تو ان کو لگتا ہے کہ دل چل رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں، ابھی ان کی وفات کی تصدیق میں نہیں کرتا۔ نو گھنٹے ڈاکٹر صاحب نے حضرت کو اسی طرح لٹائے رکھا، اور نہلانے نہیں دیا۔ نو گھنٹے بعد حضرت کے ایک خلیفہ تھے، وہ وہاں پہنچے اور انہوں نے پھر ڈاکٹروں سے بات کی، اور کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب! جس قلب نے ہزاروں قلوب کو زندہ کیا، اس قلب کو کیسے موت آسکتی ہے؟'' پھر جا کر نہلایا گیا اور اسی کیفیت کے ساتھ دفنایا گیا۔

☆ .... ہم نے اپنی زندگی میں کئی ایسے واقعات دیکھے، ان میں سے ایک واقعہ ہمارے بہت پیارے بھائی ظہیر احمد صاحب کا ہے، جو یہاں کے ماشاء اللہ ابتداء میں ذمہ دار تھے۔ ان کا ایکسڈ ینٹ ہوا، جیسے ہی یہ ہوا تو دماغ کے اوپر چوٹ لگی۔ ڈاکٹروں کے حساب سے اسی وقت وفات ہوچکی تھی؛ مگر دل چلتا تھا۔ چنانچہ ساتھ والے ان کو ہسپتال لے گئے، ہمیں فون کیا تو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب بھی ''سٹیتھو سکوپ'' لگائیں، دل کی حرکت محسوس ہو رہی ہوتی، ''آئی سی یو'' میں ''ٹریٹمنٹ'' چلتا رہا۔

شام کو جب ہم نے سپیشلٹ کو بلایا، جو دماغ کا ڈاکٹر تھا، اس نے ''سٹی سکین'' کروا کر مجھے دکھایا، کہ جی ان کا یہ دماغ ہے، اور ایکسڈ ینٹ میں چوٹ سیدھی دماغ پر لگی، تو دماغ

اندر سے بالکل ہِل گیا، جسم کے ساتھ اس کے کنکشن ختم ہو گئے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں ''برین'' کا ختم ہو جانا، اس نے کہاں کہ جی برین سسٹم ''ڈیڈ'' ہو چکا ہے، اس لیے ان کی وفات ہو چکی ہے۔ باقی ڈاکٹر آئے، وہ آ کے دیکھیں کہ جسم بھی ماشاء اللہ نرم اور گرم اور ادھر سے جب دل پر سُٹیتھوسکوپ رکھیں، تو آواز بھی آئے۔ وہ کہیں کہ جی ابھی زندہ ہیں۔ تین دن ہسپتال والوں نے ان کو لٹائے رکھا۔ تیسرے دن جا کر پھر میں نے بڑے ڈاکٹر سے کہا، کہ آپ اپنے سارے ڈاکٹروں کو بلالیں۔ چنانچہ کوئی دس بارہ اکٹھے ہو گئے، پھر ان کے سامنے میں نے یہ کہا کہ یہ آپ کی زندگی کا ایک نیا تجربہ ہے، آپ ان کو مزید اس بستر پر نہ لٹائیں؛ بلکہ آپ ہمیں اجازت دیں، کہ ہم ان کو لے جائیں، وہ کہیں کہ جی ابھی بھی سُٹیتھوسکوپ لگائیں، تو لگتا ہے کہ دل چل رہا ہے۔ تو میں نے کہا کہ ''اب اللہ نے جس بندے کا دل چلا دیا، اب اس کا دل موت نہیں روک سکتی، یہ ہمیشہ چلتا ہی رہے گا۔'' جب ان کو یہ بات سمجھائی، تو تب ڈاکٹر نے دستخط کیے، اور ہم نے ان کو وہاں سے لیا، اور نہلا دھلا کر ان کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

آج کے دور میں بھی جو بندہ محنت کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے دل کو منور کرتے ہیں، دل کو زندہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق عطا فرمائے، کہ ہم بھی اللہ کی یاد کرنے والے بن جائیں، تاکہ غفلت سے بچ کر اللہ کے مقرب بندوں میں شامل ہو جائیں۔ کہنے والے نے کیا اچھی بات کہی: ؎

یاد میں تیری سب کو بھلادوں، کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں، خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں، غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں، تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر، وِردِ زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ

چند جھونکے خزاں کے سہہ لیں! پھر ہمیشہ بہار میں رہنا

انسانی زندگی کی حقیقت

انسانی زندگی ہوا میں رکھے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ جیسے ہوا میں رکھا ہوا چراغ ایک پَل کا محتاج ہوتا ہے، انسانی زندگی بھی ایک پل کی محتاج ہوتی ہے۔

اَلدُّنْیَا دَارُ الْمِحَنِ

''یہ دنیا امتحان گاہ ہے''[1]

یہ دنیا سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، آرام گاہ نہیں؛ یہ امتحان گاہ ہے۔ افسوس کہ ہم نے اسے چراگاہ بنالیا۔ جیسے جانور چرتے پھرتے ہیں، ہم بھی چرتے پھرتے ہیں۔ جب امتحان ہوتا ہے تو وہ کام کا وقت ہوتا ہے، آرام کا وقت نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی دیکھا، کہ جب تین گھنٹہ کا پرچہ ہوتا ہے، تو اس تین گھنٹے میں کوئی والی بال کا میچ کھیلنے لگے؟ کہیں گے بھئی! نہیں، یہ کام کا وقت ہے، یا ان تینوں گھنٹوں میں آدمی سوجائے آرام سے مزے سے؟ کہیں گے یہ کام کا وقت ہے۔ جب امتحان سے فارغ ہوں گے تو آرام کا وقت ہوگا اور جب نتیجہ آئے گا تو وہ انعام کا وقت ہوگا۔ تو یہ دنیا کام کی جگہ، قبر آرام کی جگہ، جنت انعام کی جگہ ہے۔

(۱) من کلام ابن الجوزی فی کتابہ ''التبصرۃ'' الجزء الثانی

خواہشات پوری ہونے کی جگہ

اب انسان کا نفس چاہتا ہے کہ میری خواہشات پوری ہوں، اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ہر بندہ دنیا میں اپنی جنت بنانے میں لگا ہوا ہے۔

جب کہ اللہ-رب العزت-نے انسانوں کے لیے جنت کو آخرت میں بنایا۔فرمایا: میرے بندو! دنیا میں تم میری مرضی پر عمل کرلو! آخرت میں تمہاری مرضی چلے گی۔چنانچہ اللہ تعالی نے جو جنت بنائی ہے، اس کے بارے میں فرمایا:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ (۱)

ایک شاہی مل جائے گی، یا سمجھنے کی خاطر یوں کہیے! کہ بندے کو وہاں چھوٹی سی خدائی مل جائے گی۔ وہاں بندے کی ہر مرضی پوری ہوگی۔ واہ میرے مولی! کیسی زندگی ہوگی! انسان تصور نہیں کرسکتا۔نیکوں کا ساتھ ہوگا اور پھر مزے کی بات، کہ یہ نعمتیں ہمیشہ کے لیے ہوں گی۔

وَاَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ

''تم ہمیشہ اس میں رہو گے''

یہ جھونکے خزاں کے سہہ لیں....

بس یہ دنیا کی تھوڑی سی زندگی، یہ جھونکے خزاں کے سہہ لیں، پھر ہمیشہ بہار میں رہنا ہے۔ اس لیے کہ مؤمن کی جب موت آتی ہے، تو اس کے لیے آخرت کی نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اس چیز کو انبیاء کرام نے سمجھا، اور وہ یہ علم لے کر دنیا میں آئے۔اور جن حضرات نے ان کی صحبت پائی، تو انہوں نے بھی اس یقین کو حاصل کرلیا۔پھر انہوں نے بھی ایسی زندگی گزاری۔

---

(۱) پ: ۲۴، سورۃ حم السجدۃ، آیت: ۳۱ (۲) پ: ۲۵، سورۃ الزخرف، آیت: ۷۱

...حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اپنے زمانہ طالب علمی میں رات کو جہاں بازار کی لالٹین جلتی تھی، وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے، بعض اوقات سردی سے ہڈیاں کپکپا اٹھتیں، رات کو مسجد کی چھت پہ لیٹ کر سو جاتے۔

...میر مبارک محدث بلگرامی ایک مرتبہ شدت بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑے، بہت استفسار کے بعد فرمایا کہ تین دن سے بھوکا تھا، ان کا شاگرد میر طفیل کھانا لے کر آیا تو میر مبارک نے انکار کر دیا کہ میرے نفس میں امید قائم ہوگئی تھی لہذا اشرافِ نفس کی وجہ سے کھانا جائز نہیں میر طفیل نے کھانا اٹھالیا اور چلے گئے تھوڑی دیر بعد دوبارہ حاضر خدمت ہو کر کہا کہ حضرت! اب تو آپ کی امید نہ رہی ہوگی، آپ نے بخوشی کھانا تناول فرمایا اور شاگرد کی حسن تدبیر پر بہت خوش ہوئے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات کتب میں منقول ہیں جن بندگانِ خدا نے اپنے زمانہ طالب علمی میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں، انہی سے اللہ تعالی نے دین کا کام لیا۔

بس دنیا کی قربانیاں دنیا کی تکلیفیں یہ تو کوئی بات ہی نہیں، یہ تکلیفیں اٹھاؤ اور اللہ کے ہاں کامیاب ہو جاؤ۔

آج ہم اپنی چند لمحوں کی لذت کی خاطر ہم اپنے خدا کو ناراض کر لیتے ہیں، اتنا نقصان کر لیتے ہیں۔ فقط چند لمحوں کی لذت کی خاطر۔ اللہ اکبر! تو سوچنے کی بات ہے، اس لیے اس دنیا میں اپنے نفس کو قابو میں کیجیے! اپنی خواہشات کو لگام دیجیے! اپنے آپ کو شریعت کی لگام پہنا دیجیے! اور دیکھیے کہ اللہ- رب العزت- کے لیے جب ہم اپنی زندگی گزاریں گے، تو مرتے ہی ہماری نئی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

موت کو سمجھے ہیں ناداں اختتام زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

یہ نئی زندگی کی صبح ہے۔

صحابہ کرامؓ نے اس بات کو سمجھ لیا تھا۔اس لیے ان کے لیے دنیا کی مشقتیں، مشقتیں نہیں تھیں۔انبیاء کرام کا قافلہ دنیا کی لذتوں کے لیے نہیں رہتا تھا؛ دنیا میں اپنے رب کو منانے کی خاطر زندگی گزارتا تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ کھالیں کھنچوانی پڑ جائیں، بوٹیاں نچوانی پڑ جائیں، اور پھر اللہ تعالی اپنی رضا دے دے تو بھی ہم نے سستا سودا کرلیا۔

عزیز طلبہ! بات سمجھ رہے ہیں کہ اگر کھالیں کھنچوا کے اور بوٹیاں نچوانے کے بدلے بھی ہم جنت میں چلے گئے تو ہم نے سستا سودا کرلیا۔ یہ بات ذرا ذہن میں محفوظ کرلیجیے! اس بات کو صحابہ کرامؓ نے سمجھا تھا، اس لیے دنیا میں انہوں نے مشقت کو برداشت کیا، اللہ کی عظمت کو سمجھتے تھے۔ اللہ اکبر کبیرا!۔

اللہ کے محبوب نے کیسی مشقتیں اٹھائیں؟

آپ سوچیں! نبی علیہ السلام، اللہ کے محبوب کتنی مشقتیں اٹھا رہے ہیں؟ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مجھے سب انبیاء سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ (۱)

یا اللہ! کیا وقت ہوگا؟ صحابہ کا کیا حال ہوگا؟ جب نبی علیہ السلام صحابہ کو بدر کے مقام پر لے کر پہنچے تو سامنے لوہے میں ڈوبی فوج ہے، تلواریں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ ادھر پورے تین سو تیرہ کے پاس دو تلواریں، باقیوں کے پاس کچھ نہیں۔ تو صحابہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم تو موت کے منہ میں دھکیل دیے گئے۔

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

"یوں لگتا تھا کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے ہیں"

اس وقت اللہ کے محبوب رات کو تہجد کے بعد اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں۔ کیا دعا مانگی!

---

(۱) سنن ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ۲/ ۷۳ رقم: ۲۴۷۲ (۲) پ: ۹، سورۃ الانفال، آیت: ٦

اے اللہ! یہ تیرے بندوں کی جماعت ہے، اگر یہ جماعت آج ختم ہوگئی

لَا تُعْبَدُ بَعْدَ الْيَوْمِ

''تو قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا'' (۱)

اتنی عاجزی سے دعا کی کہ صدیق اکبرؓ کھڑے تھے، انہوں نے دعا سنی، تو دل بھر آیا۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اپنا سر اٹھایئے! اللہ تعالی ضرور اس دعا کو قبول فرمائیں گے۔ ایسی دعا مانگی کہ سننے والے کو ترس آ گیا!!

عزیز طلبہ! انسان دین کی خاطر ایسا مجاہدہ کرے کہ خالق اور مخلوق دونوں کو بندے پر ترس آنے لگے، ایسی زندگی گزاریں۔ اور صحابہ کرامؓ نے واقعی ایسا کیا، چنانچہ انہوں نے دین کی خاطر بہت مشقتیں اٹھائیں۔

اتنی تکلیفیں اٹھائیں صحابہ نے؛ مگر وہ سمجھتے تھے کہ کھالیں کھنچوا کے، اور بوٹیاں نچوا کے بھی؛ اگر ہم جنت جا پہنچے تو پھر بھی ہم نے اللہ تعالی کے ساتھ سستا سودا کرلیا۔

حضرت خباب بن الارتؓ کے ساتھ کیا ہوا؟ بی بی سمیہؓ کے ساتھ کیا ہوا؟ سیدنا بلالؓ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ ذرا ان واقعات کو پڑھتے جائیں اور ذرا سوچیں کہ ان حضرات نے دین کی خاطر کیا کیا قربانیاں دیں؟!! یہ وہ لوگ تھے جو حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ ہمیں اس دنیا میں مشقت کو اٹھانا ہے، اپنے رب کو بالآخر راضی کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کی استقامت

سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں۔ ان کی والدہ سیدنا اسماءؓ صدیق اکبرؓ کی بیٹی ہیں، بوڑھی ہوگئی ہیں، بینائی چلی گئی۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کا وقت آیا، دروازے کے اوپر حجاج بن یوسف نے گھیرا کروادیا، عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھی شہید ہورہیں ہیں، عبداللہ بن زبیرؓ کو یقین آ گیا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد مجھے شہید کردیا جائے گا، تو دل میں

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر ۲/ ۱۲۰ رقم: ۴۶۸۷

خیال آیا کہ میں گھر کے دروازے پر ہوں، میں اندر جا کر اپنی اماں سے آخری وقت میں دعا تو لے لوں۔ تو عبداللہ بن زبیرؓ گھر میں آتے ہیں، اور اپنی والدہ کو آکر بتاتے ہیں کہ امّی! میں تھوڑی دیر کے بعد شہید ہو جاؤں گا۔۔۔۔اب بتائیں کہ اگر کسی کی ماں کو بتایا جائے، تو کیا حال ہوگا؟ مگر یہ وہ ماں تھی جس نے نبی علیہ السلام کا دیدار کیا تھا، جس نے آخرت کی حقیقت کو سمجھا تھا، وہ جانتی تھی کہ دنیا میں ہم ہیں ہی قربانی کے لیے۔۔۔۔ اس نے پوچھا کہ بیٹا! کیا تو حق پر ہے یا باطل پر؟ تو بیٹے نے کہا کہ اماں! آپ جانتی ہیں کہ میں حق پر کھڑا ہوں، استقامت کے ساتھ؟ تو بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو پھر ڈر کس بات کا؟۔۔۔ ماں جوان بیٹے کی ہمت بندھا رہی ہے، کس بات کا ڈر ہے؟۔۔۔ اماں مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ مجھے جب شہید کر دیں گے، تو میری لاش کا مُثلہ کر دیں گے یعنی میری شکل بگاڑ دیں گے۔ تو ماں کہتی ہے کہ بیٹا! جب بکری کو ذبح کر دیا جائے تو پھر اس کی کھال بھی اتار دی جائے، تو بکری کو تکلیف نہیں ہوتی۔ جب تمہیں شہید کر دیا جائے، تو جو تمہارے جسم کے ساتھ کیا جائے تمہیں کیا پروا؟ ماں ہمت بندھا رہی ہے بیٹے کی۔ بیٹا کہتا ہے کہ اچھا ماں! میں اب جا رہا ہوں، دعا کیجیے۔

تو ماں اس وقت بیٹے کے لیے تین باتیں کہتی ہے۔۔۔کیا جوان بیٹا ہوگا! اپنے بیٹے کے بارے میں حضرت اسماءؓ یہ دعا کرتی ہیں، اللہ کے حضور تین باتیں کہیں۔۔۔: اے اللہ! تو جانتا ہے، یہ میرا بیٹا ہے، جو سردیوں کی لمبی راتوں میں ساری ساری رات مصلے پر کھڑے ہو کے دعا مانگتا تھا، اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے، جو سردیوں کی لمبی رات مصلے پہ کھڑے ہو کر تیرے قرآن کی تلاوت میں رات گزار دیا کرتا تھا۔ اور دوسری بات کہی کہ یہ میرا وہ بیٹا ہے، جو گرمی کے لمبے دنوں میں تیری رضا کی خاطر روزے رکھتا تھا۔ اور تیسری بات یہ کی اے اللہ! میرا وہ بیٹا ہے، جس نے اپنے والدین کی اتنی خدمت کی، کہ ہمارے دلوں کو خوش کر دیا۔ اے مولا! اب تو بھی اس سے خوش ہو جا! ماں دعا دے رہی

ہے، اے اللہ! اس نے ہمارا دل خوش کیا، آپ اس سے راضی ہوجایئے! اور یہ بات کر کے اسماءؓ اپنے بیٹے سے کہتی ہیں کہ بیٹا! میری آنکھوں میں بینائی نہیں ہے، کہ میں تیرا چہرہ دیکھ سکوں، بیٹا! میں تیری شکل تو دیکھ نہیں سکتی، تھوڑا میرے قریب ہو؛ تا کہ میں تمہارا بوسہ لے لوں، اور تمہارے جسم کی خوشبو سونگھ لوں۔ یہ ماں سمجھتی تھی، ان کا یقین بنا ہوا تھا

(اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ) (۱)

یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے واقعی ''تمسّک بالکتاب'' حاصل کیا تھا۔ چمٹے رہے، انہوں نے کتاب کو سینے سے لگائے رکھا۔

ہمارے اکابرین جوان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے بھی بالآخر انہیں کے نقش قدم پر چل کر اس دنیا کو دکھا دیا۔

عزیز طلبہ! یہ ان اکابرین کا راستہ ہے، ہم کمزور ہیں، اللہ -رب العزت- سے عافیت مانگتے ہیں، سہولت مانگتے ہیں؛ لیکن کم از کم اتنا تو ہم اپنے اوپر مشقت اٹھائیں! کہ نفس کی خواہشات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو نفس کی خواہشات سے بچالیا اور زندگی کا وقت گزار لیا، تو بس یقین جان لو! کہ ہم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ اس لیے صحابہؓ کے اوپر تلوار چل رہی ہوتی تھی، اور وہ کہہ رہے ہوتے تھے۔

فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا'' (۲)

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دین کی خاطر ایسی قربانیاں دے دیں، انہوں نے جانیں قربان کر دیں کاش ہم خواہشات کو قربان کر دیں!!

اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ وَأَقَامُو الصَّلَاةَ، إِنَّا لَانُضِیْعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ (۳)

---

(۱) پ:۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۷۰ (۲) صحیح بخاری، باب من ینکب أو یطعم فی سبیل اللہ، ۱/ ۶۰۰ رقم: ۲۷۱۸

(۳) پ:۹ سورۃ الاعراف آیت: ۱۷۰

اللہ تعالی فرماتے ہیں: ہم ایسے مسلمین کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے، جو قربانیاں دیتے ہیں، ہم آخرت میں ان کا اکرام بھی کریں گے۔اللہ-رب العزت-آپ کا یہاں آنا قبول فرمائے۔آپ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھروں کو چھور کے آئے ہیں؛ جو روکھی سوکھی ملتی ہے، کھا لیتے ہیں۔پھر چٹائیوں میں بیٹھتے ہیں، پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، آپ کی ان مشقتوں کا بدلہ بندوں میں کوئی نہیں دے سکتا، قیامت کے دن اللہ دے گا۔ اللہ تعالی ہمیں قیامت کے دن اپنے ان اکابرین کے قدموں میں کھڑا ہونا نصیب فرمائے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں حوض کوثر کا جام عطا فرمائے۔بس اس بات کی دعا کرتے رہیے گا کہ مولیٰ! جب آپ نے اس راستہ پر لگا دیا، اللہ! اب ہم زندگی اس پر نبھانا چاہتے ہیں، موت تک ہم اسی میں لگے رہنا چاہتے ہیں۔میرے مولی! ہمیں واپس نہ آنے دینا، اللہ ہمیں واپس نہ کرنا۔

ساری دنیا مجھے کہتی ہے، ترا سودائی ہے
اب مرا ہوش میں آنا تری رسوائی ہے

اے اللہ! ساری دنیا کہتی ہے: دین پڑھنے والے ہیں، عالم بننے والے ہیں، کتابیں پڑھنے والے ہیں، اللہ اب ہمارا ہٹ کر دنیا کی طرف جانا، اس میں رسوائی ہے۔اے اللہ پیچھے نہ ہٹنے دیجیے گا! اے اللہ! ہم اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرتے ہیں، اللہ قبول کر لیجیے! اور ایمان کے ساتھ اس فتنوں کے زمانے میں ہمیں اس دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

الوداعی مجلس میں طلبہ کے نام ایک اہم پیغام

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "**إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ**" [1] امانت کے بارے میں ایک دستور ہے، کہ وہ کسی کی دی ہوئی چیز ہوتی ہے، اور اس کو پھر پہنچانا ہوتا ہے۔

اسی لیے ارشاد باری ہے: **إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا** 'بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے، کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچادو'۔ [2] جب یہ ایمان کسی بندے کے سینے میں اتر جائے، تو وہ امانت ہوتا ہے۔ اس امانت کو آگے پہنچانا ہے، اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ایک ترتیب ہے۔ یہ امانت پہلے انبیاء کو ملتی تھی، اور انبیاء اپنی زندگی میں اپنی امتوں تک پہنچاتے تھے۔ نبیٔ رحمت کی تشریف آوری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر ختمِ نبوت کا تاج سجا، اور اس کی برکت سے وہ نعمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثاء کو دی گئی، "**اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ**" (علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں)۔ [3]

چنانچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب بن کر اب اس امانت کو پوری دنیا میں پھیلائیں

(۱) پ: ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت: ۷۲ (۲) پ: ۵، سورۃ النساء، آیت: ۵۸ (۳) سنن ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ۲/ ۹۷ رقم: ۲۶۸۲

گے۔ اور جو لوگ ان علماء سے حصہ پائیں گے، وہ بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق اس امانت کو آگے پہنچائیں گے۔ تو نبی علیہ السلام کی ختم نبوت کے صدقے یہ ذمہ داری ہر ایک مؤمن کے سپرد کر دی گئی۔ سب طلبہ اس وقت سال کے آخری مرحلہ سے گزر رہے ہیں، وہ ذہن میں یہ نہ سوچیں کہ اب ہم امتحان سے فارغ ہو کر جائیں گے، اور گھروں میں جا کر آرام کریں گے۔ زندگی میں تو آرام نہیں ہے۔ یاد رکھیں! کہ

....دنیا کام کے لیے۔

....قبر آرام کے لیے اور

....جنت عیش کے لیے بنائی گئی ہے۔

''کام ،کام، کام، بس تھوڑا آرام''، اور وہ آرام بھی اس نیت سے کہ میں تازہ دم ہو کر پھر کام کروں۔ پھر آرام کو بھی اللہ تعالی کام میں شمار فرما لیتے ہیں۔ دنیا میں انسان کی دو حیثیتیں ہیں؛ یا تو وہ داعی ہوگا، یا مدعو ہوگا۔ مؤمن کو اللہ تعالی نے داعی بن کر زندگی گزارنے کا حکم فرمایا ہے؛ اس لیے جو طلبہ امتحان سے فارغ ہو جائیں، ان کے سر پر ایک اور ذمہ داری پڑ جائے گی؛ اب وہ اس علم پر عمل بھی کریں، اور داعی بن کر اپنے یہاں جا کر کام بھی کریں۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **''إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا''** (میں معلم بنا کر مبعوث ہوا ہوں)(۱)

گویا ہر ہر طالب علم نبی علیہ السلام کا روحانی بیٹا بن کر وہی کام کرے گا، جو اللہ کے محبوب نے کیا تھا، نبی علیہ السلام کو اللہ -رب العزت- کی طرف سے علم وعرفان والی جو امانت ملی، اُسے آپ نے اپنی امت تک پہنچا دیا **''إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي''** (میں تقسیم

---

(۱) سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم: ۲۲۹

کرنے والا ہوں اور اللہ تعالی عطا کرنے والے ہیں)(۱) غور فرمایئے، کہ نبی علیہ السلام نے ''قاسم'' کا لفظ ارشاد فرمایا؛ **أَنَا قَاسِمٌ** فرمایا، **أَنَا خَازِنٌ** ارشاد نہیں فرمایا؛ لہذا ہمیں بھی جب یہ نعمت ملے، تو ہمیں بھی چاہیے کہ اس کو آگے تقسیم کریں۔ یہ وہ خیر ہے، جو تقسیم کرنے سے زیادہ بڑھتی ہے۔ اس لیے طلبہ ابھی سے اپنے دل میں یہ عہد اور ارادہ کرلیں کہ انہوں نے اپنے اساتذہ سے جو نعمت پائی ہے اس کو آگے تقسیم کریں گے۔

دعوت (امانت کی تقسیم) کے مختلف انداز....

اللہ -رب العزت- کی طرف سے دعوت وتبلیغ کا حکم کھلا اور دُھلا ہے، اور اس کے طریقہ کو اللہ تعالی نے علماء کے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ گویا حکم منصوص ہے، اور علماء کرام نور نبوت کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر، وقت کے مطابق طریقہ ترتیب دیتے رہیں گے:

....کہیں مدارس کی شکل میں۔

....کہیں درس قرآن کی شکل میں۔

....کہیں دعوت وتبلیغ کے کام کی شکل میں۔

....اور کہیں خانقاہوں میں اللہ، اللہ کی شکل میں؛

یہ سب دعوت کے انداز ہیں۔ یاد رکھیں! کہ ''دعوت الی اللہ'' کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ چپکا دینا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ ایسا بندہ یا تو جاہل ہے، یا پھر مجہول ہے۔ دعوت حکمِ ربّانی ہے اور داعی بننا ہے؛ لیکن جہاں تک ترتیب کا تعلق ہے، اس کے بارے میں وسعت ہے، اس کے مختلف انداز ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ دعوت وتبلیغ کی جو آج کل شکل ہے، فقط یہی دعوت ہے، تو کیا نبی علیہ السلام سے لے کر حضرت مولانا الیاسؒ کے درمیان تک کے سب لوگ بغیر دعوت کے دنیا سے چلے گئے؟۔

اس طرح ایک ترتیب کے اندر ہی انحصار کر لینا غلطی ہے؛ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج

---

(۱) صحیح بخاری باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین، ۱/ ۱۲۳ رقم: ۷۲

کے دور میں یہ سب سے اچھی ترتیب ہے۔ یہ ایک پکی بات ہے، اور اسے ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

جو بڑے علماء ہیں ان کا ایک گروہ ایسا ہوگا جو کامل داعی بن کر کام کرے گا؛ اسی لیے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"[1]

تبلیغ کا سب سے بہتر طریقہ

دعوت وتبلیغ کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان مجسمہ دعوت بن جائے، اور اپنے قول وفعل دونوں سے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے۔ نبی علیہ السلام کے اخلاق ہی تھے، کہ آپ نے مدینے والوں کے دلوں کو جیت لیا سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: **كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ** آپ علیہ السلام کے اخلاق سراپا قرآن تھے۔[2] اور فرمایا: **"فُتِحَتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْقُرْآنِ"** (نبی علیہ السلام نے قرآن (اپنے اخلاق) کے ذریعہ مدینے کے لوگوں کے دلوں کو فتح کیا)۔[3]

یاد رکھیں! کہ دنیا تلوار کا مقابلہ کرسکتی ہے، کردار کا مقابلہ نہیں کرسکتی، کردار دیکھنے میں ایک بے قیمت سی چیز نظر آتی ہے؛ لیکن اللہ کی قسم! اس کردار کے ذریعہ انسان سب سے قیمتی چیز کو بھی خرید لیا کرتا ہے۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

کردار کی برکتیں تقریر اور تحریر دونوں سے بڑھ جایا کرتی ہیں۔

قول میں رنگ عمل بھر کے بنادے رنگیں
لبِ خاموش عطا کر، دل گویا کردے

---

(۱) پ: ۴ سورہ آل عمران آیت: ۱۰۴ (۲) مسند احمد ۷/ ۲ ۱۳ رقم: ۲۴۰۸۰ (۳) کشف الاستار فضل المدینۃ ۲/ ۹ ۴ رقم: ۱۱۸۰

ایسے لوگوکی زبان اگر نہ بھی بولے، تو ان کے اخلاق اور عمل بولتے ہیں، اور وہ دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ حضرت ندویؒ نے لکھا ہے، کہ چین میں آٹھ مسلمان تاجر گئے، اور انھوں نے وہاں جا کر تجارت کی، اور ان کے حسنِ تجارت کو دیکھ کر پورے کے پورے ملک کے لوگ مسلمان ہوئے، نہ انھوں نے خطبے دیئے اور نہ ہی بیانات کئے۔

دعوت وتبلیغ میں نورِ باطن کی اہمیت

اگر اللہ تعالی انسان کو باطن کا نور عطا فرمادیں، تو پھر دین کا کام بہت آسان ہوجاتا ہے، او فیض بہت زیادہ ہوتا ہے؛ اسی لیے ارشاد فرمایا: **"أَدْعُوْ إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيْرَةٍ"**[1] **"مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ"**۔[2]

یہ ایک ایسا نور ہے، جو اللہ تعالی اعمال میں اخلاص، اور اتباع سنت کی وجہ سے مؤمن بندے کو عطا فرمادیتے ہیں۔ جب انسان اس نور بصیرت کو لے کر چلتا ہے، تو پھر اس کا فیض آگے دوسروں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے اکابر کے ایک ایک سفر میں ہزاروں کی تعداد میں کفار کفر چھوڑ کر اسلام کی طرف متوجہ ہوجایا کرتے تھے۔

خواجہ معین الدین چشتی کی وجہ سے سات لاکھ افراد مسلمان ہوئے، اور نوے لاکھ افراد ان کے مرید بنے!! آج انہیں ''سلطان الہند'' کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز ہندوستان آیا، جب وہ واپس گیا تو اس سے کسی نے پوچھا کہ تو نے ہندوستان میں کیا عجیب چیز دیکھی؟ اس نے کہا کہ ''ایک آدمی قبر میں لیٹے ہوئے بھی لوگوں پر حکومت کررہا ہے''!!!۔

دعوت کے لیے اپنے اندر چند صفات پیدا کریں

قرآن مجید سے داعی کی چند ایسی صفات کا پتہ چلتا ہے، کہ اگر انسان ان کو اپنے اندر پیدا کر لے، تو اللہ تعالی اس کے کام میں زیادہ برکت رکھ دیتے ہیں۔ طلبہ ان چند باتوں کو ذرا دل کے کانوں سے سنیں، یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں، اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالی ان

(۱) صحیح بخاری باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین، ۱/ ۲۳، رقم: ۷۲ (۲) پ: ۱۳، سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۸

کی زبان میں کیسی تاثیر پیدا کر دیتے ہیں؟۔

(۱) دل کو محبت الٰہی سے لبریز کرنا

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اعمال اور عبادت کے ذریعہ اپنے دل کو اللہ -رب العزت کی محبت سے لبریز کرلیا جائے؛ حتی کہ وہ مقام مل جائے جس کو قرآن مجید میں فرمایا گیا: **"وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّالِلّٰہِ"** (اور ایمان والوں کو اللہ تعالی سے شدید محبت ہوتی ہے)۔[۱]

یہ شدت محبت دراصل شدت ایمان ہے۔ جب اللہ تعالی کی اس طرح کی محبت دل میں ہوگی، تو اس محبت کے ساتھ جو بات کرے گا، وہ دوسروں کے دل پر پڑے گی۔

(۲) بے غرض ہوکر دعوت دینا

ہمیں چاہیے کہ ہم دین کی جو بات بھی کریں وہ بے غرض ہوکر کریں۔

(۳) بلاتخصیص دعوت دینا

جب دعوت دیں تو سب کو دیں، جس میں جتنی زیادہ طلب دیکھیں، اس پر اتنی زیادہ محنت کریں۔ جتنا بھی ممکن ہو اپنے آپ کو گھلائیں اپنے آرام کو قربان کریں۔

(۴) دل میں رحمت وشفقت ہونا

داعی کا دل ہمیشہ رحمت وشفقت سے بھرا ہوا ہونا چاہیے۔ اگر قرآن مجید کے الفاظ شمار کریں، تو جو لفظ بالکل درمیان میں آتا ہے، وہ لفظ ہے: **"وَلْیَتَلَطَّفْ"** (نرم گفتگو کرنا)[۲] گویا پورے قرآن کا جو مرکزی پیغام ہے۔ وہ نرمی کا پیغام ہے، اللہ تعالی موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیج رہے ہیں، **"فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا"**[۳] یاد رکھیں! کہ نہ تو ہماری شان موسیٰؑ سے بڑی ہے، اور نہ ہی سامنے والا فرعون سے برا ہے۔

---

(۱) پ:۲ سورۃ البقرۃ آیت:۱۶۵ (۲) پ:۱۵، سورۃ الکہف، آیت:۱۹ (۳) پ:۱۶، سورۃ طٰہ، آیت:۴۴

(۵) رات کے آخری پہر میں اللہ سے مانگنا

انبیائے کرام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے: کہ وہ رات کے آخری پہر میں اٹھ کر اللہ- رب العزت- سے مانگا کرتے تھے۔

"كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ"(۱)

"إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا، وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ"(۲)

دل میں خشوع بھی ہو، خوف بھی ہو، امید بھی ہو اور وہ اللہ سے راتوں کو مانگ بھی رہا ہو، وہ زبان سے دعوت بھی دے اور نمازیں پڑھ کر تہجد پڑھ کر، اور ذکر و مراقبے کر کے اللہ سے رو کر بھی مانگے۔ تو یہ رات کو مانگنا سب کے لیے ضروری ہے؛ چاہے وہ معلم ہو یا داعی، شاگرد ہو یا کوئی بھی ہو؛ ہر ایک کے لیے رات کو اٹھ کر مانگنا ایک بڑی نعمت ہے، اللہ والوں کا یہ دستور ہے، کہ وہ رات کے آخری پہر میں اللہ سے رو کر مانگتے ہیں، اور پھر دن کے وقت اللہ کی مخلوق پر محنت کرتے ہیں۔

ہم بھی ذرا دل میں جھانک کر دیکھیں، کہ کیا کبھی اللہ کے حضور رو رو کر آنسو بھی بہائے ہیں؟ اگر دل میں غم ہوتا، تو پھر خود بخود رات کو ہاتھ اٹھتے اور آنسو بہتے۔

آج کے دور میں اگر کوئی طالب علم رات کو اٹھ کر امتِ مسلمہ کے لیے دعائیں نہ مانگے، تو وہ سوچے کہ نبی- علیہ السلام- کی وراثت کے پھر کیا معنی؟ "ورثۃ الانبیاء" میں شامل ہونے کی تمنا کدھر گئی؟ اگر ہم اپنی قوم کے لیے راتوں کو اٹھ کر دو آنسو بہانے کے قابل نہیں۔ اللہ سے معافی مانگنے پہ قادر نہیں۔ نبی- علیہ السلام- تو راتوں کو اٹھ کر امت کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔

یاد رکھیں! کہ جب یہ امت، راتوں کو اٹھ کر رویا کرتی تھی، تو دن کو ہنسا کرتی تھی؛ مگر

---

(۱) پ: ۲۶، سورۃ الذٰریٰت، آیت: ۱۷/ ۱۸ (۲) پ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت: ۹۰

آج یہ راتوں کو سوتی ہے، اور پورا دن یہ روتی ہے!!!۔

(۶) ذکر کرتے رہنا

ذکر کا کام، دعوت الی اللہ کے لیے ضروری ہے، اللہ تعالی نے جب حضرت موسی علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تو ارشاد فرمایا: **"إِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَاتَنِيَا فِي ذِكْرِيْ"**

حضرت مفتی زین العابدینؒ کو اللہ تعالی نے تبلیغ میں اونچا مقام دیا، ایک مرتبہ ان کا بیان تھا، اوران کا یہ بیان عاجز نے خود سنا، اور آج منبر پر بیٹھ کے یہ فقرہ نقل کر رہا ہوں، کہ انہوں نے بیان میں یہ کہا: کہ "جب تک تم کسی سے سیکھ کر ذکر نہیں کرو گے، تبلیغ میں جوتیاں چٹخانے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔" پھر بھرے مجمع میں انہوں نے فرمایا: "یہ ذہن میں رکھیں! ہمارے اکابر علماء دیوبند میں جتنا کثرت سے ذکر کرنے والے حضرت مولانا محمد الیاسؒ تھے اتنا کثرت سے ذکر کرنے والا اکابر میں کوئی دوسرا نہیں۔" اس ذکر کی برکت سے اللہ نے ان پر دعوت کے کام کو کروایا۔ اور آج دیکھیے! دنیا بھر کے ممالک میں اللہ۔رب العزت۔اس محنت کے ذریعہ لوگوں کے ایمان کی حفاظت فرما رہے ہیں۔

(۷) دل کا سوز ایمان سے بھر جانا

نبی علیہ السلام بعض اوقات امت کے لیے اتنے غم زدہ ہوتے تھے، کہ آپ کا دل سوز سے بھر جاتا تھا، ہمیں بھی اسی غم اور فکر کے ساتھ دوسروں کو دعوت دینی چاہیے۔ اللہ تعالی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں: **"لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ"**

(شاید کہ تم اس غم سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے)

ہمارے آقا کو راتوں کو نیند ہی نہیں آتی تھی۔ سینہ گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ راتوں کو روتے رہتے تھے۔ اور مبارک آنسوؤں کی لڑیاں موتیوں کی طرح نیچے گرتی چلی جاتی تھیں۔

---

(۱) پ:۱۶، سورۃ طہ، آیت:۴۲ (۲) پ:۱۹، سورۃ الشعراء، آیت:۳

خود اللہ۔رب العزت۔ان کو تسلیاں دیتے تھے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا.(١) **وَاصْبِرْ وَمَاصَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاتَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّايَمْكُرُوْنَ.**(٢)

(۸) دل میں اخلاص پیدا کرنا

یاد رکھیں! کہ دین کا کام اخلاص کے بغیر آگے نہیں چلتا۔اب بندے کو کیسے پتہ چلے کہ میں دین کا کام اخلاص سے کر رہا ہوں یا نہیں؟ یہ بات میں نے اپنے بڑوں سے سنی ہے،اور اسے ہیرا اور موتی سمجھتا ہو۔میں ہیرے اور موتی جیسی بات آج ان طلبہ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں، یہ آج اس محفل کا ہماری طرف سے ہدیہ سمجھیں۔ہمارے اکابر نے فرمایا: کہ دین کا کام کرنے والے اپنے اندر اخلاص کو اس طرح چیک کرتے ہیں، کہ جب دین کا کام کرتے ہوئے باقی دین کے کام کرنے والوں کے ساتھ دل میں احسان مندی کے جذبات ہوں،تو بندہ سمجھے کہ میں اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔دیکھیں کہ

مدارس کی بھی ایک ترتیب ہے۔

دعوت وتبلیغ کی بھی ایک ترتیب ہے اور

خانقاہوں کی بھی ایک ترتیب ہے۔

یہ سب گناہوں میں پڑے ہوئے بندوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے ہیں،اور لوگوں کی زندگیاں بالکل سنت کے مطابق بن جاتی ہیں۔تو جو آدمی جس انداز سے بھی دین کا کام کر رہا ہے، اگر وہ اپنا کام بھی کرتا ہے،اور دوسرے کام کرنے والوں کے بارے میں دل میں احسان مندی کے جذبات بھی پائے جاتے ہیں؛ تو وہ سمجھ لے کہ میں اخلاص سے کام کر رہا ہوں۔

---

(١) پ:۲۷،سورۃ الطور،آیت:۴۸ (٢) پ:۱۴،سورۃ النحل،آیت:۱۲۷

(۹) الفاظ کے پتھر برداشت کرنا

اس کام کو کرتے ہوئے بعض اوقات آپ کو کئی ناپسندیدہ حالات بھی پیش آسکتے ہیں، نبی علیہ السلام کو کتنی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا؟... نبی -علیہ السلام- مکہ مکرمہ کے بازار میں سے گزر رہے تھے۔ایک کمینے نے نبی -علیہ السلام- سے چہرۂ انور پر تھوک دیا، اس کو دیکھ کر دوسرں نے تھوکا؛ حتی کہ سب کمینوں نے تھوکا، ایک بدبخت نے مٹی لے کر نبی -علیہ السلام- کے چہرۂ انور پر پھینک دی۔ جب نبی -علیہ السلام- کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب ؓ کو پتہ چلا تو وہ پیالے میں پانی لے کر آئیں۔ جب انہوں نے ابا حضور کے چہرۂ انور پر کیچڑ بنا ہوا دیکھا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نبی -علیہ السلام- نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: ''بیٹی! آپ رونہیں، جس دین کو تیرا باپ لے کر آیا ہے، ایک وقت آئے گا کہ وہ ہر کچے اور پکّے مکان میں پہنچ کر رہے گا''۔

پہلے زمانے میں پتھر مارے جاتے تھے، اور آج کے زمانہ میں الفاظ کے پتھر مارے جاتے ہیں۔ جب کوئی کہے کہ اس کو بڑا بننے کا شوق ہے، تو یوں سمجھیں کہ اس نے پتھر مارا ہے، اور محبوب ﷺ کی سنت پوری ہوگئی ہے۔ اس سے دل تنگ نہ کریں؛ کیوں کہ اس کے بغیر ترقی نہیں ہوتی۔ اس قسم کے چھوٹے موٹے حالات ابتداء میں آتے ہیں، پھر اللہ تعالی ان مکی حالات کے بعد مدنی حالات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ہمیں تو اخلاص کے ساتھ لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ اس میں اگر کبھی اپنے آپ پر بوجھ بھی اٹھانا پڑے، تو اس بوجھ کو اللہ کے لیے برداشت کریں؛ کیوں کہ مؤمن بندے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ **''وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ''**(۱)

(۱۰) خدمتِ دین پر سجدۂ شکر بجالائیں

اگر ہم سرکاری کام نہیں کریں گے، تو سرکار کسی اور سے کام لے لے گی، ارشاد فرمایا: **''وَإِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا أَمْثَالَکُمْ''**(۲)

---

(۱) پ:۶ سورۃ المائدۃ، آیت: ۵۴ (۲) پ:۲۶، سورۃ محمد، آیت: ۳۸

اگر اللہ تعالی ہمیں دین کے کام کے لیے قبول کرلیں تو ہم اللہ تعالی کے سامنے ''سجدۂ شکر'' بجالائیں، کہ اے مالک! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ نسبت عطا فرمائی۔

بہر حال آپ اس علم کو جو آپ نے حاصل کیا اپنے اوپر سجائیں، اور اس کو آگے پہنچانے کی نیت بھی کریں؛ اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو)(۱)۔

وہ امت، لقب جس کا خیر الامم ہے

اگر آج بھی ہم چاہیں، کہ دین کا کام آگے بڑھے، اور مسلمانوں کو وہی شان وشوکت حاصل ہو، تو ہم میں سے ہر بندے کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق دین کی دعوت کا کام کرنا ہوگا۔

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

آخری بات

اب ایک آخری بات توجہ کے ساتھ سن لیجیے! کہ جب دین کی دعوت کا کام کرنے والا بندہ اللہ پر نظر رکھ کر قدم اٹھالیتا ہے، تو اللہ تعالی اس کا معاون بن جاتا ہے، اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے، اللہ اس کا ناصرِ حقیقی بن جاتا ہے؛ حتی کہ داعی کو دین کے کام میں جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالی اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا دعا ہے، کہ یہ تمام جو طلبہ مدارس کے ماحول میں رہ کر پڑھنے کی سعادت پاچکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بقیہ پوری زندگی دعوت کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ عالم بن کر نہیں؛ بلکہ خادم بن کر اس کام کو پوری زندگی کرتے رہیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالی آپ کو کس طرح سرخ روئی عطا فرماتے ہیں؟

اپنے اسلاف کو دیکھیے!

حضرت مدنیؒ کے شاگردوں کو دیکھیے! حضرت گنگوہیؒ کے شاگردوں کو دیکھیے! حضرت

---

(۱) پ: ۴ سورۃ ال عمران، آیت: ۱۱۰

شیخ الہند کے شاگردوں کو دیکھیے! ان کے شاگردوں میں سے کوئی بھی آپ کو فارغ بیٹھا نظر نہیں آئے گا۔ ہر ہر شاگرد نے کام کیا۔ آپ شیخ الہند کے کسی ایک شاگرد کا نام بتائیں، کہ جس نے ان سے پڑھا ہو اور دین کا کام نہ کیا ہو۔

ایک دفعہ میری ملاقات دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے ہوئی، میں نے ان سے یہی طالبعلمانہ سوال کیا، کہ حضرت! آپ بتائیں کہ اس مرکز میں بیٹھ کر آپ کو کوئی ایک مثال کبھی نظر آئی، کہ کسی نے حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھا ہو اور پھر اس نے دین کا کام نہ کیا ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے حضرت شیخ الہند کا کوئی شاگرد ایسا نظر نہیں آتا، جس نے دین کا کام نہ کیا ہو۔ یہ ان کی قبولیت عند اللہ کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ! ہمارے اکابر ایسے ہی تھے۔

ایک مرتبہ انگریزوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی -رحمۃ اللہ علیہ- کو گرفتار کر لیا، حضرت نے جیل کے اندر ایک قیدی کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا، کچھ عرصے بعد آپ کی آزادی کے نوٹس آ گئے۔ جب جیلر نے آکر حضرت کو بتایا، کہ آپ کی گرفتاری ختم ہو گئی ہے، تو آپ نے فرمایا: میں تو ابھی گھر نہیں جاتا۔ اُس نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: میں فلاں قیدی کو قرآن مجید پڑھا رہا ہوں، جب تک مکمل نہیں کروں گا، گھر نہیں جاؤں گا، یہ تھے ہمارے اسلاف اگر اس طرح علم کی خدمت کا جذبہ ہو گا اور ساتھ ساتھ اخلاص ہو گا تو پھر دیکھنا۔

.... آیئے! اس قافلے کے ایک اور نحیف اور ناتواں بزرگ کو دیکھیے، جو اپنے بستر کو اپنی پیٹھ پر رکھ کر ہر ہر امتی کے دروازے پہ جانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اور لوگوں سے بھیک مانگتا ہے: کہ اپنے آقا کے دین کو سیکھنے کے لیے کچھ وقت عطا کر دیجیے- یہ حضرت مولانا الیاس -رحمۃ اللہ علیہ- ہیں۔

.... اسی قافلے کے ایک اور بزرگ، جو مالٹا کی جیل میں قید ہیں، حضرت شیخ الہند

-رحمۃ اللہ علیہ- کی زندگی کو دیکھیے! جیل کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں، اور جیل کے لوگوں کو حدیث اور تفسیر پڑھا کر حضرت یوسف -علیہ السلام- کے روحانی فرزند ہونے کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

اگر طلبہ بھی اپنے اسلاف کا جذبہ پیدا کرلیں....

اگر طلبہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں اور گھر کے اندر اپنے محبوب ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنا شروع کر دیں، تو -ان شاء اللہ- ہر گھر کے اندر دین کا چراغ اور نور کا چراغ روشن ہوگا، پھر آپ دیکھنا کہ یہ بے عملی اور کفر وشرک کی ظلمت ختم ہو جائے گی۔ اور بالآخر اسلام کی یہ نورانیت پوری دنیا کے اندر غالب آجائے گی۔ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آئے گا پیغام سجود
پھر جبیں، خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

طلبہ کو وصیت کے رنگ میں نصیحت

طلبہ کو یہی نصیحت وصیت کے رنگ میں کی جاتی ہے کہ اب یہ اپنے گھروں کو جائیں گے، وہاں ان کے لیے نیا امتحان شروع ہوگا، کہیں گھر کا ماحول موافق نہیں، کہیں گھر کے لوگ مخالفت کرتے ہیں، کہیں رسومات اور بدعات کی بھرمار ہے؛ ان کو حکمت ودانائی سے ختم کرنا ہے۔ تو آپ کو اب اس ذمہ داری کو نبھانا ہے۔

سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے قیامت کے دن چمکائے جائیں گے۔ ایسے چمکائے جائیں گے جیسے زمین والوں کے لیے آسمان میں ستارے چمکتے ہیں، تو اپنے گھروں

کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں سے مزین کر کے زمین کے ستاروں کی مانند کر دیجیے۔

اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دیجیے، یاد رکھیے! آپ اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کریں گے، پروردگار کبھی بھی زندگی میں آپ کو نیچا نہیں ہونے دیں گے، ہمیشہ آپ کا بازو پکڑیں گے، آپ کو سہارا دیں گے، اور رب کریم آپ کی حفاظت فرمائیں گے، لہذا دعا ہے کہ اللہ تعالی اس علم کے نور کی نسبت کو آپ کے سینے میں محفوظ فرمائیں، ہر مخالف سے ہر بے قدرے سے محفوظ فرمائیں، اور اللہ تعالی آپ کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔

تو اپنی نمازوں میں، اپنی تہجد میں یہ دعا ضرور مانگیے، **رب اغفر** اے اللہ میرے پالن ہار، ــــ ربوبیت کو پوری طرح ذہن میں رکھ کر اس دعا کو مانگیے ــــ، **رَبِّ اغْفِرْ**، اے اللہ! میرے سارے گناہوں کو معاف فرما دیجیے میں مجرم ہوں، اللہ مجھ سے بڑی خطائیں ہوئیں؛ مگر آپ تو بخشنے والے ہیں۔ آپ کے محبوبؐ نے بتلادیا کہ اگر کوئی آدمی اتنے گناہ لے کر آئے کہ اس کے گناہ زمین کے ریت کے ذرات سے بھی زیادہ ہوں، ساری دنیا کے درختوں کے پتوں سے بھی زیادہ ہوں، آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہوں، سمندر کے پانی کے قطروں سے بھی زیادہ ہوں، اور وہ سچے دل سے معافی مانگیے؛ تو پروردگار اس کے گناہوں کو بھی معاف فرما دیتے ہیں، **رَبِّ اغْفِرْ** اے میرے پالن ہار! میرے گناہ اس سے بھی زیادہ سہی؛ مگر آپ معاف فرمادیجیے، اس لیے کہ آپ معاف کر کے خوش ہوتے ہیں، محبوبؐ نے بتلادیا **اَللّٰھُمَّ إِنَّکَ عَفُوٌّ** ۔اے اللہ آپ معاف کرنے والے ہیں، (۱) **تُحِبُّ الْعَفْوَ**، معافی کو پسند کرتے ہیں، **فَاعْفُ عَنِّيْ**۔ پس آپ ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرمادیجیے **وَارْحَمْ**۔ اور مجھے رحمت کی نظر سے دیکھ لیجیے، محبت کی ایک نظر سے دیکھ لیجیے، میرے دنیا و آخرت کے کاموں کو سنوار دیجیے۔ یا اللہ ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمائیں، اور اس عاجز مسکین کی دعاؤں سے اللہ ان بچوں کو اپنے وقت پر رخصت فرمائیں۔

---

(۱) سنن ترمذی ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲/ ۱۹۱ رقم: ۳۳۱۳

اپنے گھروں کو دین کے جامعات بنادیں۔چھوٹے بڑوں کے لیے دین کے نقشے زیادہ کردیں،تو اللہ کے محبوبؐ کی روح کو تسکین ہوگی،خوشی نصیب ہوگی۔اللہ کے محبوبؐ بھی خوش ہونگے،میری امت کا ایک بچہ جس نے دین کا علم پڑھا اس نے اپنے گھر کو نیک اعمال سے بھرنے کے لیے اتنی کوشش کی ہے،پھر جب روز قیامت حوض کوثر پر جائیں گے،اللہ کے محبوبؐ اپنے ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام پلائیں گے۔

ہم کوشش کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں

یادرکھیں!آج ہم میں سے ہر بندہ برائی کے سیلاب کو روک تو نہیں سکتا؛مگر ہم کوشش کرنے کے مکلّف،پابند ہیں۔آپ اپنے طور پر کوشش کریں،کیا پتہ اللہ ان عاجزانہ کوششوں کو قبول کرلیں،ہدایت کی ہواؤں کو عام کردیں۔آج ہم گناہوں کی آگ بجھانے کے لیے علم کے نور کے قطرے ڈالیں،اوران گناہوں کی آگ کو بجھانے کی کوشش کریں۔

قیامت کے دن اللہ کے ہاں اجر کے مستحق بن جائیں گے۔پرروردگار ہمیں دنیا اور آخرت میں عزتوں کی زندگی عطافرمائیں،اور قیامت کے دن عزتوں کے ساتھ کھڑا ہونا نصیب فرمائیں۔،جیسے نبی علیہ السلام نے اپنے پیارے صحابی کے لیے دعا کی تھی حضرت طلحہؓ کے لیے، اے اللہ!قیامت کے دن ان سے ایسا معاملہ کرنا کہ یہ آپ کو دیکھ کر مسکرائیں،اورآپ انہیں دیکھ کر مسکرائیں۔ہم بھی اپنی آخری تمنا یہی کرتے ہیں،یااللہ! قیامت کے دن ہمیں بھی دیکھ کر آپ مسکرائیں اور ہم بھی آپ کو دیکھ مسکرائیں،ایسے لوگوں کو آواز آرہی ہوگی۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ،ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً،فَادْخُلِي فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ’’(ارشاد ہوگا)اے ایمان والی روح اپنے رب کی طرف لوٹ چل،تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی،پس میرے بندوں میں شامل ہوجا،اور میری جنت میں داخل ہوجا۔(پ:۳۰سورۃ الفجر ،آیت:۲۷تا۳۰)

قبولیت دعا کا دن

وہ طلبہ جنہوں نے رات دن حدیث کو پڑھنے میں گزارے، جنہوں نے معمولی کھانے کھائے، معمولی بستروں پر سوئے، آرام کو قربان کیا، ماں باپ کی جدائی کو برداشت کیا، اللہ کی خاطر ان جامعات میں زندگی گزاری؛ آج وہ اپنے رب سے دعائیں مانگیں، وہ رب ان کی قدردانی فرمائیں گے، ان کے گناہوں کو معاف کریں گے۔ ہم اقرار کرتے ہیں مالک! ہمیں جیسا پڑھنا چاہیے تھا ہم نہیں پڑھ سکے، علم جیسا حاصل کرنا چاہیے تھا، ہم نے وہ قدر نہیں کی، اللہ! ہمیں نبیؐ سے جیسے محبت کرنی چاہیے تھی ویسی محبت نہ کی؛ مگر مالک آج احساس ہو رہا ہے، نادم ہیں، شرمندہ ہیں، اے مالک ہم نے سنا ہے آپ ہمارے مالک ہیں، پالنے والے ہیں؛ لہٰذا آج ہم اس یقین کے ساتھ مانگتے ہیں کہ **رَبِّ اغْفِرْ** اے ہمارے پالنے والے، اے ہمیں خوشی و غم میں سہارا دینے والے، اے وہ ذات پاک جس نے ہمیں پال کر جوان کیا، اے اللہ! اب ہمارے قصوروں کو بھی معاف کر دیں۔

رَبِّ اغْفِرْ

''اے اللہ ہمیں معاف کر دیں''

بندہ جب اللہ سے اس احساس کے ساتھ دعا مانگے تو اللہ قبول فرمائیں گے۔ صرف معاف ہی نہیں کرتا؛ بل کہ اس کی شانِ رحمت دیکھیے وہ اتنا خوش ہوتا ہے، وہ بندے کے گناہوں کو اگر چاہتا ہے، تو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اے مولیٰ! ہم نے کوئی اور ذات ایسی نہ دیکھی کوئی ایسا در نہ دیکھا، ایک تیرا ہی در ہے، ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ آپ کے در ہی سے ہمیں سب کچھ ملتا ہے، لہٰذا ہم اپنا دامن آپ کے سامنے پھیلاتے ہیں، **رَبِّ اغْفِرْ** اے رب! ہماری مغفرت کر دیجیے، میرے گناہوں کو بخش دیجیے! اللہ معاف فرما دیتے ہیں؛ مگر ایک اور لفظ بھی ساتھ ملا دیا گیا **وارحم**: یعنی ہم پر رحمت بھی نازل فرما دیجیے، مجھے ایک دفعہ رحمت کی نظر سے دیکھ لیجیے! یقین جانیے ہمارا معاملہ اللہ کی ایک نگاہ پر موقوف

ہے۔

تری ایک نگاہ کی بات ہے
مری زندگی کا سوال ہے

آپ ایک رحمت کی نظر ڈالیں گے، ہماری زندگی آباد ہوجائے گی، اللہ ہماری زندگی کے اندر بہار آجائے گی اس لیے کسی کہنے والے نے کہا: ۔

یہ خزاں کی فصل کیا ہے فقط ان کی چشم پوشی
وہ اگر نگاہ کردیں تو ابھی بہار آئے

اللہ کی رحمت کی نظر اگر بندے کی زندگی میں پڑ جائے، تو بہار آجاتی ہے، اے اللہ! اب جب کہ آپ نے ہمیں معاف کردیا تو ہمیں محبت کی نظر سے دیکھ لیجیے!

حوالہ جات کی کتب اوران کے مؤلفین اورمطابع کے نام

الأرقام	أسماء الکتب	أسماء مؤلفیهم	مطابع
۱	تفسیر روح المعاني	العلامة أبو الفضل شهاب الدین محمود الآلوسي البغدادی رحمه الله	زکریا بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (الهند)
۲	تفسیر ابنِ کثیر	الإمام الحافظ عماد الدین أبو الفداء إسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقي رحمه الله	زکریا بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (الهند)
۳	محموعة تفاسیر (أنوار التنزیل، لباب التاویل)	الأوّل لشیخ مشائخ الإسلام القاضي إسماعیل ناصر الدین أبو سعید عبد الله بن عمر البیضاوي الشافعي رحمه الله الثاني تألیف الإمام علاء الدین علي بن محمد بن إبراهیم البغدادي الصوفي الشافعي رحمه الله	المطبعة العامرة مندرجه کتب خانه دار العلوم دیوبند ۵۷۶۳۸
۴	الجامع لأحکام القرآن	أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بکر القرطبي رحمه الله	المطبعة العامرة مندرجه کتب خانه دار العلوم دیوبند ۱۳۳۸۶۴
۵	صحیح البخاري	الإمام الحافظ أبو عبد الله محمد بن إسماعیل البخاري رحمه الله	أهم المجمع الخیري (ہم چیریٹیبل ٹرسٹ) مهاراشترا (الهند)
۶	صحیح مسلم	الإمام الحافظ أبو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیري رحمه الله	مکتبة تهانوي دیوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)
۷	سنن أبي داؤد	الإمام الناقد سلیمان بن الأشعث ابي داؤد السجستاني رحمه الله	مکتبة تهانوي دیوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)
۸	سنن الترمذي	الإمام العلام أبو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذي رحمه الله	یاسر ندیم اینڈ کہمنی دیوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)
۹	سنن االنسائي	الإمام الحافظ أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب بن علی النسائي رحمه الله	مکتبة تهانوي دیوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)
۱۰	سنن ابن ماجة	الإمام أبو عبد الله محمد بن یزید بن ماجة رحمه الله	مکتبة تهانوي دیوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)
۱۱	مسند أحمد	الإمام أحمد بن محمد بن حنبل أبی عبد الله الشیبانی رحمه الله	دار إحیاء التراث العربی بیروت-لبنان
۱۲	شرح معانی الآثار	الإمام أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصري الطحاوي رحمه الله	مکتبة تهانوي دیوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)

۱۳	مشکوٰۃ المصابیح	الإمام المحدث الشیخ ولي الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الله الخطیب رحمه الله	مكتبة أشرفية ديوبند ضلع سهارنپور، یوپی (الهند)
۱۴	الجامع لشعب الإيمان	الإمام أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۱۵	سنن الدارمي	الإمام أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۱۶	المصنف	الإمام أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي رحمه الله	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي- باكستان
۱۷	مجمع الزوائد	الإمام الحافظ العالم أبو الحسن علي بن أبي بكر سليمان الشافعي رحمه الله	دار المنهاج المملكة العربية السعودية-جدة-
۱۸	المعجم الأوسط	الإمام الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الطبراني رحمه الله	دار الفكر عمان- الأردنّ
۱۹	المعجم الكبير	الإمام الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الطبراني رحمه الله	دار الفكر عمان- الأردنّ
۲۰	كنز العمال	العلامة علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهندي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۲۱	المستدرک على الصحيحين	الإمام الحافظ أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۲۲	حلية الأولياء	الإمام الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهاني الشافعي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۲۳	سير أعلام النبلاء	الإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه الله	مؤسسة الرسالة بيروت-لبنان
۲۴	كتاب المجموع	الإمام أبو زكريا محي الدين بن شرف النووي رحمه الله	دار إحياء التراث العربي بيروت-لبنان
۲۵	البداية والنهاية	الإمام الحافظ عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن عمر ابن كثير الدمشقي رحمه الله	دار المعرفة بيروت-لبنان
۲۶	الترغيب والترهيب	الإمام الحافظ ذكي الدين بن عبد العظيم بن عبد القوي المنذري رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۲۷	مسند أبي يعلى الموصلي	الإمام أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى الموصلي	دار الثقافة العربية دمشق
۲۸	تاريخ بغداد	الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان

۲۹	الاستذكار	الإمام الحافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله ابن محمد ابن عبد البر النمري الأندلسي رحمه الله	دار الوعي حلب-القاهرة
۳۰	رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار	خاتمة المحققين محمد أمين الشهير بابن عابدين رحمه الله	زکریا بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (الهند)
۳۱	كشف الأستار	الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي رحمه الله	مؤسسة الرسالة بيروت-لبنان
۳۲	تدريب الراوي	الحافظ جلال الدين عبد الرحمن بن محمد السيوطي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۳۳	كشف الخفاء ومزيل الإلباس	المفسر المحدث الشيخ إسماعيل بن محمد العجلوني الجزاحي رحمه الله	مؤسسة الرسالة بيروت-لبنان
۳۴	جامع بيان العلم وفضله	الإمام الحافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله القرطبي المالكي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
۳۵	الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع	الحافظ الخطيب البغدادي رحمه الله	مكتبة المعارف الرياض
۳۶	اقتضاء العلم العمل	الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي رحمه الله	المكتب الإسلامي بيروت-لبنان
۳۷	إحياء علوم الدين	الإمام أبو حامد محمد بن محمد الغزالي رحمه الله	شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر
۳۸	تنبيه السالكين	العلامة الولي الكبير حسن بن محمد حلمي القحي النقشبندي رحمه الله	الجمهورية روسيا داغستان
۳۹	الرسالة القشيرية	الإمام أبو القاسم عبد الكريم بن هوازن ابن عبد الملك ابن أبي طلحة القشيري النيسابوري القرشي رحمه الله	مندرجة كتب خانه دار العلوم ديوبند ۲۱۶۱۷
۴۰	رسالة المسترشدين	أبو عبد الله الحارث بن أسد المحاسبي البصري رحمه الله	مكتب المطبوعات الإسلامية حلب-بيروت
۴۱	بستان الواعظين	أبو الفرج عبد الرحمن بن الجوزي رحمه الله	دار الحديث القاهرة
۴۲	السيرة الحلبية	الإمام أبو الفرج نور الدين علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي الشافعي رحمه الله	المطبعة الأزهرية المصرية
۴۳	التبصرة	أبو الفرج عبد الرحمن بن الجوزي رحمه الله	
۴۴	تلبيس إبليس مع ترجمه أردو تجنيس تدليس	أبو الفرج عبد الرحمن بن الجوزي رحمه الله	مطبع فاروقي

۴۵	ديوان أمير المؤمنين علي ابن أبي طالب -كرم الله وجهه-		مطبع قيومي كانپور
۴۶	دیوان امام شافعیؒ	ترجمہ، ترتیب، توضیح، طاهر الإسلام قاسمي	دار المعارف دیوبند
۴۷	تعليم المتعلم	الشيخ برهان الدين الزرنوجي رحمه الله	دار الكتب العلمية بيروت-لبنان مكتبة البشرى كراچی-پاکستان
۴۸	قيمة الزمن عند العلماء	العلامة الشيخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله	دار البشائر الإسلامية بيروت-لبنان
۴۹	لباس الرسول ﷺ والصحابة والصحابيات -رضي الله عنهم- مع نبذة من عيش النبي ﷺ وصحابته الكرام -رضي الله عنهم-	أبو طلحه محمد يونس بن عبد الستار	مطابع الوحيد

مرتِّبِ کتاب نے تمام حوالہ جات اصل کتاب سے مراجعت کے بعد ہی تحریر کیے ہیں، نیز احادیثِ مبارکہ کے نمبرات بھی اصل کتب ہی سے نقل کیے ہیں۔ البتہ ''صحاح ستہ'' کی کتب میں سے ''صحیح بخاری'' کے علاوہ بقیہ پانچ کتب چونکہ ترقیم شدہ ہمیں دستیاب نہیں؛ اس لیے ان کتب کی احادیث کے ابواب، صفحات اور جلد نمبر تو اصل کتاب سے لکھے ہیں؛ مگر اُن کے نمبرات وہ تحریر کیے ہیں، جو آج کل موبائل اور نیٹ وغیرہ پر عام ہیں ''جامع الکتب التسعۃ'' کے نام سے جو ''ایپ'' ہے، یہ نمبرات اس ''ایپ'' کے نمبرات کے مطابق ہیں۔